Title - Doulat-e-Usma

V.1

Author-Muhammad Aziz

Date- 1939

مجلد شدہ جنوری

سلسلۂ دار المصنفین (۶۰)

بسلسلۂ تاریخ اسلام

دولت عثمانیہ

سلطنت عثمانیہ کے عروج وزوال کی تاریخ اور جمہوریہ ترکیہ کے کارناموں کی تفصیل

جلد اوّل

از عثمان اوّل ۶۸۷ھ ۱۲۸۸ء تا مصطفیٰ رابع ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء

مرتبہ

محمد عزیر ایم۔ اے (علیگ)

رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ

باہتمام

مولوی مسعود علی ندوی،

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

۱۳۵۰ھ
۱۹۳۹ء

فہرست مضامین

دولتِ عثمانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ دولتِ عثمانیہ

دارالمصنفین نے تاریخِ اسلام کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کی آخری کڑی تاریخ دولت عثمانیہ ہے، جس کو ہمارے رفیق مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے نے تقریباً سات برس کے مطالعہ اور محنت کے بعد لکھا ہے، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس عظیم الشان سلطنت کی یہ پہلی تاریخ ہے جو اردو زبان مین لکھی گئی ہے، اس سے پہلے ہماری زبان مین اس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ محض یورپین مصنفون کے تراجم اور خیالات تھے،

اس تاریخ کی دوسری خصوصیت اس کی جامعیت ہے یعنی یہ کہ یہ ترکون کی شروع سے موجودہ زمانہ کی پوری تاریخ ہے اور اس لحاظ سے بھی اس کی حیثیت اہم ہے،

دارالمصنفین کے سلسلۂ تاریخِ اسلام کی مختلف جلدین جیسے جیسے تیار ہوتی جائینگی چھپتی جائینگی چنانچہ اس کا پہلا حصّہ چھپ چکا ہے، دوسرا زیر طبع ہے،

تاریخ دولتِ عثمانیہ دو حصّون مین ختم ہوگی، پہلا حصّہ آج شائع ہو رہا ہے، اور دوسرا پریس مین جانے کو تیار ہے،

سید سلیمان (ناظم دارالمصنفین)

۷ شوال ۱۳۵۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

عثمانی ترک جن کا یہ نام کسی نسل یا قوم کی طرف نہین بلکہ اُن کے پہلے فرمانروا عثمان خان کی طرف منسوب ہی ایشیاے کوچک مین پہلے خانہ بدوشون کی حیثیت سے داخل ہوے پھر ایک ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو ڈیڑھ سو برس کے اندر دنیا کی زبردست طاقتون مین شمار کی جانے لگی، تین سو برس گذرنے نہ پائے تھے کہ عثمانی سلطنت وسعت اور طاقت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے زیادہ عظیم الشان سلطنت بن گئی، اس کے عروج کا دور مشرق مین سلطان سلیم اوّل اور مغرب مین سلیمان اعظم کی فتوحات پر ختم ہوتا ہے، جس کی حکومت ایشیا، یورپ، اور افریقہ کے وسیع حصون مین قائم تھی، اس عہد مین عثمانی ترک ایک مرکزی یورپین طاقت تھے، ہنگری ان کے زیرنگین تھا، اور آسٹریا کے پایہ تخت ویانا کی دیوارون تک اُن کی فوجین پہنچ چکی تھین، ان کی ہیبت سارے یورپ پر چھائی ہوئی تھی،

لیکن سلیمان اعظم کی زندگی ہی مین سلطنت کے اندر بعض کمزوریون کے اسباب پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے جو اس کی وفات کے بعد روز بروز نمایان ہوتے گئے، سلیمان کے بعد جتنے سلاطین تخت پر بیٹھے ان مین سے معدودے چند کے علاوہ کسی مین سلطنتِ عثمانیہ

کی فرمانروائی کی اہلیت جیسی چاہیئے نہ تھی، چنانچہ جس طرح آہستہ آہستہ اس سلطنت کا عروج ہوا تھا اسی آہستگی کے ساتھ اس کا زوال بھی شروع ہوا، اور اس کے زوال کی مدت بھی اس کے عہدِ عروج کی طرح تین سو سال ہے، ان مین سے آخری ڈیڑھ سو برس مین سلطنت عثمانیہ اپنے سے کہین زیادہ طاقتور سلطنتون کا مقابلہ کرتی رہی، مگر اندرونی کمزوریون کے باعث ایسی پے در پے شکستین اٹھائین کہ بالآخر ۱۹۱۸ئہ مین اس کا خاتمہ ہوگیا،

حال مین جمہوریہ ترکیہ نے اپنے چند سالہ قیام مین ان تمام کمزوریون کو جو سلطنت عثمانیہ کی تباہی کا باعث ہوئی تھین دور کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کوشش مین اس کی کامیابی تاریخِ عالم کے حیرت انگیز کارنامون مین سے ہے، اس نے گذشتہ سلطنت کے کھنڈر پر ایک مستحکم قلعہ تعمیر کرلیا ہے جو ترکی قوم کے عزم و استقلال کی ایک زندہ مثال ہے، یورپ کا "مردِ بیمار" دم توڑنے کے بعد نہ صرف جی اٹھا بلکہ اس کے اندر صحت و شباب کی ساری قوتین عود کر آئین تا آنکہ بیسوین صدی کی عیسائی دنیا کو بھی اس معجزہ کا قائل ہونا پڑا،

ذیل کے صفحات ان ہی واقعات کی تفصیل پر مشتمل ہین، یہ سرگذشت بارہا بیان ہو چکی ہے، تاہم اپنے اندر کچھ ایسی کیفیت رکھتی ہے کہ تکرار سے جی نہین گھبراتا، ترکون نے اسلام کی جو گرانقدر خدمات انجام دی ہین، دفاع و جہاد کے فرض کو جس سرفروشی سے ادا کیا ہے، اس کا اعتراف جتنی بار بھی کیا جائے کم ہے، صرف یہی ایک چیز ہر اس تالیف کیلئے معقول وجہ ہوسکتی ہے جو عثمانی ترکون کے کارنامون پر ترتیب دیجائے، لیکن اگر اس کے علاوہ صحتِ روایات کا بھی حتی الامکان پورا پورا اہتمام کیا گیا ہو، اور محض واقعات کے بیان کرنے پر قناعت نہ کی گئی ہو، بلکہ اسباب و علل کی تلاش بھی رہی ہو، اور اس قوم کے عروج و زوال کی تاریخ کا مطالعہ عبرت کی نظر سے کیا گیا ہو تو مرتب کے لئے شاید کسی معذرت کی

ضرورت نہین،

ان صفحات کی ترتیب مین عثمانی ترکون کی تاریخ سے متعلق انگریزی، عربی اور فارسی کی مستند ترین کتابون نیز بعض منتخب ترکی اور فرانسیسی تاریخون کے ترجمون سے مدد لی گئی ہے، اور تلاش و تحقیق کا کوئی دقیقہ حتی الامکان فروگذاشت نہین کیا گیا ہے،

محمّد عزیز، (علی گڈہ)

۱۴ اگست ۱۹۳۹ء

ترک

ترک اول اول چھٹی صدی عیسوی میں روشناس ہوتے ہیں، یہ ایک خانہ بدوش قوم تھی جو مشرقی ایشیا اور وسط ایشیا میں گھومتی پھرتی تھی، اور وقتاً فوقتاً مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ کی آبادیوں پر حملہ آور ہو کر انھیں ویران کر دیتی تھی، چھٹی صدی عیسوی میں اس نے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی جو منگولیا اور چین کی شمالی سرحد سے لے کر بحر اسود تک پھیلی ہوئی تھی، اس سلطنت کے بانی کا نام چینی تاریخوں میں "تومین" (Yumen) اور ترکی کتبوں میں "بومین" (Bumin) درج ہے، تومین ۵۵۲ء میں مرگیا، اس کے بھائی نے جس کا نام "استامی" (Istami) تھا مغرب میں فتوحات حاصل کیں، دونوں بھائی الگ الگ حکومتوں پر حکمراں تھے، اہل چین ان حکومتوں کو شمالی ترکوں کی سلطنت اور مغربی ترکوں کی سلطنت کہتے تھے، پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) میں ان دونوں حکومتوں کو سلطنت چین کی اطاعت قبول کرنی پڑی، لیکن ۶۳ ہجری (۶۸۲ء) میں شمالی ترکوں نے چین کی فرماں روائی سے آزاد ہو کر اپنی سابق خود اختیاری پھر حاصل کر لی، "کتبات اورخان" جو منگولیا کے دریائے اورخان کے نام سے منسوب ہیں، اور ترکی زبان کی قدیم ترین یادگار ہیں، ترکوں کی اسی شمالی سلطنت سے تعلق رکھتے ہیں، یہ سلطنت ۱۲۶ ہجری (۷۴۴ء) تک قائم رہی، مغربی ترکوں میں "ترگیش" (Turgesh) کا قبیلہ سب سے زیادہ ممتاز تھا، اس کے

سرداروں نے پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) کے آخر میں خاقان کا لقب اختیار کر لیا تھا، لیکن ۱۲۱ سنہ ہجری (۷۳۹ء) میں عربوں نے نصر بن سیار کی قیادت میں ترگیش کی حکومت کا خاتمہ کر دیا،

ترک اسلام میں ترکوں اور عربوں کے تعلقات پہلی صدی ہجری میں ولید اول کے عہد خلافت سے شروع ہوئے، اسی عہد میں قتیبہ بن مسلم نے بیقند، بخارا، سمرقند، خوارزم (خیوا) فرغانہ، شاش (تاشقند) اور کاشغر کے ترکی علاقے فتح کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کی، لیکن ان فتوحات کا اثر ترکوں کے قبولِ اسلام پر بہت کم پڑا، اور وہ بدستور بت پرستی کرتے رہے، البتہ سمرقند میں قتیبہ کی بت شکنی نے بت پرستی کا بھی خاتمہ کر دیا، جب قتیبہ وہاں پہنچا تو اسے بہت سے بتخانے نظر آئے جن کی نسبت عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ ان کے ساتھ بے ادبی کرنے والا فوراً ہلاک ہو جائیگا، قتیبہ نے ان بتخانوں میں آگ لگا دی، مگر اس پر کچھ آنچ نہ آئی، یہ دیکھکر بت پرستوں نے اسلام قبول کر لیا[۱]،

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے مختصر عہد خلافت ۹۹-۱۰۱ھ مطابق ۷۱۷-۷۲۰ء) میں اشاعتِ اسلام کی خاص طور پر کوشش کی، تو منجملہ اور ممالک کے انھوں نے ماوراء النہر کے (ترک) بادشاہوں کو بھی اسلام کی دعوت دی، اور ان میں سے بعض اسلام لائے[۲]، پھر عبد اللہ بن معمر الیشکری کو دعوتِ اسلام کے لئے ماوراء النہر بھیجا، اور وہاں کے بعض قبیلے مسلمان ہو گئے، اس کے بعد خلیفہ ہشام کے عہد (۱۰۵-۱۲۵ھ مطابق ۷۲۴-۷۴۳ء) میں ابو صیدا کی تبلیغ سے ماوراء النہر کے لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے، سمرقند اور بخارا وغیرہ سے

۱؎ "دعوت اسلام" از آرنلڈ، مطبوعہ علی گڈھ ص ۲۳۵ (The Preaching of Islam by T. W. Arnold)

۲؎ فتوح البلدان، از بلاذری، مطبوعہ قاہرہ ص ۴۳۲،

جو ترکستان کے علاقے تھے جزیہ اور خراج کی رقمیں بیت المال میں آتی تھیں، خراج کے سلسلہ میں ترکستان سے لونڈیاں اور غلام بھی بھیجے جاتے تھے، جو رفتہ رفتہ اسلام قبول کرنے لگے، پھر بھی معتصم باللہ کی خلافت (۲۱۸-۲۲۷ھ مطابق ۸۳۳-۸۴۲ء) تک ترکوں میں اسلام کی اشاعت عام طور پر نہ ہو سکی، سب سے پہلے خلیفہ منصور (۱۳۶-۱۵۸ھ مطابق ۷۵۴-۷۷۵ء) نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا، لیکن اس کے عہد میں ان کی جماعت بہت قلیل تھی، اور فوج اور حکومت میں صرف عربوں اور ایرانیوں کا اقتدار تھا، ہارون الرشید کے زمانۂ خلافت میں اہلِ عرب اور اہلِ فارس کے درمیان جو حریفانہ کشمکش پیدا ہوئی، اس نے امین کے زوال کے ساتھ عربوں کی قوت کا بھی خاتمہ کر دیا، اور مامون کے عہد میں جس کی ماں ایرانی النسل تھی ایرانیوں کا زور بہت بڑھ گیا، اس کے بعد جب معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے ایرانیوں کے اقتدار سے خائف ہو کر ترکوں سے مدد حاصل کرنی چاہی، اور چونکہ اس کی ماں ترک تھی، اس لئے طبعاً اسے ترکوں کی جانب میلان بھی تھا، چنانچہ اس نے ہزاروں ترک غلام خرید کر انھیں اسلامی تعلیم اور فوجی تربیت دی، اور اب فوج میں ترکوں کی تعداد اور قوت تیزی کیساتھ بڑھنے لگی، گبن لکھتا ہے کہ "معتصم نے جو اس خطرناک مثال کا سب سے پہلا بانی ہے، پچاس ہزار سے زیادہ ترکوں کو دار الخلافت میں لا کر آباد کیا"[1] اس نے ان کے لئے طلاکار ریشمی لباس تجویز کیا، اور زریں پٹکے وردی میں شامل کئے، جس کی وجہ سے ترکی دستے دوسری فوجوں سے ممتاز معلوم ہوتے تھے، ہر سال ہزاروں ترک غلام پایہ تخت

---

[1] تاریخ زوال روما از گبن، جلد ۴ ص ۴۷، مطبوعہ فریڈرک وارن اینڈ کمپنی، لندن، ۱۸۹۰ء،
(Decline and Fall of the Roman Empire. by E. Gibbon. Vol. IV. Frederick warne & co London - 1890

یں لائے جاتے تھے، ان میں سے کچھ محافظ شاہی دستہ میں داخل کئے جاتے تھے، اور باقی فوج میں بھرتی ہوتے تھے، جو اپنی قابلیت میں زیادہ ممتاز ہوتے تھے وہ فوجوں کے سپہ سالار مقرر کئے جاتے تھے، جوں جوں ترکوں کی قوت فوج میں بڑھتی گئی، عربی دستے کم ہوتے گئے، ترکوں کو چونکہ خلیفہ کی خاص سرپرستی حاصل تھی، اس لئے وہ کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، اور بغداد کی سڑکوں پر بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے تھے، جس سے اکثر عورتیں اور بچے ٹکر اکر زخمی ہو جاتے تھے، اور بعض اوقات مر بھی جاتے تھے، اس لئے بغداد کے باشندے ان کے مظالم سے بہت جلد عاجز آگئے، جب معتصم کے پاس ان کی شکایتیں کثرت سے پہنچنے لگیں تو اس نے فیصلہ کیا کہ ترکوں کے لئے بغداد سے باہر ایک چھاؤنی بنائی جائے، اس غرض کے لئے اس نے سامرا کا مقام پسند کیا، جو بغداد سے تقریبًا ساٹھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا، یہ مقام اس کو اس قدر پسند آیا کہ اس نے اس کا نام بدل کر سر من رأی (جس نے دیکھا خوش ہوا) رکھ دیا، فوجی بارکوں کے علاوہ خلیفہ اور وزراء کے لئے بھی عالیشان محل تیار کئے گئے، اور چونکہ معتصم نے بغداد کا قیام ترک کرکے اپنی ترک سپاہ کے ساتھ سامرا میں رہنا شروع کر دیا تھا، اس لئے رعایا کے ہر طبقہ کے لوگ اسی نئے شہر میں آکر آباد ہونے لگے، اور تھوڑے ہی دنوں میں سامرا ایک نہایت پر رونق شہر بن گیا، وہ ۲۲۱ھ سے لیکر ۲۷۹ھ (۸۳۶ء لغایۃ ۸۹۴ء) تک سات خلفائے عباسیہ کا دار السلطنت رہا، جب معتمد تخت پر بیٹھا تو اس نے سامرا کو چھوڑ کر پھر بغداد کو پایۂ تخت بنایا،

معتصم کی ترک نوازی کی وجہ سے رفتہ رفتہ ترکی شہزادے اور امراء بھی ترکستان سے آکر سامرا میں آباد ہونے لگے، جنمیں بعض بت پرست اور بعض آتش پرست تھے، اور بعض مسلمان ہو گئے تھے، دار الخلافت میں رہنے کے بعد غیر مسلم ترکوں میں بھی اسلام پھیلنے لگا،

اور اس تعلق سے ماوراء النہر کے ترکوں میں جو اپنے وطن میں مقیم تھے اسلام کی اشاعت ہونے لگی، ترک سرداروں کے اسلام قبول کر لینے سے ان کے جرگے اور قبیلے بھی مسلمان ہوگئے، چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں ترک بطوعِ خاطر بکثرت اسلام میں داخل ہوئے، ۳۴۹ھ ہجری (۹۶۰ء) میں دو لاکھ ترک گھرانے (خیمے) مسلمان ہوئے،[۱] ابن اثیر کا بیان ہے کہ ماوراء النہر کی ایک ترکی قوم کے دس ہزار گھرانے جو بلاساغون اور کاشغر کے نواح میں اسلامی علاقوں پر دھاوے مارا کرتے تھے، صفر ۴۳۵ھ (ستمبر ۱۰۴۳ء) میں اسلام لائے،[۲]

خلیفہ معتصم کے بعد ترکوں کا اقتدار فوج و حکومت میں روز بروز بڑھتا گیا، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ خلیفہ بغداد کا عزل و نصب تمام تر ان ہی کے ہاتھ میں آگیا، نہ صرف تخت بلکہ خلیفہ کی زندگی بھی ان ہی کے رحم و کرم پر تھی، انھوں نے متعدد خلفاء کو ذلیل کر کے تخت سے اتارا اور بعضوں کو قتل بھی کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ دولتِ عباسیہ کا زوال سلطنت کے ہر حصہ میں نمایاں ہونے لگا، مختلف صوبوں کے گورنروں نے پایہ تخت سے آزاد ہو کر اپنی اپنی خود مختار حکومتیں قائم کر لیں، مثلاً ایرانی گورنروں نے خراسان میں طاہریہ، فارس میں صفاریہ، ماوراء النہر میں سامانیہ، آذربیجان میں ساجیہ اور جرجان میں زیاریہ کی جداگانہ حکومتیں قائم کر لیں، اسی طرح ترکوں نے مصر میں طولونیہ، ترکستان میں ایلکیہ پھر مصر میں اخشیدیہ اور افغانستان و ہند میں دولتِ غزنویہ کی بنیاد ڈالی، یہ تمام حکومتیں تیسری صدی کے وسط سے چوتھی صدی ہجری کے وسط تک قائم ہو گئیں، پانچویں صدی ہجری (گیارہویں صدی عیسوی) میں ترکوں کے ایک گروہ نے خراسان میں دولتِ سلجوقیہ

---

[۱] ابن اثیر جلد ۸ ص ۳۹۶ مطبع بریل، تجارب الامم از ابن مسکویہ جلد ۲ ص ۱۸۱، [۲] ابن اثیر جلد ۹ ص ۳۵۵ مطبع بریل،

کا سنگ بنیاد رکھا،

آل سلجوق — آلِ سلجوق کا مورثِ اعلیٰ دقاق تھا جو کاشغر کے ترکی قبائل کا ایک رئیس تھا، سلجوق جس کے نام سے یہ خاندان مشہور ہے اسی کا لڑکا تھا، سلجوق اپنے غیر مسلم ترک فرماں روا کو چھوڑ کر بخارا کی اسلامی مملکت میں چلا آیا، اور یہاں وہ اور اس کا پورا قبیلہ مسلمان ہو کر بخارا کے قریب مقام جند میں قیام پذیر ہوا، اس کے بعد اس نے غیر مسلم ترکوں پر فتوحات حاصل کر کے اپنی قوت بہت بڑھالی،

سلجوق نے اپنی وفات کے وقت تین لڑکے چھوڑے ارسلان، میکائیل اور موسیٰ دولتِ سلجوقیہ کے وارث میکائیل کے تین لڑکے ہوئے، بیغو، طغرل بیگ، جعفر بیگ، لیکن سلطنت کی فرماں روائی طغرل بیگ کو ملی جس نے اپنے زور و قوت کا سکہ گرد و پیش کے ملکوں پر بٹھادیا، محمود غزنوی نے سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہو کر ان سے جنگ شروع کردی، لیکن چند عارضی فتوحات کے بعد اس کو اور اس کے لڑکے مسعود کو شکستیں اٹھانی پڑیں، اور آلِ سلجوق تمام خراسان پر قابض ہو گئے، اس کے بعد انھوں نے جرجان طبرستان، اور خوارزم پر بھی قبضہ کرلیا، اور پھر طغرل بیگ نے اصفہان، تبریز، اور حلوان کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرلیا، یہ وہ زمانہ تھا جب بغداد میں ترکوں اور آلِ بویہ کی باہمی مخاصمت نے سخت بد امنی پھیلا رکھی تھی، خلیفہ معتصم کے بعد دولتِ عباسیہ پر روز بروز ترکوں کا تسلط بڑھتا گیا، لیکن چوتھی صدی ہجری سے آلِ بویہ نے اپنا اقتدار خلافتِ بغداد پر قائم کرنا شروع کیا، جس سے ترکوں کی قوت پر اثر پڑنے لگا، ان حریفوں کی کشمکش نے تمام سلطنت میں ہنگامہ برپا کردیا اور بغداد کی حالت خصوصیت کے ساتھ بد سے بدتر ہونے لگی، مجبور ہو کر ترک سرداروں نیز خلیفہ قائم بامر اللہ نے طغرل بیگ

کو اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے طلب کیا، چنانچہ طغرل بیگ رمضان ۴۴۷ھ ہجری (دسمبر ۱۰۵۵ء) میں بغداد میں داخل ہوا، اور ملک رحیم کو گرفتار کرکے دولت آل بویہ کا خاتمہ کر دیا، اب بغداد میں آلِ سلجوق کا اثر قائم ہوگیا، خلیفہ نے "سلطان شرق و غرب" کے خطاب سے طغرل بیگ کی عزت افزائی کی، اس کے بعد طغرل بیگ نے عراق، موصل اور دیار بکر کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا، پھر الپ ارسلان کے دورِ حکومت میں ایشیائے کوچک اور شام بھی فتح ہوگیا اور ملک شاہ نے ۴۸۵ھ ہجری (۱۰۹۲ء) میں عدن اور یمن پر بھی قبضہ کرلیا، اس طرح پانچویں صدی سے ساتویں صدی ہجری تک خلیفہ بغداد کے ایشیائی مقبوضات کا بیشتر حصہ آلِ سلجوق کے زیر نگیں رہا،

سلاجقۂ روم اس خاندان کا بانی سلیمان بن قطلمش تھا، قطلمش طغرل بیگ کے سرداروں میں تھا لیکن بعد میں اس نے الپ ارسلان کے خلاف بغاوت کرکے خود مختاری حاصل کرلی، اور بالآخر ۴۵۶ھ ہجری (۱۰۶۴ء) میں رَے کے قریب جنگ میں مارا گیا، اس کا بیٹا سلیمان قسمت آزمائی کے لئے ایشیائے کوچک میں چلا آیا اور ۴۷۰ھ ہجری (۱۰۷۷ء) میں نائسیا پر جو بازنطینی سلطنت کا ایک مشہور شہر تھا، قبضہ کرکے اسے اپنا پایہ تخت بنایا، اور ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی، ۴۷۷ھ (۱۰۸۴ء) میں اس نے انطاکیہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کرلیا، لیکن پہلی جنگ صلیبی میں سلاجقۂ روم کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا، ۴۹۰ھ (۱۰۹۷ء) میں نائسیا ان کے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا، اور اسی کے ساتھ ایشیائے کوچک کے مغربی حصہ میں بھی ان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اور اس علاقہ پر بازنطینیوں کا قبضہ ہوگیا، اب صرف ایشیائے کوچک کا اندرونی حصہ ان کے پاس رہ گیا تھا، لیکن وہاں بھی دانشمندیوں سے مقابلہ تھا، غرض چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں سلاجقۂ روم کی حالت بہت نازک

نظر آتی تھی، لیکن مسعود بن قلیج ارسلان نے اس گرتی ہوئی سلطنت کو سنبھالا، اور قونیہ کو پایۂ تخت بنا کر ایک مضبوط حکومت قائم کی، اس کے جانشین قلیج ارسلان ثانی نے اپنی فتوحات سے سلطنت میں اضافہ کیا، اور دانشمندیوں کو مغلوب کر کے انھیں اپنا محکوم بنایا، ۵۸۸ھ (۱۱۹۲ء) میں قلیج ارسلان ثانی کا انتقال ہوگیا، اور اس کی جگہ اس کا چھوٹا بیٹا غیاث الدین کیخسرو اوّل تخت نشین ہوا، اس نے بازنطینیوں سے جنگ کر کے انطاکیہ کے بندرگاہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد اس کے جانشین عزالدّین کیکاؤس اوّل نے سنوپ کو بھی فتح کر لیا عزالدین کیکاؤس اور اس کے بعد علاء الدّین کیقباد کا دورِ حکومت شان و شکوہ کے لحاظ سے سلاجقۂ روم کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، لیکن غیاث الدّین کیخسرو ثانی ہی کے عہد (۶۳۴-۴۴ھ ہجری مطابق ۱۲۳۶-۴۶ء) سے سلطنت کا زوال شروع ہوگیا جو پھر نہ رکا، اس دوران میں تاتاری طوفان ایشیائے کوچک کی سرحد تک پہونچ چکا تھا، اور ارضِ روم اور سرحدی قلعوں پر تاتاریوں کا قبضہ ہوگیا تھا، آخر کار ۶۴۱ھ ہجری (۱۲۴۳ء) میں کوزاداغ کی جنگ نے دولت سلجوقیہ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، اور آلِ سلجوق کی آزادی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی، صلح کے بعد تاتاری چلے گئے، لیکن ۶۴۳ھ ہجری (۱۲۴۵ء) میں کیخسرو ثانی کی وفات پر جب اس کے تینوں لڑکوں کی مشترکہ حکومت کی وجہ سے سلطنت میں بدنظمی پیدا ہوئی تو تاتاریوں نے پھر حملے شروع کر دیئے اس درمیان میں ایک لڑکا مر گیا، اور تخت کے دعویدار بقیہ دو لڑکے عزالدّین اور رکن الدین رہ گئے، ہلاکو نے سلطنت کو ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا، مغربی صوبے عزالدّین (کیکاؤس ثانی) کو اور مشرقی رکن الدین (قلیج ارسلان رابع) کو دیئے، لیکن حکومت در اصل تاتاریوں کی تھی، اور سلاطینِ سلجوقیہ کا عزل و نصب انہی کے ہاتھوں میں تھا، تاتاریوں کے تشدد سے عاجز آکر امرائے سلطنت نے اہلِ مصر سے مدد کی درخواست کی، اور مصریوں

نے ایشیائے کوچک میں تاتاریوں کو شکست دیکر بھگا دیا، لیکن ان کی واپسی کے بعد تاتاریوں نے پوری طرح انتقام لیا، اور دولت سلجوقیہ کے رہے سہے اقتدار کو بھی خاک میں ملا دیا، سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر متعدد امرار نے مختلف صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم کرلیں، ان میں بنوکرمان اور بنو اشرف اپنی قوت و اثر کے اعتبار سے زیادہ ممتاز تھے، تاتاریوں نے بار بار ان خودسر امیروں کو زیر کرنے کی کوشش کی، مگر عارضی شکستوں کے بعد یہ اپنا اقتدار پھر قائم کرلیتے تھے، اور ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں کے زوال پر انھوں نے مستقل حکومتیں قائم کرلیں، چنانچہ دولت سلجوقیہ کے خاتمہ کے قریب ایشیائے کوچک میں صاروخاں، قرہ سی، ایدین، تکہ، حمید، کرمانیہ، کرمیان، قسطمونی اور منتشا کی خودسر حکومتیں قائم ہو چکی تھیں،

ارطغرل

ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) کی ابتدا میں شاہانِ خوارزم کی قوت اوجِ شباب پر تھی، وہ ایران و خراسان اور شام و عراق میں آلِ سلجوق کے بیشتر مقبوضات پر قابض ہو چکے تھے اور ایشیا کی تمام اسلامی سلطنتوں کو فتح کر لینا چاہتے تھے، لیکن عین اس وقت جب وہ اس حوصلہ کی تکمیل کے لئے تیار ہو رہے تھے، چنگیز خانی طوفان اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ اٹھا، اور سلطنت خوارزم کو پاش پاش کر ڈالا، اس سلطنت کی تباہی کے بعد ترکی قبائل جنوب کی طرف بھاگے، ان میں سے بعض ایران اور شام میں پہونچے، اور وہاں ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں بہت کچھ اقتدار حاصل کیا، اور ترکمانی مشہور ہوئے، اور بعض جنوب کی طرف بڑھے، اور مصر کے سلاطین مملوک سے معرکہ آرا ہوئے، جو خود ترکی النسل تھے، لیکن مصر میں انھیں شکست ہوئی، اور وہاں سے واپس ہو کر وہ ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں سے آملے، انہی ترکی قبائل میں جو چنگیز خاں کے حملہ کے بعد اپنا وطن چھوڑ کر مارے مارے پھر رہے تھے، ارطغرل کا قبیلہ بھی تھا، یہ قبیلہ ترکانِ اوغوز کے قبیلہ کا ایک جزو تھا جو ارطغرل کے باپ سلیمان شاہ کی سرکردگی میں اپنے وطن خراسان کو چھوڑ کر مختلف ملکوں میں گھومتا ہوا شام کی طرف جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں دریائے فرات کو عبور کرتے ہوئے سلیمان شاہ ڈوب کر ہلاک ہو گیا، قبیلہ کا بیشتر حصہ اس وقت منتشر ہو گیا، لیکن جو

لوگ رہ گئے، وہ ارطغرل اور اس کے بھائی دوندار کے ساتھ ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوئے اور سلطان علاء الدین سلجوقی کی سلطنت میں داخل ہوگئے،

پہلا معرکہ یہ جماعت جو صرف چار سو بیس[1] گھرانوں پر مشتمل تھی، سلطان علاء الدین کے زیر سایہ پناہ لینے کے لئے پایہ تخت قونیہ کی طرف جا رہی تھی، کہ راستہ میں انگورا کے قریب ارطغرل کو دو فوجیں مصروفِ جنگ نظر آئیں، وہ کسی فریق سے واقف نہ تھا، لیکن یہ دیکھکر کہ انمیں سے ایک تعداد کے لحاظ سے کمزور اور دوسری قوی ہے، اپنے سواروں کے مختصر دستہ کے ساتھ جن کی مجموعی تعداد صرف چار سو چوالیس تھی کمزور فریق کی حمایت کے لئے بڑھا، اور اس جانبازی سے حملہ آور ہوا کہ دشمن کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا، فتح حاصل کرنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ جس فریق کی اس نے یوں بروقت مدد کی تھی وہ سلطان علاء الدین سلجوقی کی فوج تھی، جسے تاتاریوں کی ایک بڑی فوج نے گھیر رکھا تھا،

سنگِ بنیاد ارطغرل کے اس کارنامہ کے صلہ میں سلطان علاء الدین نے اسے سغوت کا زرخیز علاقہ جو دریائے سقاریہ کے بائیں جانب بازنطینی سرحد کے قریب واقع تھا جاگیر میں عطا کیا اور سغوت کا شہر بھی اسے دیا، اس علاقہ میں ارطغرل اور اس کے ساتھیوں نے جو خراسان اور آرمینیا سے آئے تھے، بود و باش اختیار کی، علاء الدین نے ارطغرل کو اس جاگیر کا سپہ دار بھی مقرر کر دیا، چونکہ ارطغرل کی جاگیر بازنطینی سرحد سے متصل واقع تھی، اسلئے بازنطینی قلعداروں سے اکثر جنگ کی نوبت آتی رہتی تھی، ارطغرل نے تھوڑے ہی دنوں میں اپنی شجاعت کا سکہ بٹھا دیا، اور اس کی فتوحات کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے

[1] "ترکی سلطنت" از لارڈ ایورسلے ص ۱۳ (The Turkish Empire - by Lord Eversley)

ترکی قبائل جو ایشیائے کوچک میں پہلے سے آباد تھے، اس کے ساتھ شامل ہوتے گئے، اور اس کی لڑائیوں میں شریک ہونے لگے، اس طرح اس کی قوت روز بروز بڑھتی گئی، اور اس کا اقتدار گرد وپیش کے علاقوں میں قائم ہونے لگا،

سلطان علاء الدین کے لئے ایک جاگیردار کا اس طرح قوت واقتدار حاصل کر لینا تشویش کا باعث ہوتا، لیکن ایشیائے کوچک میں دولت سلجوقیہ اندرونی اختلال اور امراء کی بغاوتوں کے سبب سے زوال کی آخری منزل میں تھی، اگرچہ قونیہ میں سلاجقۂ روم کی قدیم شان وشوکت اب بھی نمایاں تھی، تاہم حکومت کا دائرہ بہت محدود رہ گیا تھا، ایک طرف تاتاریوں نے جنوبی اور مشرقی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا، تو دوسری طرف عیسائیوں نے شمال اور مشرق کے قدیم بازنطینی صوبوں کے اکثر حصے واپس لے لئے تھے، وسطی اور جنوبی حصہ میں متعدد سلجوقی سرداروں نے خود مختار حکومتیں قائم کر لی تھیں، سرحدی علاقوں میں جنگ کا سلسلہ عموماً جاری رہتا تھا، اور تاتاری حملوں کا خطرہ کبھی دور نہیں ہوتا تھا، ایسی حالت میں ارطغرل جیسے دلیر سردار اور نائب کی فتوحات سے علاء الدین کو بجائے تشویش کے ایک گونہ اطمینان نصیب ہوا، اور اس نے ارطغرل کو مزید انعامات عطا کئے، چنانچہ جب ینی شہر اور بروصہ کے درمیان ایک جنگ میں ارطغرل نے علاء الدین کے نائب کی حیثیت سے تاتاریوں اور بازنطینیوں کی ایک متحدہ فوج کو شکست دی، تو سلطان نے اس کے صلہ میں اسکی شہر کو بھی اس کی جاگیر میں دے دیا، اور پوری جاگیر کا نام سلطانونی (صدر سلطانی) رکھا، نیز ارطغرل کو اپنے مقدمۃ الجیش کا سپہ سالار مقرر کیا، اس وسیع علاقہ میں بکثرت چراگاہوں اور زرخیز زمینوں کے علاوہ متعدد قلعے بھی تھے، مثلاً قراجہ حصار، بلے جیک، اینہ گول وغیرہ، لیکن سلطانونی کے اکثر حصوں پر خود سر امیروں کا قبضہ

تھا، اور اس جاگیر پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے ارطغرل اور اس کے بعد عثمان کو مدلون
جنگ کرنی پڑی، ہلال سلطان علاء الدین کے علم کا نشان تھا، ارطغرل نے بھی اس کے
نائب کی حیثیت سے اسی نشان کو اختیار کیا، جو آج تک ترکوں کی عظمت کا قومی نشان ہے[1]،
۶۸۷ھ ہجری (۱۲۸۸ء) میں ارطغرل نے نوے سال کی عمر میں انتقال کیا، او
اور سغوت کے قریب دفن ہوا،

---

[1] تاریخ ترکان عثمانی، از کریسی جلد ا ص (History of the Ottoman Turks by Edward Creasy)

عثمان خاں اوّل

۶۸۷ھ تا ۷۲۶ھ مطابق ۱۲۸۸ء تا ۱۳۲۶ء

ارطغرل کی وفات پر اس کا بڑا لڑکا عثمان اس کا جانشین ہوا، یہ دولتِ عثمانیہ کا بانی اور سلطنت عثمانیہ کا پہلا تاجدار ہے، ارطغرل نے اپنے زور و قوت اور دولتِ سلجوقیہ کے تفرق و انتشار کے باوجود کبھی خود مختاری کا دعویٰ نہیں کیا، اور گو سلجوقی امرار نے سلطنت کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر متعدد خود سر حکومتیں قائم کرلی تھیں، لیکن وہ خود آخر دم تک سلطانِ قونیہ کا ایک وفادار جاگیردار ہی رہا، عثمان نے بھی یہی روش اختیار کی، اور اپنی فتوحات سے سلطان کی شان و شوکت کو ایک حد تک محفوظ رکھا،

یہ وہ زمانہ تھا جب دولتِ سلجوقیہ دم توڑ رہی تھی اور ایشیائے کوچک میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی، اس بنا پر اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے اس سے بہتر موقع عثمان کو نہیں مل سکتا تھا، لیکن اس نے اپنی توجہ زیادہ تر بازنطینی علاقوں کی طرف مبذول رکھی، جس کے مختلف اسباب تھے، پہلی وجہ تو یہ تھی کہ خود اس کی جاگیر بازنطینی سرحد سے متصل واقع تھی، اور بازنطینی سلطنت کی کمزوری روز بروز نمایاں ہوتی جارہی تھی، یہ اسی کمزوری اور شہنشاہِ قسطنطنیہ کی ایک سیاسی غلطی کا نتیجہ تھا کہ کوہ آلمپس (Olympus)

کے دروں کی حفاظت نہ ہو سکی، اور ترک بتھینیا (Bithynia) کے میدانوں میں داخل ہو گئے، شہنشاہ پلیلوگس (Palaeologus) کے عہد تک ان دروں کی حفاظت اس علاقہ کی رولیت (میلیشیا) کے سپرد تھی، اور وہ لوگ اس خدمت کے معاوضہ میں ٹیکسوں سے بری تھے، لیکن اس کے بعد شہنشاہ نے اس رعایت کو منسوخ کر دیا، اور دروں کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی، نیز خراج کی رقم سختی سے وصول کرنی شروع کی نتیجہ یہ ہوا کہ دروں کی حفاظت میں غفلت ہونے لگی، اور وہ جفاکش پہاڑی لوگ محض کسان ہو کر رہ گئے، جن میں نہ کوئی جوش باقی رہا، اور نہ فوجی نظم و تادیب[1]، بازنطینی سلطنت جو کسی زمانہ میں دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں میں شمار کی جاتی تھی، فرقہ وارانہ جنگوں اور انتہائی بدنظمیوں میں مبتلا تھی، جس کے باعث اسمیں کسی طاقتور حریف کے مقابلہ کی قوت باقی نہیں رہی تھی، ایشیائے کوچک میں اس کے سابق مقبوضات میں سے صرف چند شہر مثلاً بروصہ، نائسیا، نائکومیڈیا، اور ان کے نواحی اضلاع باقی رہ گئے تھے، جو شمال مغرب میں واقع تھے، نیز باسفورس اور بحر مارمورا کے ساحلی خطے ابھی تک قسطنطنیہ کے زیر حکومت تھے، اناطولیہ کے بقیہ تمام علاقے جو پہلے بازنطینی سلطنت میں داخل تھے، اس کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے، عثمان کے لئے بازنطینی علاقوں کی طرف متوجہ ہونے کی دوسری وجہ اسلام کی تبلیغ تھی، تیسری وجہ بازنطینیوں سے برسرپیکار ہونے کی یہ تھی کہ عثمان کے لئے دوسری جانب قدم بڑھانے کی گنجایش نہ تھی، سلجوقی امراء جنھوں نے خودسر حکومتیں قائم کرلی تھیں طاقت میں اس سے بڑھے ہوئے تھے،

قراجہ حصار لیکن ان ترغیبات کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ عثمان نے با اقتدار ہونے کے ساتھ ہی حملے شروع کر دیئے، اس کی لڑائیاں ابتداءً مدافعانہ تھیں، بازنطینی قلعہ دار دولت سلجوقیہ

---

[1] گبن، تاریخ زوال روما، جلد ۴ صفحہ ۳۸۱،

کے سرحدی علاقوں پر وقتاً فوقتاً حملہ آور ہوتے رہتے تھے، سلطان قونیہ کے ایک نائب کی حیثیت سے عثمان کو ان حملہ آوروں کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھنا پڑا، پہلے ہی سال قراجہ حصار کا معرکہ پیش آیا عثمان نے اس قلعہ کو فتح کرکے بازنطینیوں کو آیندہ کے لئے متنبہ کردیا سلطان علاء الدین نے قراجہ حصار اور اس کے گرد وپیش کی تمام آراضی جو عثمان نے بزور شمشیر حاصل کی تھی، اسے جاگیر میں دیدی، نیز بک کے خطاب سے سرفراز کرکے اسے اپنا سکہ جاری کرنے اور اپنا نام جمعہ کے خطبہ میں شامل کرنے کی بھی اجازت دی، اس طرح لقب کے علاوہ بادشاہی کے تمام امتیازات عثمان کو حاصل ہوگئے،

استقلال، یہ کمی بھی چند سالوں کے بعد پوری ہوگئی، ۶۹۹ سنہ ہجری (۱۳۰۰ء) میں تاتاریوں نے ایشیائے کوچک پر حملہ کیا، اور اسی جنگ میں سلطان علاء الدین مارا گیا، بعض روایتوں میں ہے کہ اس کا قاتل خود اس کا لڑکا غیاث الدین تھا جس نے تخت سلطنت کی خاطر ایسا کیا،[۱] بہرحال تاتاریوں نے غیاث الدین کو بھی قتل کردیا، اور ایشیائے کوچک میں دولت سلجوقیہ کا خاتمہ ہوگیا، اب عثمان بالکل آزاد اور خود مختار تھا، اور آیندہ اس نے تمام فتوحات ایک خود مختار فرماں روا کی حیثیت سے حاصل کیں،

سلجوقی امراء میں عثمان کا سب سے بڑا حریف امیر کرمانیہ تھا، چنانچہ ایشیائے کوچک کے ترکوں کی سرداری اور پورے ملک کی حکومت کے لئے فریقین کے درمیان عثمان کی زندگی ہی میں جنگ کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا تھا، جو اس کے متعدد جانشینوں کے عہد تک جاری رہا، خود عثمان نے بھی امیر کرمانیہ کو کئی بار نیچا دکھایا، لیکن سلطنت بازنطینی کے زرخیز مقبوضات زیادہ تر اس کی توجہ کا مرکز تھے، اور اس کی زندگی کے آخری چھبیس ۲۶ سال کے کارنامے

[۱] تاریخ دولت علیہ عثمانیہ، از محمد فرید بک، مطبوعہ مصر ۱۳۱۴ سنہ ہجری، ص ۲۱،

میں بازنطینی ہی شہروں اور قلعوں کی فتوحات نمایاں ہیں،

عثمان کے کارنامے

تاہم عثمان کا مقصدِ زندگی صرف فتوحات کا حاصل کرنا اور گردوپیش کی ریاستوں کو اپنا مطیع بنانا نہ تھا، ۶۹۰ھ ہجری (۱۲۹۱ء) سے ۶۹۷ھ ہجری (۱۲۹۸ء) تک اس نے اپنی توجہ تمامتر حکومت کے انتظام واستحکام کی جانب مبذول رکھی، حکومت کے مختلف شعبے قائم کرکے حکام کا تقرر کیا، اور رعایا کی فلاح وبہبود کے انتظامات میں مصروف رہا، لیکن دوسرے ترک سرداروں نے جو عثمان کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف تھے، اسکی خاموشی کو ضعف پر محمول کیا، اور بازنطینی قلعداروں سے اتحاد کرکے اس کے مقبوضات پر حملہ آور ہوئے، اس طرح جنگ کا جو سلسلہ ۶۹۷ھ ہجری (۱۲۹۸ء) میں چھڑا وہ ابتداءً عثمان کی طرف سے بالکل مدافعانہ تھا، لیکن ان حملہ آوروں کو بہت جلد اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، عثمان نے ان سب کو شکست دی، نواح کے چھوٹے چھوٹے سرداروں کو مطیع کیا، بازنطینی قلعے یکے بعد دیگرے فتح کئے اور بالآخر ینی شہر پر قبضہ کرکے اسے اپنی مملکت کا پایہ تخت بنایا، ۷۰۱ھ ہجری (۱۳۰۱ء) میں عثمان کو نائکومیڈیا سے متصل قیون حصار کے مقام پر پہلی بار شہنشاہِ قسطنطنیہ کی باقاعدہ افواج سے مقابلہ پیش آیا، جس میں اسے شاندار کامیابی حاصل ہوئی، اور چھ سال کے اندر اس کی فتوحات کا دائرہ بحر اسود کے ساحل تک پہنچ گیا، بازنطینی قلعے پے درپے مسخر ہوتے گئے، اور بروصہ، نائسیا اور نائکومیڈیا کے گرد فوجی چوکیوں کا ایک مضبوط حصار قائم ہوگیا، اس خطرہ کو دور کرنے کی غرض سے بازنطینیوں نے تاتاریوں کو عثمانی مقبوضات پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا، عثمان نے اپنے لڑکے اورخاں کو حملہ آوروں کے مقابلہ میں بھیجا، تاتاریوں کو سخت شکست ہوئی اور بازنطینیوں کی امید کی یہ آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی،

فتح بروصہ اور عثمان کی وفات

۷۱۷ھ ہجری (۱۳۱۷ء) میں عثمان نے بروصہ کا محاصرہ کیا، جو

ایشیاے کوچک میں سلطنت بازنطینی کا ایک نہایت اہم شہر تھا، محاصرہ تقریباً دس سال تک جاری رہا، بالآخر ۷۲۶ھ ہجری (۱۳۲۶ء) میں عاجز آکر محصورین نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر کو خالی کر دیا، اور ترکی فوج اورخاں کی سرکردگی میں فاتحانہ طور پر بروصہ میں داخل ہوئی، عثمان اس وقت سغوت میں بستر مرگ پر تھا لیکن وفات سے قبل اورخاں یہ خوشخبری لیکر اس کے پاس پہنچ گیا، عثمان نے اورخاں کی ہمت وشجاعت کی داد دے کر اسے اپنا جانشین مقرر کیا، اور بلا تفریق تمام رعایا کے ساتھ یکساں عدل وانصاف اور بھلائی کرنے کی وصیت کی، پھر یہ ہدایت کی کہ اسے بروصہ میں دفن کیا جائے، اور اس شہر کو عثمانی مملکت کا پایہ تخت بنایا جائے، چنانچہ اس وصیت کے مطابق اسے بروصہ میں دفن کیا گیا، اور اس کی قبر پر ایک عالی شان مقبرہ تعمیر کیا گیا،

سلطنت

عثمان دولتِ عثمانیہ کا پہلا تاجدار ہے، اس بنا پر عموماً اس کے نام کے ساتھ "سلطان" کا لقب بھی شامل کر دیتے ہیں، لیکن خود اس نے اور اس کے بعد اورخاں اور مراد اول نے صرف "امیر" ہی کا لقب اختیار کیا[1]، ارطغرل کی وفات پر اس کے مقبوضات کا دائرہ سغوت اسکی شہر اور چند مواضعات پر ختم ہو جاتا تھا، عثمان نے اپنی اڑتیس سال کی حکومت میں اس دائرہ کو جنوب میں کوتاہیہ اور شمال میں بحر مارمورا اور بحر اسود کے ساحلوں تک وسیع کر دیا، اس کی قلمرو کا طول تقریباً (۱۲۰) میل اور عرض تقریباً (۶۰) میل تھا[2]، آبادی صرف ترکوں پر مشتمل نہ تھی، بلکہ بیشتر علاقے چونکہ سلطنت بازنطینی کے ایشیائی مقبوضات سے حاصل کردہ تھے، اس لئے آبادی میں ایک بڑی تعداد یونانی اور سلافی باشندوں کی بھی تھی جو بخوشی

۱؎ کریسی، جلد اول ص ۱۱، ۲؎ "ترکی سلطنت" از لارڈ ایورسلے ص ۱۵، مطبوعہ لندن ۱۹۲۴ء،
(The Turkish Empire, by Lord Eversley)

مسلمان ہوکر ترکوں میں شامل ہو گئے تھے، ایور سلے لکھتا ہے کہ یہ عیسائی کسی جبر سے اسلام نہیں لائے، کیونکہ تاریخ میں نہ تو قیدیوں کے قتلِ عام کا کوئی ذکر ہے، اور نہ بحیثیت غلام انھیں فروخت کرنے کا، بلکہ ان کے اسلام لانے کی وجہ یہ ہوئی کہ قسطنطینہ کے یونانیوں نے جو فطری طور پر ان کے محافظ تھے، انہیں چھوڑ دیا تھا[1]، اسلام میں داخل ہونے کے بعد فاتح اور مفتوح کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات بھی قائم ہو گئے، اور دونوں کے میل سے ایک نئی نسل تیار ہونے لگی جو دوسری ترکی ریاستوں کے باشندوں سے بہت کچھ مختلف تھی اور اپنے کو "عثمانی" کہتی تھی،

عثمان کا اسلام | اس موقع پر خود عثمان اور اس کے قبیلہ کے اسلام لانے کا مسئلہ بھی سامنے آتا ہے، اب سے بیس بائیس سال قبل تک یہ امر عموماً مورخین کے نزدیک مسلّم تھا کہ ارطغرل اور اس کے ساتھی ایشیائے کوچک میں داخل ہونے سے پہلے ہی مسلمان تھے، لیکن ۱۹۱۶ء میں مسٹر ہربرٹ گبنس نے اپنی مستند تالیف "اساسِ سلطنتِ عثمانیہ[2]" کو شائع کرکے یہ تازہ تحقیق پیش کی، کہ سغوت میں بود و باش اختیار کرنے کے وقت عثمان اور اس کے قبیلہ کے لوگ بت پرست تھے، مسٹر گبنس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:-

تیرھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں خراسان اور ماوراء النہر کے دوسرے علاقوں کی جو قومیں ایشیائے کوچک کی سرحد پر نمودار ہوئیں ان کے اسلام لانے کا کوئی صریح ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا، ان سے پہلے کے ترک حملہ آور جب اس ملک میں داخل ہوئے تو وہ کئی پشتوں سے عربی اسلام کے زیر اثر رہتے آئے تھے، چنانچہ آلِ سلجوق بھی مسلمان ہی تھے، لیکن بعد کے آنے والے ترک جن میں عثمان پیدا ہوا کچھ بہت زیادہ اسلام کے زیر اثر نہیں

---

[1] ترکی سلطنت از لارڈ ایورسلے ص ۱۶ مطبوعہ لندن، ۱۹۲۴ء،

[2] *The Foundation of the Ottoman Empire. by H. Adams Gibbons New York, 1916.*

رہے، خود عثمانیوں کے مورخ نشری کے بیان سے بھی صاف اشارہ ملتا ہے کہ عثمان کا مورث اعلیٰ سلیمان شاہ اور اس کے ساتھی جو اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اور پچاس ہزار گھرانوں پر مشتمل تھے، غیر مسلم تھے، وہ کہتا ہے کہ ان میں سے کچھ شامی ترکمانوں کے آبا و اجداد تھے، اور بقیہ اون تمام خانہ بدوش قوموں کے جو روم میں ادھر ادھر پھرا کرتی تھیں، اور خود نشری کے زمانہ میں بھی موجود تھیں، بارہویں صدی عیسوی اور اسکے بعد کے سیاحوں کی بکثرت شہادتوں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے، کہ یہ قومیں بت پرست تھیں، اُن مختلف ترکی قبیلوں نے جو اسی زمانہ میں ایشیائے کوچک میں داخل ہوئے، جب عثمان کا قبیلہ وہاں آیا، ملک کے مغربی حصہ میں پہونچ کر اپنے آپ کو ایک اسلامی ماحول میں پایا، وہ تعداد میں تھوڑے تھے، اُن کے لئے اس سے زیادہ قدرتی بات کوئی نہ تھی کہ اپنے سلجوقی اقربار کا مذہب اختیار کرلیں، یہ اتنی قدرتی بات تھی کہ اسکے ذکر کی کوئی ضرورت سمجھی ہی نہیں گئی، عثمان اور اس کے قبیلہ کے اسلام لانے سے عثمانی قوم پیدا ہوئی، کیونکہ اسلام ہی نے ان مختلف قوموں کو جو ایشیائے کوچک کے شمالی مغربی گوشہ میں آباد تھیں، متحد کر کے ایک قوم بنا دیا، یہ سلاجقہ قونیہ کے خاتمہ کا نہیں بلکہ اس تبدیل مذہب ہی کا نتیجہ تھا کہ ۶۸۹ھ ہجری (۱۲۹۰ء) کے بعد عثمان کی فاتحانہ سرگرمیاں شروع ہوگئیں، حالانکہ اس سے قبل سغوت کی زندگی کے پچاس سال ان سرگرمیوں سے خالی تھے، ارطغرل اور عثمان ایک دیہاتی سردار کی حیثیت سے سغوت میں سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے، اور ان کے تمام حوصلے اپنے چھوٹے سے گاؤں ہی تک محدود تھے، اون کی اُس زمانہ کی کسی جنگ یا فتح کا ذکر تاریخ میں موجود نہیں، ارطغرل کیساتھ چار سو سپاہی تھے، اور عثمان کے ہمراہ اس سے زیادہ سپاہیوں کے ہونے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، اس کے تعلقات اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بالکل صلح و دوستی کے تھے، نشری کا بیان ہے

کہ اس ملک کے کافر و مسلم دونوں ارطغرل اور اس کے لڑکے کی عزت کرتے تھے، کافر و مسلم کا کوئی سوال ہی نہ تھا، پھر دفعۃً ہم عثمان کو اپنے پڑوسیوں پر حملہ آور ہوتے، اور ان کے قلعوں کو فتح کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، سنہ ۶۸۹ ہجری (سنہ ۱۲۹۰ء) سے سنہ ۶۹۹ ہجری (سنہ ۱۳۰۰ء) تک وہ اپنے مقبوضات کو وسیع کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کی سرحد بازنطینی علاقوں سے مل جاتی ہے، اس کے سپاہیوں کی تعداد چار سو سے بڑھ کر چار ہزار تک پہنچ جاتی ہے، ہم ایک قوم کا ذکر سننے لگتے ہیں، جو ترک نہیں بلکہ اپنے سردار کے نام پر "عثمانی" کہلاتی ہے، اس سردار کا نام خود بھی اس کی قوم ہی کے نام کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، یہ لوگ یونانیوں (بازنطینیوں) اور تاتاریوں دونوں کے یکساں دشمن ہیں، اور متعین طور پر اسلام سے وابستہ ہیں، ان میں ایک ایسا تبلیغی جوش ہے جو صرف انہی لوگوں میں پایا جاتا ہے، جنھوں نے حال ہی میں مذہب تبدیل کیا ہو، ان کی باہمی وحدت اور ایشیائے کوچک کے دوسرے ترکوں سے ان کا قطعی طور سے مختلف ہونا، چودھویں صدی عیسوی کے ابتدائی ساٹھ سالوں میں اس قدر نمایاں ہو جاتا ہے کہ یورپ انھیں بحیثیت ایک قوم کے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، ایشیائے کوچک کی دوسری جماعتوں کی بہ نسبت چونکہ یہی لوگ یورپ کے سامنے زیادہ آئے، اس لئے اہلِ یورپ نے انھیں محض "ترک" کہنا شروع کیا، اور ان کو اناطولیہ کے تمام ترکوں کا نمائندہ سمجھنے لگے۔[۱]

پروفیسر گرمانس نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔ "اپنے پیش روؤں کی طرح جنھوں نے ایشیائے کوچک میں بودوباش اختیار کر لی تھی" کے خان لی" بھی ترک ہی تھے، البتہ ان کی بولی ذرا ان سے مختلف تھی، ایک اور فرق یہ تھا کہ سلاجقہ توصدیوں سے اسلام لا چکے تھے لیکن یہ نو وارد ہنوز اپنے قدیم خانہ بدوشی کے مسلک پر قائم تھے، ان کے

۱ "اساس سلطنت عثمانیہ" از ہربرٹ گبنس ص ۲۹-۲۵،

تھی، وہ نہایت فیاض، نہایت رحم دل اور نہایت مہمان نواز تھا، ان خصوصیات کی وجہ سے اس کی ہر دلعزیزی عام تھی، چنانچہ تخت نشینی کے موقع پر جب اسکی تلوار، جو ابھی تک محفوظ ہے، اس کے جانشینوں کی کمر سے باندھی جاتی تھی تو ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کیجاتی تھی کہ "خدا اس میں بھی عثمان ہی جیسی خوبیاں پیدا کردے"۔

لیکن ان خوبیوں کے ساتھ عثمان کے دامن پر ایک بیگناہ کے خون کی چھینٹیں بھی نظر آتی ہیں، ۶۹۸ھ ہجری (۱۲۹۹ء) میں جب اس نے یونانیوں کے قلعہ کوپری حصار پر حملہ کا عزم کیا تو پہلے اپنے فوجی سرداروں کو بلاکر مشورہ طلب کیا، اس مجلس میں اس کا بوڑھا چچا دوندار بھی تھا، اس نے یونانیوں کی قوت کا اندازہ کرکے حملہ کرنے کے خلاف رائے دی، عثمان نے اس خوف سے کہ مبادا دوندار کے مشورہ سے دوسرے سرداروں کی ہمتیں بھی پست نہ ہوجائیں فوراً ایک تیر مار کر اسے ہلاک کردیا، بوڑھے چچا کا یہ قتل آج خواہ کتنا ہی معیوب نظر آئے، لیکن اس زمانہ کے لحاظ سے یہ ایک بالکل معمولی واقعہ تھا، اور اگر نتیجہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کی اہمیت اور بھی کم ہوجاتی ہے،

پہلی مسجد، عثمان نے اپنے ابتدائی عہدِ حکومت میں ایک مسجد اسکی شہر میں تعمیر کرائی جو سلطنت عثمانیہ کی پہلی مسجد ہے،

بے ضابطہ فوج بھی مرتب کی گئی، اس کو نہ تو ینی چری کی طرح تنخواہیں ملتی تھیں، اور نہ پیادوں کی طرح جاگیریں، میدانِ جنگ میں سب سے آگے انہی کا دستہ ہوتا تھا، اور دشمن کے پہلے حملہ کی باڑھ آگے بڑھ کر یہی روکتے تھے، جب ان سے مقابلہ کرنے میں غنیم کی قوت کمزور ہو جاتی یا ان کے میدان چھوڑ کر بھاگنے کی وجہ سے اسے اپنی فتح کا یقین ہونے لگتا، اس وقت دفعۃً ینی چری کی آہنی فوج اس کے سامنے نمودار ہوتی، اور جنگ کا سارا نقشہ دیکھتے دیکھتے بدل جاتا، عموماً ان بے ضابطہ سپاہیوں ہی کی نعشوں پر سے گذر کر ینی چری آخری حملہ اور فتح کے لئے بڑھتے تھے،

تنخواہ دار اور جاگیردار سوار

پیادوں کی طرح سواروں کی بھی دو قسمیں تھیں، باضابطہ و بے ضابطہ، مستقل تنخواہ دار سوار چار دستوں میں تقسیم کئے گئے تھے، ان کی تعداد ابتدا میں (۲۴۰۰) تھی، لیکن سلیمان اعظم کے عہد میں (۴۰۰۰) تک پہونچ گئی تھی، وہ سلطان کے داہنے اور بائیں چلا کرتے تھے، اور جنگ میں اس کے محافظ دستہ کا کام دیتے تھے، شاہی سواروں کے ان دستوں میں سے ایک دستہ "سپاہیوں" کا تھا، "سپاہی" کا لفظ عموماً سوار فوج کیلئے استعمال کیا جاتا تھا، لیکن شاہی سواروں کا ایک خاص دستہ بھی اس نام سے موسوم تھا، تنخواہ دار سواروں کے علاوہ علاء الدین نے جاگیردار سواروں کی بھی ایک فوج مرتب کی، ان جاگیروں کو زعامت اور تیمار کہتے تھے،

اکنجی

تنخواہ دار اور جاگیردار سواروں کے علاوہ بے ضابطہ سواروں کی بھی ایک فوج تھی، جو اکنجی کہلاتے تھے، ان کو نہ تنخواہیں ملتی تھیں نہ جاگیریں، جنگ میں لوٹ مار کر جو کچھ حاصل کر لیتے وہی ان کا معاوضہ تھا، قدیم دستور کے موافق عثمانی فوجوں کی روانگی کے وقت یہ ایک بڑی تعداد میں بلائے جاتے تھے، یہ گویا مقدمۃ الجیش تھے، اور باقاعدہ افواج کیلئے

پہلے ہی سے راستہ صاف کر رکھتے تھے، دشمن کے دلوں میں ان کی دہشت بھی ینی چری اور "سپاہیوں" سے کم نہ تھی، لیکن انہی کو سب سے زیادہ خطرات کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا،

عثمانی فوج کے مخصوص امتیازات

علاء الدین نے اپنی فوجی اصلاحات سے ترکوں کی ایک باضابطہ مستقل فوج تیار کر دی، جس کی نظیر ایک صدی بعد تک یورپ میں پیدا نہ ہوسکی، چارلس ہفتم شاہِ فرانس کے پندرہ فوجی دستے جو عہد جدید کی پہلی مستقل فوج سمجھی جاتی ہے، اور خاں کی مستقل اور تنخواہ دار سپاہ سے پورے سو برس بعد وجود میں آئے[1]، مسٹر ہربرٹ گبنس نے عثمانیوں کے اس امتیاز سے جسے عموماً تمام مورخین تسلیم کرتے آئے ہیں انکار کیا ہے، اور ایڈورڈ سوم شاہِ انگلستان کی باقاعدہ پیدل فوج کا ذکر کیا ہے، جس نے ۱۳۴۶ء میں جنگ کریسی میں حصہ لیا تھا لیکن جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں ایڈورڈ نے ایک ایسی فوج مرتب کی تھی، جو صرف ضرورت کے وقت جنگ کے لئے طلب کی جاسکتی تھی[2]، برخلاف اس کے اور خاں کی فوج ایک مستقل فوج تھی، جسے باقاعدہ تنخواہیں دی جاتی تھیں، اور جو ہمہ وقت جنگ کے لئے مستعد اور تیار رہتی تھی، چنانچہ یہ امر مسٹر گبنس کو بھی تسلیم ہے کہ فوج کی مکمل تنظیم اور اسے ہمیشہ جنگ کے لئے تیار رکھنے کی اولیت عثمانیوں ہی کو حاصل ہے[3]، علاء الدین کے فوجی نظام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ بادشاہ اور فوج کے درمیان براہ راست تعلق پیدا ہو گیا، اور درمیانی اشخاص کی ضرورت باقی نہیں رہی جن کی وساطت سے عثمان اور طغرل کے سپاہی فراہم ہوتے تھے، بے ضابطہ پیدل اور سوار فوجوں کے علاوہ جو صرف لڑائی کے موقعوں پر بلائی جاتی تھیں، بقیہ تمام فوج تنخواہ دار یا جاگیردار تھی، اور سب کی کمان سلطان کے ہاتھ میں تھی،

---

[1] کریسی جلد ۱ صفحہ ۲۰، [2] ہربرٹ گبنس نوٹ صفحہ ۸۲، [3] ایضاً صفحہ ۸۲،

مسٹر گبنس نے ایک قدیم اور واقف کار سیاح بروکئیرے (Broquiere) کا بیان نقل کیا ہے کہ عثمانیوں کو پہلے ہی سے معلوم ہو جاتا تھا کہ عیسائی فوجیں کب آرہی ہیں، اور کہاں ان سے مقابلہ کرنا زیادہ مفید ہوگا، وجہ یہ تھی کہ عثمانی جنگ کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے، اور ان کے چاؤش اور جاسوس صحیح رہنمائی کرتے تھے، سیاح مذکور لکھتا ہے :- "وہ (عثمانی) دفعۃً روانہ ہو سکتے ہیں، اور سو عیسائی سپاہی بہ نسبت دس ہزار عثمانیوں کے زیادہ شور کریں گے، طبل بجتے ہی وہ فوراً کوچ کر دیتے ہیں، اور جب تک حکم نہ ملے ہرگز اپنے قدم نہیں روکتے، ہلکے اسلحہ سے مسلح ہونے کی وجہ سے وہ ایک رات میں اتنی مسافت طے کر لیتے ہیں جتنی ان کے عیسائی حریف تین دن میں طے کرتے ہیں[1]"۔

پاشا علاء الدین پہلا عثمانی ترک ہے جسے پاشا کا خطاب ملا، اس کے بعد یہ خطاب اورخان کے سب سے بڑے لڑکے سلیمان کو دیا گیا، شروع میں پاشا کا خطاب عثمانی فرماں روا کے بڑے لڑکے کے لئے مخصوص تھا لیکن مراد اول کا بڑا لڑکا چونکہ باغی ہو گیا تھا، اور بقیہ لڑکے اس وقت نابالغ تھے اس لئے مراد نے یہ خطاب قرا خلیل کو دیا، اس کے بعد ولی عہد کی تخصیص جاتی رہی، اور بڑے بڑے فوجی اور ملکی عہدہ داروں کو بھی یہ خطاب دیا جانے لگا، اسی طرح وزارت کا عہدہ بھی علاء الدین کے بعد شاہی خاندان سے نکل گیا[2]،

نائکومیڈیا اور نائسیا کی فتح اورخان نے اپنی حکومت کے پہلے ہی سال (۷۲۶ھ ہجری مطابق ۱۳۲۶ء) میں نائکومیڈیا پر قبضہ کر لیا، بروصہ چند مہینے قبل فتح ہو چکا تھا، سلطنت بازنطینی کے ایشیائی مقبوضات میں اب صرف ایک ہی بڑا شہر نائسیا رہ گیا تھا، جو اپنی عظمت اور اہمیت کے اعتبار سے قسطنطنیہ سے دوسرے درجہ پر تھا، اورخان نے اس کا بھی محاصرہ شروع کیا، اور

[1] ہربرٹ گبنس ص۴۴، [2] ایضاً ص۱۰۲،

۷۳۰ھ (۱۳۳۰ء) میں اسے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا، اورخاں نے نائسیا کے باشندوں کو اجازت دیدی تھی کہ اگر چاہیں تو اپنا تمام مال و اسباب لے کر کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں لیکن بروصہ کے باشندوں کی طرح یہ لوگ بھی بکثرت اسلام میں داخل ہو گئے، اور اپنے وطن ہی میں مقیم رہے،

قراسی پر قبضہ ۷۳۴ھ ہجری (۱۳۳۳ء) میں ترکی ریاست قراسی کے امیر نے انتقال کیا، اس کے بڑے لڑکے نے تخت پر قبضہ کر کے اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کرا دیا، اورخاں چھوٹے لڑکے کا طرفدار تھا، اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے وہ قراسی پر حملہ آور ہوا، بڑا لڑکا شکست کھا کر بھاگا، اور ۷۳۷ھ ہجری (۱۳۳۶ء) میں پوری ریاست پر اورخاں کا قبضہ ہو گیا، اس کے بعد اورخاں نے اناطولیہ کے شمالی مغربی گوشہ کی چند اور چھوٹی ترکی ریاستیں بھی عثمانی مقبوضات میں شامل کرلیں، قراسی اور ان دوسری ترکی ریاستوں کی آبادی زیادہ تر ترکوں پر مشتمل تھی لیکن ساحلی علاقوں میں ایک خاصی تعداد یونانیوں کی بھی تھی جنھوں نے بروصہ اور نائسیا کے اکثر باشندوں کی طرح اسلام قبول کرلیا،

زمانۂ امن کے کارنامے ان فتوحات کے بعد تقریباً بیس سال تک کسی جنگ کی نوبت نہیں آئی اور اورخاں پوری توجہ کے ساتھ ملکی اور فوجی آئین کی تنظیم و تکمیل میں مصروف رہا، اس نے تمام ملک میں امن و امان قائم کیا، مسجدیں، مدرسے اور رفاہِ عام کی مختلف شاندار عمارتیں بنوائیں، بروصہ میں ایک نہایت عالی شان مسجد، ایک بڑا مدرسہ اور ایک شاہی اسپتال تعمیر کرایا، بڑے بڑے فضلاء اور اہلِ کمال کو طلب کیا، اور بروصہ کی شہرت اتنی پھیلی کہ ایرانی اور عربی طلبہ علومِ مشرقیہ کے قدیم مدرسوں سے آکر وہاں تعلیم حاصل کرنے لگے[1] نائسیا میں بھی

[1] گبن جلد ۴ صفحہ ۳۸۱،

اورخاں

۷۲۶ھ تا ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۲۶ء تا ۱۳۵۹ء

عثمان نے اپنی وفات کے وقت اپنے چھوٹے بیٹے اورخاں کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اورخاں کی عمر اس وقت (۴۲) سال کی تھی، اور وہ فن سپہگری میں عثمان کے زیر نگرانی مہارت اور کمال حاصل کر چکا تھا، اس کے بڑے لڑکے علاء الدین نے اپنا وقت علوم دینیہ کی تحصیل میں صرف کیا تھا، فن حرب سے اس کو مناسبت نہ تھی، تاہم عثمان کی وفات کے بعد اورخاں نے سلطنت کو باہم تقسیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کی، لیکن علاء الدین نے باپ کی وصیت نیز اپنی سکون پسند طبیعت کی بناء پر اس کو نامنظور کیا، اور اورخاں کے اصرار پر صرف انتظامِ مملکت کی ذمہ داری قبول کی، یعنی تختِ سلطنت سے کنارہ کش ہونے کے باوجود بارِ سلطنت کا اٹھانا قبول کیا، اور دولتِ عثمانیہ کے پہلے وزیر کی حیثیت سے آئینِ ملک کی ترتیب و تنظیم میں مشغول ہوا،

اصلاحات، علاء الدین نے تین چیزوں پر خاص طور سے توجہ کی، سکہ، لباس اور فوج، اگرچہ سلطان علاء الدین سلجوقی نے عثمان کو خطبہ کے علاوہ اپنے نام کا سکہ جاری کرنے کی بھی اجازت دیدی تھی، تاہم عثمان نے صرف خطبہ ہی پر قناعت کی تھی، اور اپنا سکہ

جاری نہیں کیا تھا، اورخاں کی تخت نشینی کے وقت تمام ایشیائے کوچک میں صرف سلجوقی سکے رائج تھے، اب علاءالدین نے بادشاہت کے اس امتیاز کو بھی اختیار کیا، اور عثمانی مملکت میں اورخاں کے نام کے سکے جاری کئے[1]، اب تک لوگوں کے لباس میں بھی کوئی خاص فرق و امتیاز نہ تھا، علاءالدین نے رعایا کے مختلف طبقوں کے لئے مختلف قسم کے لباس تجویز کرکے ان کے متعلق قوانین نافذ کئے، شہری اور دیہاتی، مسلم اور غیر مسلم ہر طبقہ کا لباس الگ الگ مقرر کیا[2]،

فوج، لیکن علاءالدین کا سب سے بڑا کارنامہ وہ فوجی اصلاحات ہیں جن سے دولت عثمانیہ کی طاقت دفعۃً بڑھ گئی، اور جو تین سو برس تک اس کی حیرت انگیز فتوحات کی ضامن رہیں، ارطغرل اور عثمان کے زمانہ میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی، بلکہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی جنگ پیش آنے والی ہوتی تو پہلے سے اعلان کر دیا جاتا کہ جو شخص لڑائی میں شریک ہونا چاہے، وہ فلاں روز فلاں مقام پر حاضر ہو جائے، چنانچہ یہ رضا کار سوار مقررہ وقت اور مقررہ مقام پر جمع ہو جاتے تھے، اور لڑائی ختم ہونے کے بعد واپس چلے جاتے تھے، انھیں کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی، بلکہ جو مالِ غنیمت ہاتھ آتا تھا، وہی ان کی خدمت کا معاوضہ ہوتا تھا، ان کی کوئی مخصوص وردی بھی نہیں تھی، بایں ہمہ یہ سپاہی اعلیٰ درجہ کے شہسوار ہوتے تھے اور مضبوطی کے ساتھ صف قائم کرکے ایک دیوار کی طرح میدانِ جنگ میں آگے بڑھتے تھے[3]، عثمان کے عہد تک تو اس طریقہ سے کام چلتا رہا، لیکن اس کے بعد سلطنت کی توسیع

---

[1] "ترکی قدیم و جدید" از سدرلینڈ منزیس، جلد ۱ ص۵، (Turkey Old and New by Sutherland Menzies. Vol. I. London 1882)

[2] گبن، جلد ۴ ص۳۸۱، [3] ہربرٹ گبنس، ص۱۸،

اور استحکام کے لئے یہ نظام ناکافی ثابت ہوا اور ایک باقاعدہ اور مستقل فوج کی ضرورت محسوس ہونے لگی، چنانچہ علاء الدین نے تنخواہ دار پیادوں کی ایک فوج مرتب کی، جس کا نام "پیادے" تھا، یہ دس دس، سو سو، اور ہزار ہزار کے مختلف دستوں میں تقسیم تھی، اس کی تنخواہیں اونچی اونچی تھیں، لیکن اس کے قیام کو زیادہ روز نہ ہوئے تھے کہ اس میں اپنی قوت کا بیجا احساس پیدا ہو گیا، اور اس کی سرکشی خود اورخاں کے لئے تشویش کا باعث ہونے لگی، چنانچہ اورخاں نے اس امر میں علاء الدین اور قراخلیل سے (جو خاندان شاہی سے ازدواجی تعلق رکھتا تھا، اور علاء الدین کے بعد وزیر سلطنت ہو کر خیر الدین پاشا کے نام سے مشہور ہوا) مشورہ کیا، قراخلیل نے جو تجویز پیش کی اس نے نہ صرف پیادوں کی طرف سے مطمئن کر دیا بلکہ آئندہ تین صدیوں کے لئے عثمانی فتوحات کی رفتار میں ایک سیلاب کی قوت و سرعت بھی پیدا کر دی۔

ینی چری | وہ تجویز یہ تھی کہ عیسائی اسیرانِ جنگ میں سے دس بارہ سال کے قوی اور ہونہار لڑکوں کی ایک تعداد منتخب کر کے اسلام میں داخل کی جائے، اور پھر باقاعدہ فوجی تعلیم دیکر ان کی ایک مستقل فوج قائم کی جائے، اورخاں کو یہ رائے پسند آئی، اور اس نے ایکہزار عیسائی لڑکوں کو منتخب کر کے انھیں فوجی تعلیم و تربیت دینی شروع کی، دوسرے سال ایکہزار لڑکے اور چنے گئے، اور یہ سلسلہ تین سو برس تک برابر جاری رہا، جب کبھی ہزار لڑکوں کی یہ سالانہ تعداد ان لڑکوں سے پوری نہ ہو سکتی جو اوس سال کی جنگ میں قید ہوتے، تو عیسائی رعایا کے لڑکوں سے کمی پوری کر لی جاتی، لیکن سلطان محمد رابع کے عہدِ حکومت میں یہ نظام بدل گیا، اور ۱۰۵۸ھ ہجری (۱۶۴۸ء) سے خود انھی سپاہیوں اور ترکوں کے لڑکے اس فوج میں داخل کئے جانے لگے، اس فوج کا ترکی نام ینی چری (نئی فوج) ہے،

جو عربی میں انکشاری ہو گیا ہے، اور خاں نے جب اسے مرتب کیا، تو نو عمر سپاہیوں کے پہلے دستہ کو حاجی بکطاش کی خدمت میں جو ملک میں اپنے زہد و اتقا کی وجہ سے مشہور تھے لے گیا، اور ان سے دعا کی خواہش کی، حاجی موصوف نے اس فوج کے لئے فتح و نصرت کی دعا کی، اور اس کا نام ینی چری رکھا، سلطنت عثمانیہ کی ابتدائی تین صدیوں میں جو اس کے عروج و ترقی کا زمانہ تھا، ینی چری کی قوت شباب پر تھی، اور سلطنت کی تمام فتوحات زیادہ تر اسی فوج کے زور بازو کی رہین منت تھیں، جو لڑکے اس فوج کے لئے منتخب کئے جاتے تھے، پہلے انھیں ایسے ماحول میں رکھا جاتا تھا کہ وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتے جائیں، اسلام قبول کرنے کے بعد انھیں سلطان کی خاص نگرانی میں فن حرب کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی، ان کی فوجی تربیت میں حد درجہ سختی برتی جاتی تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ ہر قسم کے شدائد کو آسانی سے برداشت کر لیتے تھے، اپنے والدین، وطن، اور مذہب سے چھوٹنے کے بعد ان کی تمام امیدیں سلطان کی اطاعت، دولت عثمانیہ کی خدمت اور اسلام کی حمایت سے وابستہ ہو جاتی تھیں، اور یہی ان کی زندگی کا نصب العین تھا، سلطان کو ان پر پورا اعتماد تھا، اور وہ ہمیشہ ان کو انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہتا تھا، ینی چری کے متعلق مزید حالات آگے آئیں گے،

جاگیردار اور بے ضابطہ پیادے

ینی چری کے بعد علاء الدین نے دوسری فوجوں کی تنظیم شروع کی، اب تک "پیادوں" کی مستقل فوج کو تنخواہیں دی جاتی تھیں، لیکن اس خیال سے کہ ان کو مفتوحہ علاقوں کی حفاظت سے ایک خاص وابستگی پیدا ہو جائے، علاء الدین نے اب تنخواہ کے بجائے انھیں جاگیریں دیدیں اور فوجی خدمت کے علاوہ ان جاگیروں سے متصل سڑکوں کی مرمت بھی ان کے فرائض میں داخل کر دی، پیدل سپاہیوں کی ایک

ایک مسجد تعمیر کی، اور اس کے متصل ایک مدرسہ قائم کیا، جو دولتِ عثمانیہ کا پہلا مدرسہ تھا، او
بہت مشہور ہوا، اسی شہر میں اورخاں نے غریبوں کے لئے پہلا لنگر خانہ بھی جاری کیا[۱]،

حکومت کی پالیسی

جیساکہ کریسی نے لکھاہے، خاندان عثمانی کے ابتدائی تاجداروں کی ایک بڑی خصوصیت جس کا اثر سلطنت کے استحکام پر نمایاں طور سے پڑا یہ تھی کہ جب وہ کسی ملک کو فتح کرتے تھے، تو قبضہ کے بعد ہی اس کے اندرونی نظم ونسق میں مصروف ہو جاتے تھے، اُن کا مقصد محض فتوحات حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ وہ مفتوحہ علاقوں کو اپنے آئین وضوابط کے مطابق تنظیم دیکر مکمل طور پر سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس طرح بجاے اس کے کہ اپنی فتوحات سے مختلف صوبوں اور بے میل آبادیوں کو ایک غیر مرتب شکل میں اکٹھا کرتے انھوں نے ایشیاے کوچک میں ایک مرتب اور پائدار حکومت قائم کرلی، عہدقدیم وجدید کی دوسری مشرقی سلطنتوں کے مقابلہ میں دولتِ عثمانیہ کے زیادہ مدت تک قائم رہنے کی ایک بڑی وجہ اس کے ابتدائی فرماں رواؤں کی یہی پالیسی ہے، اور چونکہ اس پالیسی پر یورپ، شام اور مصر سے زیادہ ایشیاے کوچک کی فتوحات میں عمل کیا گیا، اس لئے وہیں عثمانیوں کی حکومت کو زیادہ استقلال بھی نصیب ہوا، اس میں شبہہ نہیں کہ ایشیاے کوچک میں استقلال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی، کہ وہاں ترکوں کی آبادی کثرت سے پھیلی ہوئی تھی لیکن سلطنت کے استحکام میں فاتحین عثمانی کی اس دانشمندانہ پالیسی کو بھی کچھ کم دخل نہ تھا،

سلطنت بازنطینی

سلطنت کے اندرونی انتظامات سے فارغ ہوکر اورخاں یورپ کی جانب متوجہ ہوا اور اُسکی زندگی کے آخری چند سال سلطنت بازنطینی کے یوروپین علاقوں میں قدم جمانے کی کوشش میں صرف ہوئے، یہ سلطنت آٹھویں صدی ہجری (چودھویں

---

[۱] ترکی قدیم وجدید" از مسز پیس جلد ا ص۵۹،

صدی عیسوی) کے وسط میں نہایت کمزور ہو چکی تھی، اس کے مقبوضات جو صدیوں تک یورپ میں دریائے ڈینوب اور ایشیا میں اناطولیہ اور شام تک پھیلے ہوئے تھے، اب صرف تھریس، مقدونیا کے ایک جز جس میں سالونیکا شامل تھا، اور یونان میں موریا کے ایک بڑے حصہ تک محدود ہو کر رہ گئے تھے، ایشیائی مقبوضات تقریباً کل کے کل عثمانیوں کے قبضہ میں جا چکے تھے، یورپ میں بھی سرویا کا با اقتدار فرماں روا اسٹیفن ڈوشن (Stephen Dushan) جزیرہ نمائے بلقان کے نصف سے زیادہ علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر کے سالونیکا اور اس کے بعد قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا حوصلہ کر رہا تھا، خانہ جنگیوں نے سلطنت کو اور بھی کمزور کر دیا تھا، ۷۳۹ھ (۱۳۳۸ء) میں شہنشاہ اینڈرونیکس سوم کے انتقال پر اس کا گرینڈ چانسلر، کنٹا کوزین اس کے نابالغ لڑکے جان پلیولوگس کا ولی اور ملکہ اینا کے ساتھ اس کا مدار المہام مقرر ہوا، کنٹا کوزین نے اس پر قناعت نہ کر کے ۷۴۴ھ (۱۳۴۳ء) میں نیکوٹیکا میں اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا، ملکہ کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی اور اس نے اس کی مخالفت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں لڑائی چھڑ گئی، اور دونوں نے اورخاں سے مدد کی درخواست کی، اس سے پہلے بھی بعض ترکی امیروں نے تخت قسطنطنیہ کے مختلف دعویداروں میں سے کسی نہ کسی فریق کا ساتھ دیا تھا، کنٹا کوزین نے اورخاں سے چھ ہزار عثمانی سپاہی مانگے، اور اس حمایت کے عوض اپنی لڑکی تھیوڈورا کو اس کی شریکِ زندگی بنانے کے لئے پیش کیا، اورخاں نے یہ شرط منظور کی، اور ۷۴۶ھ (۱۳۴۵ء) میں چھ ہزار سپاہی کنٹا کوزین کی مدد کے لئے یورپ میں بھیجے، کنٹا کوزین نے ان سپاہیوں کی مدد سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا، جو ملکہ کے قبضہ میں تھا، ایک سال کے محاصرہ کے بعد خود شہر کے بعض لوگوں کی غداری کی وجہ سے کنٹا کوزین فوج کے ساتھ قسطنطنیہ میں داخل ہوا، اور

ملکہ کو مجبوراً صلح کے لئے راضی ہونا پڑا، صلح اس بات پر قرار پائی کہ کنٹاکوزین اور اس کی بیوی نیز ملکہ اینا اور شہزادہ جان پلیو لوگس تخت نشین کر دیئے جائیں، چنانچہ چاروں کی رسم تاجپوشی ادا کی گئی، اس اتحاد کو اور زیادہ مضبوط کرنے کے لئے کنٹاکوزین نے اپنی چھوٹی لڑکی کی شادی نوجوان شہنشاہ جان سے کر دی، اورخاں کا نکاح بھی شہزادی تھیوڈورا سے ہو گیا، اورخاں نے تھیوڈورا کو اس کے آبائی مذہب مسیحیت پر قائم رہنے کی اجازت دی،

یورپ میں پہلا قدم،

صلح کے بعد اورخاں کے چھ ہزار سپاہی جو اس نے کنٹاکوزین کی مدد کیلئے بھیجے تھے واپس آگئے، لیکن چند ہی سال بعد ان کی ضرورت پھر پیش آئی، ۷۵۰ھ (۱۳۴۹ء) میں اسٹیفن ڈوشن شاہ سرویا نے سالونیکا پر حملہ کیا، اور یہ یقین تھا کہ اسے فتح کرنے کے بعد وہ قسطنطنیہ کی طرف بڑھے گا، اس نازک موقع پر کنٹاکوزین اور جان پلیو لوگس دونوں نے اورخاں سے مدد کی درخواست کی، اب کی بار اورخاں نے بیس ہزار سپاہی روانہ کئے، ان کی مدد سے سالونیکا میں اسٹیفن کو شکست ہوئی اور قسطنطنیہ کی فتح کا حوصلہ جو اس کے دل میں بار بار پیدا ہوتا تھا، اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، جنگ کے خاتمہ پر عثمانی سپاہی پھر واپس بلا لئے گئے، مگر چار سال کے بعد اورخاں کو اپنی فوجیں آبنائے باسفورس کے مغربی ساحل پر بھیجنے کا ایک اور موقع ہاتھ آیا جو یورپ میں عثمانیوں کے قدم جمنے کا سبب ثابت ہوا، کنٹاکوزین تاج وتخت میں جان پلیو لوگس اور ملکہ اینا کی شرکت کو زیادہ دنوں تک گوارا نہ کر سکا اور ۷۵۴ھ (۱۳۵۳ء) میں اس نے حکومت کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینے چاہے، جان نے اس کی شدید مخالفت کی اور خانہ جنگی شروع ہو گئی کنٹاکوزین نے حسب دستور سابق اورخاں سے پھر مدد کی درخواست کی اور اس کے معاوضہ میں یورپین ساحل کا ایک قلعہ پیش کیا، اورخاں نے اپنے بڑے لڑکے سلیمان پاشا کی سرکردگی میں بیس ہزار

سپاہی روانہ کئے، ان کی مدد سے کنٹاکوزین نے جان پلیولوگس کو شکست دیکر قسطنطنیہ کے تخت پر قبضہ کرلیا، سلیمان پاشا نے حسب معاہدہ قلعہ زنپ (Tzympe) پر قبضہ کرکے اس میں عثمانی دستے متعین کردیئے، اس کے چند ہی دنوں بعد تھریس میں زلزلہ آیا جس سے بہتیرے شہروں کی شہر پناہیں منہدم ہوگئیں انہی میں گیلی پولی بھی تھا جو دردانیال کے مغربی ساحل پر سب سے زیادہ اہم قلعہ تھا، اور زنپ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھا، سلیمان پاشا نے اسے تائید غیبی خیال کیا اور گیلی پولی پر فوراً قبضہ کرلیا، قلعہ کے یونانی دستوں نے یہ سمجھا کہ خدا کی مرضی یوں ہی تھی، نیز وہ ترکوں کے دفعۃً پہنچ جانے سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ کوئی مزاحمت نہ کرسکے، اس درمیان میں کنٹاکوزین نے سلیمان پاشا سے دس ہزار دوکات کے عوض زنپ سے قبضہ اٹھا لینے کی خواہش کی، اور سلیمان پاشا نے اسے منظور بھی کرلیا، مگر اس معاملہ کی تکمیل سے قبل ہی گیلی پولی کا واقعہ پیش آگیا، جس کے بعد سلیمان پاشا نے زنپ کی واپسی سے بھی انکار کردیا، اور گیلی پولی کی شہر پناہ کو درست کرکے اس میں ترکی فوج کا ایک مضبوط دستہ متعین کردیا، اس کے بعد اس نے تھریس کے چند اور مقامات بھی فتح کرلئے اور بہت سے ترکوں اور عربوں کو لاکر ان مقبوضات میں آباد کردیا،

گیلی پولی کی فتح سے ترکوں کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، ۷۵۵ھ (۱۳۵۴ء) میں انھوں نے پہلی بار فاتح کی حیثیت سے یورپ میں قدم رکھا، اور مسیحی یورپ میں ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی، جو دو صدیوں کے اندر گیلی پولی سے ویانا کی دیوار تک پھیل گئی، قرونِ اولیٰ کے مجاہدوں نے دینِ حق کے پیغام سے مغربی یورپ کو بہرہ اندوز کیا تھا، اور اپنے علوم کی روشنی اس کے ظلمت کدہ میں پہنچائی تھی، لیکن مشرقی یورپ پر ہنوز تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور اس کی سرزمین ایک مشعلِ ہدایت کی منتظر تھی، یہ سعادت

عثمانیوں کے ہاتھوں کے لئے مقدر ہو چکی تھی، عرب مجاہدوں نے جس فرض کی تکمیل یورپ کے مغربی حصہ میں کی تھی ترک مجاہدوں نے اسے مشرق میں پورا کیا،

جان پلیولوگس ان واقعات سے کنٹا کوزین کے خلاف قسطنطینہ میں سخت برہمی پھیلی جس نے بغاوت اور انقلاب کی شکل اختیار کرلی، ہر شخص اس پر غداری وطن کا الزام عائد کرتا تھا اور اسی کو ترکوں کے یورپ میں لانے کا ذمہ دار ٹھہراتا تھا، آخر رائے عامہ سے مجبور ہو کر اسے تخت وتاج سے دست بردار ہونا پڑا، اس نے اپنی زندگی کے بقیہ تیس سال ایک خانقاہ میں گذار دیئے، اور اس مدت میں اپنے عہد کی ایک تاریخ لکھ ڈالی، اس کی ملکہ راہبہ بن گئی، قسطنطینیہ کے لوگوں نے جان پلیولوگس کو بلا کر تخت پر بٹھایا، اس نے پچاس سال تک حکومت کی، لیکن اس طویل مدت میں سلطنت بازنطینی کی حالت روز بروز زیادہ خراب ہوتی گئی، اور ترکوں کا تسلط بڑھتا ہی گیا، انھوں نے قلعہ شورلو اور ڈیموٹیکا کو فتح کرنے کے بعد پھر خالی کر دیا، لیکن جنوبی تھریس پر ان کا قبضہ مستقل ہوگیا، اور شہنشاہ جان کو مجبوراً اورخاں سے صلح کرکے اس قبضہ کو تسلیم کرنا پڑا، اس کے بعد سلطنت بازنطینی گویا دولت عثمانیہ کی ایک باجگذار حکومت بن گئی،

سلیمان پاشا اور اورخاں کی وفات سنہ ۷۵۹ھ (۱۳۵۸ء) میں سلیمان پاشا شکار کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گرا اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکا، یہ شہزادہ فن سپہ گری وسپہ سالاری میں ممتاز اور خاندانِ عثمانی کے تمام اعلیٰ اوصاف کا حامل تھا، اورخاں کو اس کی وفات کا سخت صدمہ ہوا، اور دوسرے ہی سال اس کا بھی انتقال ہوگیا،

اورخاں نے اپنے تینتیس سال کے دورِ حکومت میں عثمانی مقبوضات کو بہت زیادہ وسعت دی، اس نے نہ صرف ایشیائے کوچک کے بقیہ بازنطینی علاقوں پر قبضہ

کر لیا، اور بعض ترکی ریاستیں مملکتِ عثمانیہ میں شامل کرلیں، بلکہ یورپ میں داخل ہو کر تھریس کا ایک حصہ بھی فتح کر لیا جو بر اعظم میں عثمانی فتوحات کا ایک شاندار مقدمہ تھا، جن فوجی اور ملکی آئین پر سلطنتِ عثمانیہ کی عظمت قائم ہوئی، ان کا بنیادی پتھر اسی نے اپنے ہاتھوں سے رکھا، عثمان کی حیثیت ایک امیر سے زیادہ نہ تھی، لیکن اورخاں کے کارناموں نے اسے پادشاہی کا حقدار ثابت کر دیا،

تاہم اس پادشاہی میں بھی درویشی کی شان بدستور قائم رہی، اور اس وصف میں وہ عثمان ہی کا مثیل تھا، مسٹر گبنس لکھتے ہیں، کہ نائسیا میں وہ غریبوں کو روٹی اور شوربہ اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتا تھا، علوم وفنون کی سرپرستی آلِ عثمان کی ایک خاص خصوصیت تھی، اورخاں کا یہ امتیاز بھی بہت نمایاں تھا، بڑے بڑے مشہور علما اور مشایخ اس کی صحبت میں رہا کرتے تھے ان ہی میں سے بعض کو وہ اپنے قائم کردہ مدرسوں میں مدرس مقرر کرتا، مثلاً ملا داؤد قیصری اور تاج الدین کرد، جو یکے بعد دیگرے نائسیا کے مدرسے میں مدرس اول مقرر ہوئے، بروصہ کے علم وفضل کی شہرت اس وقت بھی قائم رہی، جب یہ دولت عثمانیہ کا پایہ تخت نہ رہ گیا، اور مدتوں یہ شہر اہل فضل وکمال کا مرکز بنا رہا، یہیں عثمانیوں کے اولین شعرائنے اپنے کلام سنائے اور یہیں ان کے بڑے بڑے شیوخ وابدال کے مزارات پر آج بھی عقیدت کے پھول چڑھائے جاتے ہیں،

مراد اوّلؔ

٧٦٠ھ تا ٧٩١ھ مطابق ١٣٥٩ء تا ١٣٨٩ء

اورخاں کی وفات پر اس کا چھوٹا لڑکا مراد چالیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا، اسمیں ملک گیری اور حکمرانی کی وہ تمام خصوصیات بدرجہ غایت موجود تھیں، جو آل عثمان کے ابتدائی فرماں رواؤں کا طرۂ امتیاز تھیں، اس کی غیر معمولی فوجی قابلیت نے ایک قلیل مدت میں یورپ کی متعدد مملکتوں کو سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا، اور انتظام حکومت کے خداداد ملکہ نے ان مفتوحات کو سلطنت کا ایک مستقل جزء بنا دیا،

اورخاں نے اپنے عہد میں سلطنت کو بہت کچھ وسعت دی تھی، لیکن اناطولیہ کی بعض ترکی ریاستیں رقبہ میں اب بھی اس سے بڑھی ہوئی تھیں، مراد کی تخت نشینی کے وقت سلطنت عثمانیہ ایشیائے کوچک کے شمالی مغربی حصہ، اور یورپ میں زنپ، گیلی پولی، اور تھریس کے بعض دیگر مقبوضات پر مشتمل تھی، جہاں سلیمان پاشا نے ترکوں اور عربوں کی نوآبادیاں قائم کر دی تھیں، اس کا مجموعی رقبہ بیس ہزار مربع میل سے زیادہ نہ تھا، اور آبادی بھی دس لاکھ سے کم ہی تھی[1]، مراد نے صرف تیس سال کی مدت میں سلطنت کو پانچ گنا بڑھا دیا،

ایشیائے کوچک میں بغاوت، عنانِ حکومت کو ہاتھ میں لینے کے بعد مراد نے سب سے پہلے یورپ کی طرف بڑھنے کا قصد کیا، لیکن امیر کرمانیہ نے اُس قدیم عداوت کی بنا پر جو اس کے خاندان

[1] ایورسلے ص ٣١،

اور آل عثمان کے درمیان چلی آتی تھی، ایشیائے کوچک میں مراد کے خلاف بغاوت برپا کردی جسے فرو کرنے کے لئے مراد کو یورپ کا قصد ملتوی کرنا پڑا، اس نے فوراً موقع پر پہونچ کر بغاوت کا استیصال کیا، ادھر سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد وہ یورپ کی طرف متوجہ ہوا، اور ۷۶۱ھ (۱۳۶۰ء) میں درِ دانیال کو عبور کر کے فتوحات کا وہ حیرت انگیز سلسلہ شروع کیا جو ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں صرف اسکی شہادت پر جنگ کسووا میں ختم ہوا،

فتوحات تھریس

مراد کی تخت نشینی کے وقت سلطنت بازنطینی کی حالت نہایت ابتر تھی، اس کے تمام ایشیائی مقبوضات پر ترکوں کا قبضہ ہو چکا تھا، اور یورپ میں قسطنطنیہ کے علاوہ صرف شمالی تھریس اور مقدونیا اور موریا کے کچھ حصے باقی رہ گئے تھے، باہمی عداوتوں کے باعث ابتدا میں کوئی عیسائی حکومت ترکوں کے مقابلہ میں اس کی مدد کے لئے آمادہ نہ ہوئی یہ سلطنت بلاشبہہ ایک مسیحی سلطنت تھی، اور ترکوں کا حملہ مذہبی نقطۂ نظر سے نہایت خطرناک تھا، لیکن یورپ میں محاربات صلیبی کی قدیم روح تقریباً فنا ہو چکی تھی، اور یونانی اور لاطینی کلیساؤں کی شدید مخاصمت نے اتحادِ عمل کے لئے بہت کم گنجایش باقی رکھی تھی،

ان حالات میں مراد نے دردانیال کو عبور کر کے ایک زبردست فوج کے ساتھ تھریس میں قدم رکھا، اور سب سے پہلے قلعہ شورلو پر قبضہ کیا جو قسطنطنیہ سے صرف پانچ میل کے فاصلہ پر واقع تھا، اس کے بعد دوسرا قلعہ کرک کلیسے (Kirk Kilisse) فتح ہوا، پھر ۷۶۴ھ (۱۳۶۳ء) میں اسکی بابا کے مقام پر بازنطینیوں کے ساتھ ایک سخت معرکہ پیش آیا جس میں مراد نے انھیں بری طرح شکست دی، نتیجہ یہ ہوا کہ ادرنہ نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور تقریباً تمام تھریس مراد کے قبضہ میں آگیا، اس کے بعد عثمانی جنرل لالہ شاہین نے بلغاریا میں داخل ہو کر فلپوپولیس کو فتح کر لیا، جو کوہ بلقان کے جنوب میں سلطنت بازنطینی کا مقبوضہ تھا، اور شہنشاہ

قسطنطنیہ کو مجبور ہو کر مراد سے صلح کرنی پڑی، اس نے معاہدہ کیا کہ تھریس کے جو علاقے اس کے ہاتھ سے نکل گئے ہیں، انھیں دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے گا، عثمانیوں کے آیندہ حملوں میں سرویا اور بلغاریا کو مدد نہ دیگا، اور اناطولیہ کے ترکی امرا کے مقابلہ میں مراد کی اعانت کرے گا، اسکے بعد مراد بروصہ کو واپس گیا،

جنگ ماریٹزا | یورپ میں مراد کا مقابلہ اس وقت تک صرف بازنطینیوں سے تھا، اور دوسری مسیحی حکومتوں نے ترکوں کی مدافعت میں سلطنت بازنطینی کو مطلق مدد نہیں دی تھی، یہانتک کہ پوپ نے بھی جس نے اس سے پیشتر محاربات صلیبی کی تحریک میں اس قدر نمایاں حصہ لیا تھا، مراد کی ان فتوحات پر کسی قسم کی تشویش کا اظہار نہیں کیا، بلکہ یونانی کلیسا کے پیرووں کی تباہی کو اطمینان کی نظر سے دیکھتا رہا، مگر اب فلپوپولس کی فتح نے معاملہ کی صورت بالکل بدل دی، یہ شہر اگرچہ سلطنت بازنطینی کا مقبوضہ تھا تاہم بلغاریا میں واقع تھا، اس کی فتح نے عثمانی فوجوں کے لئے بلغاریا کا راستہ کھول دیا، ترکوں کا یہ اقدام بالآخر کلیسا ے رومہ کی زیر اثر حکومتوں کے لئے بھی تردد کا باعث ہوا، اور پوپ اربن پنجم (Urban V) نے ہنگری، سرویا، بوسنیا، اور ولاچیا کے فرماں رواؤں کو آمادہ کیا کہ ترکوں کے بڑھتے ہوئے قدم کو روکنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کریں، چنانچہ اتحادیوں نے ۷۶۴ھ (۱۳۶۳ء) میں بیس ہزار فوج تھریس روانہ کی اور یہ اعلان کیا کہ وہ ترکوں کو یورپ سے نکال کر چھوڑیں گے، مراد اس وقت اناطولیہ میں تھا، یہ خبر سنکر وہ فوراً یورپ کی طرف روانہ ہوا، مگر اس کے پہونچنے سے پہلے ہی لالہ شاہین ایک مختصر فوج کے ساتھ جو تعداد میں مسیحی لشکر کی نصف بھی ان کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ اور ایک روز رات کو جبکہ اتحادی فوجیں ادرنہ سے قریب دریاے ماریٹزا کے ساحل پر اپنے خیموں کے اندر شراب وکباب کی سرمستیوں میں مبتلا تھیں،

دفعۃً حملہ آور ہو کر تقریبًا سب کو تہ تیغ کر دیا، جو لوگ لالہ شاہین کی تلوار سے بچ گئے انھوں نے دریا کو عبور کرنے کی کوشش میں ڈوب کر جان دی، یوں گویا پوری عیسائی فوج ہلاک ہو گئی، شاہِ ہنگری جو موقع پر موجود تھا بمشکل جان بچا کر بھاگ سکا،

یہ پہلا معرکہ تھا جو عثمانیوں کو یورپ کی سلافی قوموں کے ساتھ پیش آیا، اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوہ بلقان کے جنوب کا سارا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا، اس سے عیسائیوں کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا اور مراد نے یہ فیصلہ کر لیا کہ آیندہ اپنی سلطنت کو بجائے ایشیا کے یورپ میں وسعت دینے کی کوشش کرے گا، اسی غرض سے اس نے اب ڈیموٹیکا کو جو تھریس میں واقع تھا، پایہ تخت بنایا، اور پھر تین سال کے بعد ادرنہ کو دار السلطنت قرار دیا، جس کی یہ حیثیت فتحِ قسطنطینہ تک قائم رہی، ادرنہ سے مراد نے بلقانی ریاستوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں، جنگ مارٹیزا کے بعد مراد اور شہنشاہ قسطنطینہ کے درمیان ایک اور معاہدہ ہوا جس کے رو سے شہنشاہ نے سلطان کا باجگذار ہونا منظور کیا، اور آیندہ جنگوں میں عثمانی فوج کی حمایت میں اپنی فوج کا ایک دستہ بھیجنے کا وعدہ کیا،

شہنشاہ کی ناکامی، کچھ دنوں تک تو شہنشاہِ قسطنطینیہ خاموشی کے ساتھ خراج ادا کرتا رہا، لیکن پھر اسے اپنی محکومی ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگی، چنانچہ ۷۷۱ھ (۱۳۶۹ء) میں اس نے رومہ کا سفر کیا، اور پوپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یورپ کی مسیحی حکومتوں کو دولت عثمانیہ کے خلاف ابھارنے کی درخواست پیش کی، اس نے پوپ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی ذلت گوارا کی، یونانی کلیسا کے اُن تمام عقائد سے تبری ظاہر کی، جو کلیسائے رومہ سے مختلف تھے، اور مذہبی معاملات میں کلیسائے رومہ کی برتری بھی تسلیم کر لی، مگر ان تمام باتوں کے باوجود اس کا مقصد حاصل نہ ہوا، اور مسیحی حکومتیں ترکوں کے خلاف اعلانِ جنگ

کے لئے آمادہ نہ ہوئیں، شہنشاہ ناکام و نامراد قسطنطنیہ کو واپس ہوا۔ واپسی میں جب وہ وینس سے گذر رہا تھا، تو وہاں کے بعض ساہوکاروں نے جن سے رومہ کے سفر کے لئے اس نے روپیہ قرض لیا تھا، اسے گرفتار کر لیا، اس کے پاس اتنا روپیہ نہ تھا، کہ قرض ادا کر سکے، اس کا بڑا لڑکا اینڈرونکس جسے وہ قسطنطنیہ میں اپنا جانشین بنا گیا تھا، حکومت کی لذت سے آشنا ہو کر باپ کی رہائی کا خواہشمند نہ تھا، اس لئے اس نے بھی قرض ادا کرنے کی کوشش نہ کی، لیکن چھوٹے لڑکے مینوئل نے اپنی املاک فروخت کر کے قرض کی رقم فراہم کی اور شہنشاہ کو آزاد کرایا، قسطنطنیہ پہونچنے کے بعد شہنشاہ نے اینڈرونکس کو حکومت کے تمام منصبوں سے معزول کر دیا، اور اس کی جگہ مینوئل کو مقرر کر کے اسے اپنے ساتھ تاج و تخت کا شریک بھی قرار دیا،

صاووجی کی بغاوت، اینڈرونکس کا لڑکا جس کا نام بھی اینڈرونکس تھا، اپنے باپ کی اس حق تلفی پر سخت برافروختہ ہوا، اور اس نے مراد کے سب سے چھوٹے لڑکے شہزادہ صاووجی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ دونوں مل کر شہنشاہ اور مراد کو تخت سے اتار دیں اور ان کی جگہ خود فرماں روا بن جائیں، مراد اس وقت ایشیائے کوچک میں تھا، اور صاووجی یورپ میں ترکی سپاہ کا افسر اعلیٰ تھا، اس نے مراد کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر فوراً بغاوت کا اعلان کر دیا، ادھر اینڈرونکس نے بھی نوعمر بازنطینی امرا کی ایک جماعت اپنے ساتھ لیکر شہنشاہ کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کی، ان شہزادوں کی متحدہ بغاوت نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی، مراد اس خبر کو سنتے ہی یورپ پہنچا، شہنشاہ نے اینڈرونکس کے جرم سے اپنی برائت پیش کی، اور اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے پوری آمادگی ظاہر کی، اس نے مراد کی یہ تجویز بھی منظور کر لی کہ گرفتاری کے بعد دونوں شہزادے اپنی بینائی سے محروم کر دیئے جائیں صاووجی کی

فوج نے اپنے سلطان کی زبان سے معافی کا وعدہ سن کر باغی شہزادہ کا ساتھ چھوڑ دیا، صاوجی اینڈرونیکس اور نوجوان بازنطینی امراء گرفتار کرکے مراد کے سامنے لائے گئے، مراد نے پہلے دو جی کی آنکھوں میں گرم سیسہ پلا کر اسے اندھا کر دیا، اور پھر اسے قتل بھی کرا دیا، بازنطینی امراء دریائے مارٹیزا میں غرق کر دیئے گئے، اینڈرونیکس شہنشاہ کے پاس بھیجدیا گیا، اس نے حسب وعدہ اس کی آنکھوں میں بھی سیسہ ڈلوا دیا، لیکن اس طرح کہ خفیف سی بینائی باقی رہ گئی،

ان واقعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہنشاہ قسطنطنیہ کو ایک جدید معاہدہ کرنا پڑا، جس کی رو سے اس نے دولت عثمانیہ کی باجگذاری از سر نو تسلیم کی، عثمانی لشکر میں فوجی خدمت انجام دینے کا وعدہ کیا، اور ضمانت کے طور پر اپنے لڑکے مینوئل کو مراد کی خدمت میں بھیج دیا،

فتوحات بلغاریا، مقدونیا وسرویا اگرچہ بلغاریا نے جنگ مارٹیزا میں شرکت نہیں کی تھی، تاہم تھریس کی فتح اور عیسائیوں کی شکست نے اسکو بھی نہایت اہم خطرات میں مبتلا کر دیا، خصوصاً ادرنہ اور فلیپوپولس پر قبضہ ہوجانے کے بعد بلغاریا اور مقدونیا کی راہ ترکوں کے لئے کھل گئی، ریاستہائے بلقان کے باہمی بغض وعناد نے ان کی قوتوں کو کمزور کر دیا تھا، اس لئے مراد کو شروع میں ان کی متحدہ طاقت سے مقابلہ پیش نہیں آیا، ۷۶۸ھ (۱۳۶۶ء) اور ۷۷۱ھ (۱۳۶۹ء) کے درمیان وہ بلغاریا میں بڑھتا چلا گیا، اور کوہ روڈوپ تک وادی مارٹیزا پر قابض ہوگیا، سرویا اب تک بلغاریا کا شریک نہ تھا، لیکن مراد کی ان فتوحات کے بعد اس نے بلغاریا سے مل کر ترکوں کا سدباب کرنا چاہا، ۷۷۳ھ (۱۳۷۱ء) میں لالہ شاہین نے صوفیا کے قریب سماکوف کے میدان میں بلغاری اور سروی افواج کا مقابلہ کیا، اور انکو سخت شکست دی، اس جنگ کے بعد کوہ بلقان تک بلغاریا کا سارا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا، دوسرے سال لالہ شاہین اور عثمانی فوج کے دوسرے مشہور جنرل

افرنیوس نے سقدونیا پر حملہ کیا جو اسٹیفن ڈوشن کے زمانہ سے سرویا کا ایک صوبہ تھا اور کو[1] ڈروما اور سریز کے شہروں کو فتح کرتے ہوئے دریائے وردار کو عبور کر کے قدیم سرویا، البانیا اور بوسنیا میں داخل ہوئے، لازار شاہ سرویا نے شکست کے بعد مراد کی اطاعت قبول کر لی، بلغاریا کے بادشاہ سیسمان نے بھی اپنی لڑکی حرم سلطانی میں پیش کر کے صلح کی درخواست کی، چنانچہ بلغاریا کا وہ حصہ جو کوہ بلقان کے شمال میں واقع تھا اور اس وقت تک سلطنت عثمانیہ میں شامل نہیں کیا گیا تھا اس کی حکومت میں رہنے دیا گیا، اس کے بعد ۷۸۳ھ (۱۳۸۱ء) تک مراد اپنے ایشیائی مقبوضات کی توسیع و استحکام میں مصروف رہا، ۷۸۳ھ میں اس نے پھر سرویا کا رخ کیا، اور عثمانی فوج نے دریائے وردار کو عبور کر کے موناستر پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد ۷۸۷ھ (۱۳۸۵ء) میں صوفیا فتح ہوا، سیسمان کو اپنی ملکہ اور خاندان کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر مراد سے رحم کی درخواست کرنی پڑی[1]، مراد نے سالانہ خراج قبول کر کے اسے بلغاریا کے تخت پر قابض رہنے کی اجازت دیدی، ۷۸۸ھ (۱۳۸۶ء) میں پچیس ۲۵ روز کے شدید محاصرہ اور سخت جنگ کے بعد نش پر بھی جو سرویا کے قلب میں ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا نیز قسطنطین اعظم کے مولد ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا تھا، مراد کا قبضہ ہو گیا، سرویا کو اب مقاومت کا یارا نہ رہا، اس نے ہزار پونڈ نقرئی سالانہ خراج اور عثمانی لشکر کے لئے ہزار سوار دینے کا وعدہ کر کے صلح کر لی،

امن و اصلاحات کا زمانہ ۷۷۸ھ (۱۳۷۶ء) سے ۷۸۳ھ (۱۳۸۱ء) تک کا زمانہ مراد کے دورِ حکومت میں امن کا زمانہ تھا، اس مدت میں اس نے کوئی جنگ نہیں چھیڑی اور اپنی توجہ زیادہ تر سلطنت کے انتظام و استحکام کی جانب مبذول رکھی، اس نے فوجی نظام

---

[1] بلقان از ولیم ملر، سلسلہ "اسٹوری آف دی نیشنز" ص ۱۸۵،

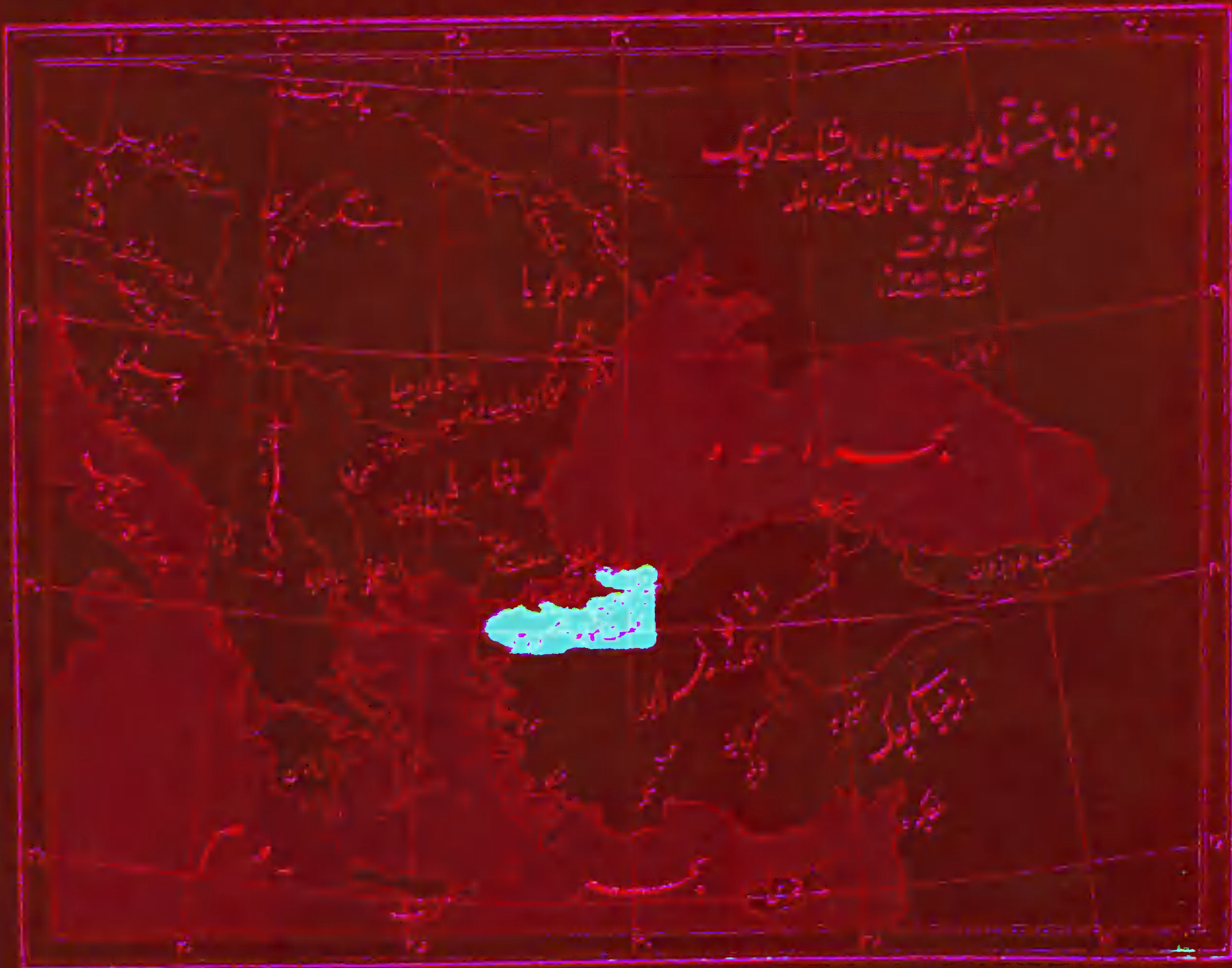
میں اصلاحات جاری کیں اور جاگیری نظام کو مکمل کیا، مفتوحہ علاقوں میں جاگیریں قائم کر کے سپاہیوں کو دیں اور ہر جاگیردار کو جنگ کے موقعوں پر ایک یا ایک سے زیادہ مسلح سوار فراہم کرنے کا ذمہ دار بنایا، یہ فوجی جاگیریں چھوٹی اور بڑی دو قسموں کی تھیں، چھوٹی کو تیمار اور بڑی کو زعامت کہتے تھے[1]، اس نے شاہی زمینیں الگ قائم کیں، اور مسجدوں نیز دوسرے مذہبی اداروں کے لئے بہت سی زمینیں وقف کر دیں، مراد نے عیسائی رعایا کی ایک جماعت بھی ادنیٰ فوجی خدمات کے لئے مرتب کی، اصطبل وغیرہ کی صفائی، خیموں کو نصب کرنا اور اکھاڑنا، سامان کی گاڑیوں کی دیکھ بھال، اور اسی قسم کے دوسرے کام ان لوگوں کے فرائض میں داخل تھے، مراد ہی کے عہد میں سپاہیوں کے علم کے لئے سرخ رنگ تجویز ہوا جو عثمانی فوجوں کا قومی رنگ ہو گیا[2]،

اناطولیہ میں سلطنت کی توسیع

لیکن امن کے اس زمانہ میں بھی مراد توسیع سلطنت کی تدبیروں سے غافل نہ تھا، ۷۷۸ھ (۱۳۷۶ء) میں اس نے شہزادہ بایزید کا نکاح امیر کرمیاں کی لڑکی سے کر دیا، عروس کو ریاست کرمیاں کا بڑا حصہ اور قلعہ کوتاہیہ جو اپنے مقام کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا تھا جہیز میں ملا، اور یہ علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا، شادی کی تقریب بروصہ میں بڑی دھوم دھام سے منائی گئی، اناطولیہ کی تمام ترکی ریاستوں کے نمایندے اور سلطان مصر کے سفیر شریک ہوئے، یہ لوگ اپنے ساتھ عرب کے صبا رفتار گھوڑے، یونان کی حسین کنیزیں اور اسکندریہ کے حیرت انگیز ریشمی کپڑے نذر کے طور پر لائے تھے منجملہ اور تحائف کے سونے اور چاندی کے ظروف بھی تھے جنہیں طلائی اور نقرئی سکے بھرے ہوئے تھے، نیز پیالے اور طشت تھے جنہیں جواہرات جڑے ہوئے تھے، یہ تمام چیزیں مراد

---

[1] ان کے متعلق تفصیلات آیندہ آئیں گی [2] کریسی جلد ۱ ص ۳۸ ،


جنوب مشرقی یورپ اور ایشیائے کوچک

نے اپنے مہمانوں میں تقسیم کر دیں، لیکن جب عروس نے کرمیان کے قلعوں کی کنجیاں پیش کیں تو انھیں اپنے ہی پاس رکھا[1]، ۷۷۹ھ (۱۳۷۷ء) میں مراد نے ریاست حمید کے امیر کو آمادہ کیا کہ اپنی ریاست کا ایک بڑا حصہ اس کے ہاتھ فروخت کر ڈالے جسمیں آق شہر کا ضلع بھی شامل تھا، ریاست حمید کا یہ علاقہ شامل کر لینے سے سلطنت عثمانیہ کی سرحد ریاست کرمانیہ سے بالکل متصل ہو گئی، کرمانیہ اور آل عثمان کی آویزش ابتدا سے چلی آتی تھی، اسے دور کرنے کے خیال سے مراد نے اپنی لڑکی نفیسہ کا عقد علاء الدین امیر کرمانیہ سے کر دیا، چنانچہ تقریباً دس سال یہ صلح قایم رہی، لیکن ان میں سے ہر فریق اناطولیہ کے ترکوں کی سرداری کا دعویدار تھا، اور باوجود اس کے کہ ایشیائے کوچک کی متعدد ترکی ریاستیں سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو چکی تھیں، امیر کرمانیہ کی خودسری اور شورش انگیزی مراد کو اس کے ایشیائی مقبوضات کی طرف سے مطمئن نہیں ہونے دیتی تھی، چنانچہ ۷۸۹ھ (۱۳۸۷ء) میں دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی، اور قونیہ میں علاء الدین کو بری طرح شکست ہوئی، مراد اگر چاہتا تو علاء الدین کو قتل کر کے اس کی ریاست پر قابض ہو جاتا، لیکن نفیسہ کی التجاؤں سے متاثر ہو کر اس نے علاء الدین کا قصور معاف کر دیا، اور اس کی ریاست اسے پھر بخش دی، علاء الدین نے مراد کو اپنا آقا تسلیم کیا، اسی جنگ میں شہزادہ بایزید نے اپنے حملوں کی حیرت انگیز سرعت اور شدت کی بنا پر یلدرم (بجلی) کا لقب حاصل کیا تھا، اس کے بعد مراد بروصہ کو واپس گیا، اب اس کی خواہش تھی کہ بقیہ عمر آرام اور یاد الٰہی میں گذار دے، چنانچہ اسی وجہ سے اس نے ریاست تکہ پر حملہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کرنے سے انکار کر دیا، اور جس فوجی افسر نے یہ تجویز پیش کی تھی اسے یہ جواب دیا کہ 'امیر تکہ بہت غریب اور کمزور ہے، مجھے اس سے

[1] "ترکی" از لین پول، سلسلہ "اسٹوری آف دی نیشنس" ص ۱۴،

جنگ کرنے میں شرم آنی چاہیئے، شیر کھیوں کا شکار نہیں کرتا، لیکن بہت جلد اس بوڑھے شیر کو دوسرے شیروں کے مقابلہ کے لیئے اپنی آرام گاہ سے نکلنا پڑا،

مسیحی حکومتوں کا اتحاد یورپ میں اس وقت (سنہ ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء) تک تقریباً تمام قدیم تھریس اور جدید رومیلیا سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو چکا تھا، اس کے علاوہ بعض دوسری اہم فتوحات بھی حاصل ہو چکی تھیں، ان علاقوں میں ترک اور عرب نوآبادیاں قائم کردی گئی تھیں، اور وہاں کے اکثر باشندے دوسرے مقامات کو منتقل کردیئے گئے تھے، ان نوآبادیوں نے عیسائیوں میں ایک عام بے چینی پیدا کردی، ینی چری کے لیئے ہر سال ایک ہزار عیسائی لڑکوں کے مطالبہ سے اس بے چینی میں برہمی بھی شامل ہوگئی، ترکوں کے خلاف غصہ کا جذبہ پورے جوش کیساتھ موجود تھا، اسے مشتعل کرنے کے لیئے بس چنگاری کی ضرورت تھی وہ بھی جنگ قونیہ کے بعد ہاتھ آگئی، اس جنگ میں عثمانی فوج کے ساتھ سرویا کے دو ہزار سپاہی بھی شریک تھے، جو سابق معاہدہ کی رو سے طلب کئے گئے تھے، کوچ سے پہلے ہی مراد نے فوج میں اعلان کرادیا تھا، کہ کرمانیہ کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد بھی ریاست کے عام باشندوں کی جان و مال کو ہرگز کسی قسم کا نقصان نہ پہونچایا جائے، اور جو شخص اس حکم کی خلاف ورزی کریگا وہ سخت سزا کا مستوجب ہوگا، لیکن سروی سپاہیوں نے جو یورپ کے دستور کے مطابق دشمن کے ملک میں پہونچ کر ہر قسم کی غارت گری کو بالکل جائز خیال کرتے تھے اس حکم کی تعمیل سے انکار کردیا، اور راستہ میں نہایت وحشیانہ طریقہ پر لوٹ مار شروع کردی، مراد نے ان میں سے بہتوں کو سخت سزائیں دیں اور بعضوں کو قتل بھی کرادیا، اس کا یہ فعل فوجی قانون کے رو سے بالکل جائز تھا، لیکن اہل سرویا کے لیئے یہ سخت اشتعال کا باعث ہوا، اور شاہ سرویا نے جس کی سلطنت اسٹیفن ڈوشن کے عہد میں بلغراد سے دریائے سٹرا

تک اور بحر اسود سے بحر ایڈریاٹک تک پھیلی ہوئی تھی عیسائی حکومتوں کا ایک عظیم الشان اتحاد قائم کر کے ترکوں کے استیصال کا بیڑا اٹھایا، اس اتحاد میں سرویا، بوسنیا، اور بلغاریا کی حکومتیں آگے ہوئیں البانیا، ولاچیا اور ہنگری نے پوری قوت کے ساتھ شرکت کی، پولینڈ نے بھی اپنی فوج بھیجی سلافی قوموں کا اتنا زبردست اتحاد اس سے پہلے کبھی قائم نہیں ہوا تھا، سرویا نے مغربی یورپ کی حکومتوں کو بھی شرکت کی دعوت دی لیکن وہ مختلف وجوہ سے ادھر متوجہ نہ ہو سکیں، محاربات صلیبی کا قدیم جوش فرو ہو چکا تھا، اور ہنوز ارض مقدس کو ترکوں سے آزاد کرانے کا سوال پیدا نہ ہوا تھا، علاوہ بریں چودھویں صدی عیسوی کے آخر میں یورپ کی مغربی سلطنتوں کی اندرونی حالت اور ان کے حکمرانوں کی ذاتی کمزوریاں اس اتحاد کی شرکت سے مانع تھیں، لیکن اسوقت تمام یورپ کے متحد نہ ہونے کا سب سے بڑا سبب لاطینی کلیسا کا وہ شدید افتراق تھا، جس نے کل مغربی سلطنتوں کو دو متخاصم جماعتوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک جماعت پاپائے رومہ کے زیر فرمان تھی، اور دوسری اس کے حریف پوپ کی حلقہ بگوش تھی، جس نے اوینان (واقع فرانس) کو اپنے جدید کلیسا کا مرکز قرار دیا تھا،

جنگ کسووا بہر حال سرویا نے مشرقی حکومتوں کے اتحاد سے جو قوت فراہم کر لی تھی، وہ بظاہر ترکوں کو یورپ سے نکال دینے کے لئے کافی تھی، مراد نے اس اجتماع کی خبر بروصہ میں سنی اور گو اس کی عمر ستر سال کی ہو چکی تھی تاہم عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے فوراً روانہ ہو گیا، اتحادیوں نے مراد کے پہونچنے سے پہلے ہی بوسنیا میں ایک عثمانی فوج پر حملہ کیا، اور منجملہ بیس ہزار ترک سپاہیوں کے پندرہ ہزار کو تہ تیغ کر ڈالا، اس کے بعد فوراً ہی علی پاشا مراد کے حکم کے مطابق درۂ دربند کی راہ سے کوہ بلقان کو عبور کر کے بلغاریا میں داخل ہوا، اور شوملہ اور ترنوا پر قبضہ کر کے دریائے ڈینوب کی طرف بڑھا، سیسمان، شاہ بلغاریا نے بھاگ کر نا نکوپولس میں پناہ

لی لیکن بہت جلد اُسے مراد سے معافی مانگ کر صلح کر لینی پڑی، شرائطِ صلح یہ تھے کہ سلسٹریا کا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا جائیگا، اور بلغاریا سالانہ خراج ادا کرتا رہے گا، سیسمان کی علٰحدگی کے باوجود شاہِ سرویا نے استقلال کے ساتھ جنگ جاری رکھی، اور سیسمان بھی چند ہی دنوں میں معاہدہ کو توڑ کر پھر سردیا سے مل گیا، اس نے سلسٹریا سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا، اور ایک فوج سرویا کی مدد کے لئے روانہ کی، مراد نے علی پاشا کو اُس کے مقابلہ میں بھیجا، سیسمان پھر نائکوپولس میں پناہ گزیں ہوا، اور یہ اہم قلعہ دوبارہ فتح ہوا، مراد نے اس مرتبہ بھی سیسمان کی جاں بخشی کی، لیکن اس کی بار بار کی غداری کی سزا میں بلغاریا کا جنوبی حصہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا، لازار شاہِ سرویا اپنے دوسرے حلیفوں کے ساتھ برابر ترکوں کا مقابلہ کرتا رہا، بالآخر اس نے تمام اتحادی افواج کو جمع کر کے ایک فیصلہ کن معرکہ کا تہیہ کیا، اور اپنے لشکر کی کثرت و قوت پر اعتماد کر کے مراد کے پاس آخری جنگ کا پیغام بھیجا، چنانچہ ۱۵ جون ۱۳۸۹ء (۷۹۱ھ) کو کسووا کے میدان میں وہ آخری مقابلہ پیش آیا جس نے اتحادیوں کا شیرازہ پراگندہ کر کے سرویا کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، جنگ اختتام کے قریب تھی کہ میلوش کوبیلوویچ (Milosh Kobilovich) نامی ایک سروی امیر عثمانی لشکر کی طرف گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا، اور وہاں شاہِ لازار کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتے ہوئے اس نے یہ بیان کیا کہ مجھے کچھ نہایت اہم باتیں سلطان سے کہنی ہیں، چنانچہ وہ مراد کی خدمت میں لایا گیا، لیکن قدمبوسی کے وقت اٹھکر دفعۃً اس نے مراد پر خنجر سے حملہ کیا، اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر بھاگ جانے کی کوشش کی، سپاہیوں نے چشم زدن میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، مگر مراد کو زخم کاری پہونچ چکا تھا، اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر کا مہمان اور ہے، اسی حالت میں اس نے آخری حملہ کا حکم دیا، جس نے جنگ کا فیصلہ کر دیا،

وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات پورے کر رہا تھا کہ لازار گرفتار کر کے اس کے سامنے لایا گیا، اس نے اس کے قتل کا حکم دیا، اور کچھ دیر بعد خود بھی جان بحق تسلیم ہوا، میلوش کے واقعہ کے بعد سے یہ قاعدہ ہو گیا کہ جب کوئی اجنبی شخص سلطان کے حضور میں لایا جاتا تو دو آدمی اسکے بازو پکڑے رہتے، تاکہ وہ فریب نہ کر سکے، انیسویں صدی سے اس قاعدہ کی پابندی جاتی رہی، تاہم گذشتہ صدی میں بھی غیر ملکوں کے سفیروں کو سلطان کے بہت قریب جانے کی اجازت نہیں دیجاتی تھی[۱]،

جنگ کسووا کے بعد پانچ سو برس تک اہل سرویا نے پھر کبھی متحد ہو کر ترکوں سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کی، بہتیرے بھاگ کر جبل اسود (مونٹی نیگرو) میں پناہ گزیں ہوئے اور وہاں اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے برابر جنگ کرتے رہے، بہت سے بوسنیا اور ہنگری میں جا کر آباد ہو گئے، لیکن بحیثیت ایک خود مختار حکومت کے سرویا کا خاتمہ ہو گیا، اگرچہ اس کے بعد بھی ستر سال تک سرویا کی عنانِ حکومت ملکی فرماں رواؤں کے ہاتھ میں رہی، تاہم اس کی حیثیت محض ایک باجگذار مملکت کی تھی،

مراد کے کارنامے مراد کا عہدِ حکومت تاریخ آلِ عثمان کے اہم ترین عہدوں میں ہے، اسنے تیس سال تک حکومت کی، ان میں سے چوبیس سال میدانِ جنگ میں صرف کئے، اور ہر جنگ میں کامیاب رہا، مراد سے پہلے ترکوں کا مقابلہ یورپ کی قوموں میں سے صرف بازنطینیوں سے ہوا تھا جن کی سلطنت اپنے زوال کی آخری منزلیں طے کر رہی تھی لیکن مراد کی ظفریاب فوجیں ان ملکوں میں بھی پھیل گئیں جو یورپ کی نہایت طاقتور سلافی قوموں کے زیرنگیں تھے، اور بلغاریا، سرویا، اور بوسنیا پر دولت عثمانیہ کا تسلط قائم ہو گیا، مراد ہی

---

[۱] "ترکی" از لین پول ص۴۵،

کے عہد میں اوّل بار آل عثمان اور اہل ہنگری کا مقابلہ پیش آیا، جس میں موخر الذکر کو سخت شکست اٹھانی پڑی، مراد کی فتوحات نے سلطنت عثمانیہ کے دائرۂ اقتدار کو دریائے ڈنیوب تک پہونچا دیا، اور گو بعض ریاستوں مثلاً سرویا اور بوسنیا سے محض خراج قبول کرنے پر قناعت کی گئی، تاہم تھریس، مقدونیا، اور جنوبی بلغاریا کی ریاستیں مکمل طور پر سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلی گئیں،

مسٹر گبنس لکھتے ہیں: "تیس سال تک مراد نے عثمانیوں کی سیادت ایسے سیاسی تدبر کے ساتھ کی کہ اس عہد کا کوئی مدبر اس پر فوقیت نہ حاصل کرسکا، محض اس لئے کہ مراد کی بہ نسبت محمد فاتح اور سلیمان اعظم سے متعلق ہمارے معلومات بہت زیادہ ہیں، مراد کا صحیح مقام کہ وہ خاندان عثمانی کا سب سے زیادہ ممتاز و کامیاب ماہر سیاست اور محارب تھا، کبھی پہچانا نہ جاسکا، جب ہم ان دشواریوں کا جن کا اس نے مقابلہ کیا، اُن مسائل کا جنھیں اس نے حل کیا، اور اس کے عہدِ حکومت کے نتائج کا موازنہ اس کے زیادہ پرشکوہ جانشینوں کے کارناموں سے کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اگر وہ ان سے بڑھ کر نہیں تو ان کے برابر ضرور رہے، جو تغیر اس نے اپنی مدتِ حیات کے اندر کردیا وہ تاریخ کے نہایت حیرت انگیز واقعات میں سے ہے، اس کی فتوحات کو پانچ صدیوں تک قائم رہنا تھا، ۱۸۷۸ء کے معاہدۂ برلن تک، ان میں سے بعض حال کی جنگ بلقان کے طوفان کے بعد بھی باقی رہ گئی ہیں"[1]

مراد نے مسیحی علاقے فتح کرکے، ان میں اسلامی حکومت قائم کی، لیکن عیسائیوں کو بجبر اسلام میں داخل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی، بر خلاف اس کے اس نے انھیں پوری

---

[1] ہربرٹ گبنس، ص۱۴۱،

مذہبی آزادی دے رکھی تھی، جس کی واضح شہادت اس خط میں محفوظ ہے جو ۷۸۶ھ ہجری (۱۳۸۵ء) میں یونانی کلیسا کے بطریق اعظم نے پوپ اربن ششم کو لکھا تھا، بطریق مذکور نے اقرار کیا ہے، کہ مراد نے کلیسا کو کامل آزادی بخش دی تھی، یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ۷۶۱ھ (۱۳۶۰ء) اور ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) کے درمیان بطریق اعظم کے دفتر میں کوئی ایک شکایت بھی عثمانیوں کے ہاتھوں ارباب کلیسا کی بدسلوکی کی درج نہیں ملتی،[1]

---

[1] ہربرٹ گبنس ص ۱۷۰،

بایزید اوّل یلدرم

۷۹۱ھ تا ۸۰۵ھ مطابق ۱۳۸۹ء تا ۱۴۰۲ء

مراد کی شہادت کے بعد ہی جنگ کسووا کا بھی خاتمہ ہو گیا، شہزادہ بایزید جب اتحادیوں کو پوری طرح شکست دینے کے بعد اپنے لشکر میں واپس آیا تو فوج کے تمام سرداروں نے اس کا خیر مقدم وارثِ تاج و تخت کی حیثیت سے کیا، لیکن تخت نشین ہونے کے بعد اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے چھوٹے بھائی شہزادہ یعقوب کو جس نے اس جنگ میں شجاعت اور فوجی قابلیت کے اعلیٰ جوہر دکھائے تھے فوراً قتل کرا دیا، باپ کی لاش ابھی سرد بھی نہیں ہوئی تھی الفتنۃ اشد من القتل کی آڑ لے کر یعقوب کے وجود کو سلطنت کے لئے فتنہ قرار دیا گیا، اور رضا و رجی کی بغاوت نظیر میں پیش کی گئی، تختِ سلطنت کی خاطر آلِ عثمان میں یہ پہلا قتل تھا، جس نے آئندہ کے لئے مثال قائم کر دی،

سرویا سے صلح اتحادیوں کی شکست کے بعد بھی سرویا نے کچھ دنوں تک جنگ جاری رکھی، لیکن بالآخر اسے صلح کر لینی پڑی، بایزید نے سرویا کی خود مختاری قائم رکھی اور صرف اس کے باجگذار ہونے پر اکتفا کی، لازار کے جانشین شاہ اسٹیفن نے سالانہ خراج کے علاوہ پانچ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ سلطان کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رکھنے کا معاہدہ کیا، نیز اپنی بہن شہزادی ڈیسپینا کو بایزید کے نکاح میں دیدیا، اس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ سلطان

کی تمام لڑائیوں میں وہ اپنی فوج لے کر خود شریک ہوا کریگا، چنانچہ آخر وقت تک وہ اس معاہدہ پر قائم رہا، اور نائکوپولس اور انگورہ کی معرکۃ الآرا جنگوں میں اسٹیفن بایزید کے دوش بدوش لڑتا رہا، اور سروی افواج کی خدمات حد درجہ وقیع اور موثر ثابت ہوئیں،

شہنشاہ سے جدید صلحنامہ، سرویا سے صلح کرنے کے بعد بایزید قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہوا، اور اینڈرونیکس کے تخت پر بٹھانے کی دھمکی دیکر شہنشاہ جان پلیولوگس کو ایک جدید صلحنامہ پر مجبور کیا، جس نے بازنطینی سلطنت کی رہی سہی حیثیت بھی خاک میں ملادی، جان اور اس کے لڑکے مینوئل نے جو تختِ سلطنت میں اپنے باپ کا شریک تھا، معاہدہ کیا کہ تیس ہزار طلائی سکے بطور خراج ہر سال ادا کرتے رہیں گے، اور بارہ ہزار کا ایک فوجی دستہ بایزید کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رکھیں گے، ایشیائے کوچک میں بازنطینی سلطنت کے مقبوضات میں سے اب صرف ایک قلعہ فلاڈلفیا اور باقی رہ گیا تھا، اس صلحنامہ میں وہ بھی بایزید کے نام لکھ دیا گیا، لیکن اس قلعہ کے یونانی افسر نے شہنشاہ کے حکم کے باوجود قلعہ خالی کرنے سے انکار کر دیا، بایزید نے شہنشاہ کو مجبور کیا کہ وہ خود اپنی فوج کے ذریعہ سے قلعہ خالی کرادے، چنانچہ دولت بازنطینیہ کے انتہائی زوال کا یہ عبرتناک واقعہ بھی ظہور میں آیا کہ یونانی سپاہیوں نے فلاڈلفیا پر حملہ کیا اور اسے فتح کرکے بایزید کے حوالہ کر دیا،

اناطولیہ کی فتوحات ایشیائے کوچک کی اکثر ریاستیں سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو چکی تھیں، بایزید نے باقی ماندہ پر بھی قبضہ کر لینا چاہا اور سب سے پہلے ایدین کی طرف بڑھا ایدین کو فتح کرنے کے بعد اس نے امنتشا اور صاروخاں کا رخ کیا، ان ریاستوں کے امیروں نے بھاگ کر امیر قسطمونی کے پاس پناہ لی، اور امنتشا اور صاروخاں سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لی گئیں، ایدین، امنتشا اور صاروخاں کی فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانی ترک

بحرِ ایجین کے ساحل تک پہونچ گئے، یہیں سے عثمانی بحری طاقت کی ابتدا ہوتی ہے گو بایزید کے عہد میں اس کو ترقی نہ ہو سکی، ساٹھ جہازوں کا پہلا عثمانی بیڑا سنہ ۷۹۲ھ (سنہ ۱۳۹۰ء) میں روانہ ہو کر جزیرہ کیوس (Chios) پر حملہ آور ہوا[لہ]، اس کے بعد بایزید نے سمرنا پر حملہ کیا، یہ شہر یروشلم کے مبارزین سینٹ جان کا مقبوضہ تھا، بحری قوت کے ناکافی ہونے کی وجہ سے بایزید کو چھ ہفتوں کے بعد سمرنا کا محاصرہ اٹھا لینا پڑا، ریاست تکہ کے ایک حصہ پر مراد کے زمانہ میں قبضہ ہو چکا تھا، بایزید نے بقیہ علاقہ کو بھی اپنی حدودِ سلطنت میں لے لیا، اب صرف دو ریاستیں کرمانیہ اور قسطمونی سلطنت عثمانیہ میں شامل ہونے سے رہ گئی تھیں، بایزید نے کرمانیہ پر بھی حملہ کیا، حالانکہ کرمانیہ کے امیر علاء الدین سے اس کی بہن بیاہی ہوئی تھی، اور پایہ تخت قونیہ کا محاصرہ کر لیا، علاء الدین نے کرمانیہ کا ایک ٹکڑا جسمیں آق شہر بھی شامل تھا بایزید کی نذر کر کے صلح کر لی،

قسطنطنیہ کا محاصرہ

ان فتوحات کے بعد جن کا اکثر حصہ بغیر کسی جنگ کے ہاتھ آیا تھا، بایزید پھر دردانیال کو عبور کر کے ادرنہ چلا گیا، اس درمیان میں جان پلیولوگس نے قسطنطنیہ کے تین گرجے مسمار کرا دیئے تھے، اور وہ اُن کے سامان سے نئے قلعے تعمیر کرانا چاہتا تھا، مگر بایزید نے اس ارادہ سے شہنشاہ کو بجبر باز رکھا، چند ہی دنوں کے بعد جان کا انتقال ہو گیا، اس کا لڑکا مینوئل جو کچھ عرصہ سے بایزید کے دربار میں مامور تھا، شہنشاہ کے انتقال کی خبر سن کر چپکے سے بھاگ کر قسطنطنیہ پہونچا اور اپنے باپ کا جانشین ہوا، بایزید کو یہ بات ناگوار ہوئی، اور اس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا، سات مہینے تک محاصرہ جاری رہا، پھر چونکہ بایزید کو بلغاریا میں سجسمنڈ شاہِ ہنگری کے جارحانہ اقدام کو روکنے کے لئے فوجیں

لہ ہربرٹ گبنس، ص ۱۸۶،

درکار تھیں، اس لئے اس نے دس سال کے لئے صلح کر کے محاصرہ اٹھالیا، شرائطِ صلح بہت سخت تھے، سالانہ خراج کی رقم تیس ہزار طلائی کراؤن مقرر ہوئی، مسلمانوں کے لئے قسطنطنیہ میں ایک شرعی عدالت قائم کی گئی، جسمیں بایزید نے ایک ترکی قاضی مقرر کیا، اور کلیسائے مشرق کے اس مرکز میں ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر کی گئی، جس کے میناروں سے توحید اسلامی کا اعلان ہونے لگا[1]، مسٹر گبنس نے لکھا ہے کہ مینوئل نے شہر کے سات سو مکانات بھی مسلمانوں کو دیدیئے اور غلطہ کا نصف حصہ بایزید کے حوالہ کر دیا، جسمیں اس نے چھ ہزار عثمانی فوج متعین کر دی، شہر کے باہر جو انگور کے باغ اور ترکاریوں کے کھیت تھے ان کی پیداوار کا عشر بھی صلحنامہ کے روسے عثمانی خزانہ کو دیدیا گیا، اسی وقت سے عثمانیوں نے قسطنطنیہ کو استنبول کہنا شروع کیا[2]،

ولاچیا اسکے بعد بایزید نے ولاچیا کا رخ کیا اور اسے دولت عثمانیہ کا باجگذار بنا کر بوسنیا اور ہنگری کی طرف بڑھا، ابتدا میں ترکوں کو بوسنیا اور ہنگری کی متحدہ افواج سے شکست ہوئی اور نائکوپولس کا مضبوط قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا لیکن سجسمنڈ کی یہ کامیابی بالکل عارضی تھی، اور چند ہی دنوں میں اسے شکست کھا کر بھاگنا پڑا، نائکوپولس پر پھر ترکوں کا قبضہ ہوگیا،

بلغاریا کی فتح ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں بایزید نے اپنے سب سے بڑے لڑکے سلیمان پاشا کو بلغاریا کی طرف روانہ کیا، بلغاریا کا جنوبی حصہ مراد ہی کے عہد میں سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو چکا تھا، بایزید نے شمالی حصہ پر بھی قبضہ کر لینا چاہا، شاہ سیسمان نے جم کر مقابلہ کیا، لیکن تین ہفتہ کے محاصرہ کے بعد پایہ تخت ترنوا فتح ہوگیا، اور پورے ملک پر ترکوں کا

[1] گبن جلد ۴ صفحہ ۳۹۲، [2] ہربرٹ گبنس صفحہ ۱۹۹،

تسلط ہوگیا، اب شمالی بلغاریا بھی عثمانی مقبوضات میں شامل کرلیا گیا، بلغاریا کا شاہی خاندان ختم ہوگیا، بلغاریا کا اسقفِ اعظم جلاوطن کردیا گیا، اور بلغاری کلیسا قسطنطنیہ کے یونانی کلیسا کا ماتحت بنادیا گیا، اور اس کی یہ محکومی ٹھیک پانچ سو برس تک قائم رہی، بلغاریا کے جن باشندوں نے اسلام قبول کرلیا، ان کی زمینیں ان ہی کے قبضہ میں چھوڑدی گئیں، باقی سارا علاقہ فوجی جاگیروں کی شکل میں ترکوں کو دیدیا گیا،

ویدین اور سلسٹریا

نانگو پولس پہلے ہی فتح ہوچکا تھا، بایزید نے ویدین اور سلسٹریا پر بھی قبضہ کرلیا، یہ تینوں قلعے ہنگری کی سرحد پر واقع تھے، ان کی فتح کے بعد ترکوں نے ہنگری کے سرحدی علاقہ میں چھوٹے چھوٹے حملے شروع کردیئے، بایزید اب ہنگری پر حملہ کرنے کی تیاری کررہا تھا کہ دفعۃً اسے ایشیائے کوچک کی جانب متوجہ ہونا پڑا،

کرمانیہ

کرمانیہ اور آلِ عثمان کی عداوت بدستور چلی آتی تھی، مراد نے اپنی ایک لڑکی کا نکاح علاء الدین سے کرکے تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی تھی، لیکن اناطولیہ کے ترکوں کی سرداری اور آلِ سلجوق کی قائم مقامی کا حوصلہ امیر کرمانیہ کو چین نہیں لینے دیتا تھا وہ ہر موقع پر دولتِ عثمانیہ کو نقصان پہونچانے کی کوشش کرتا، مراد کے عہد میں بھی وہ ایک سے زائد بار اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا تھا، اور اب بایزید کے مقابلہ میں بھی اُس نے اپنی وہی قدیم روش قائم رکھی، چنانچہ بایزید جب ہنگری کی فتح کی تیاری کررہا تھا علاء الدین نے اناطولیہ کے عثمانی علاقوں پر حملہ کردیا، انگورہ اور بروصہ کے درمیان سخت معرکہ ہوا جسمیں عثمانی فوج کو بُری طرح شکست ہوئی، اور تیمور تاش پاشا جو سالارِ عسکر اور ایشیائے کوچک میں بایزید کا نائب سلطنت تھا، علاء الدین کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا، یہ خبر سنکر بایزید سرعت کے ساتھ اناطولیہ پہونچا اور آق چائی کے مقام پر کرمانی لشکر کو شکست دیکر علاء الدین

اور اس کے دو لڑکوں محمد اور علی کو قید کر لیا، علاء الدین اور اس کے دونوں لڑکے تیمور تاش پاشا کی حراست میں رکھے گئے، اور اس نے بایزید کی اجازت کے بغیر تینوں کو پھانسی دیدی، بایزید یہ معلوم کر کے بہت برہم اور رنجیدہ ہوا، لیکن پھر اس مقولہ کو یاد کر کے خاموش ہو گیا کہ "ایک امیر کی موت اتنی بری نہیں جتنا ایک صوبہ کا نقصان" لارڈ ایورسلے نے اس ترکی مقولہ کو قرآن کریم کی ایک آیت قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس آیت کے بموجب بایزید نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ کرمانیہ کی پوری ریاست پر قبضہ کر کے اسے سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کر لیا جائے[۱]، اسلام کی دشمنی میں اتنا سفید جھوٹ جو بیسویں صدی کے ایک انگریز مورخ کے قلم سے نکلا ہے قرونِ وسطیٰ کے مسیحی مفتریوں کو بھی نہ سوجھا ہو گا، بہرحال کرمانیہ پر بایزید کا قبضہ ہو گیا، اور ایشیائے کوچک میں سلجوقیوں کی قائم مقامی کے لئے اب آلِ عثمان کا کوئی حریف باقی نہ رہا،

بقیہ ترکی ریاستیں | اس کے بعد ۷۹۵-۹۶ھ (۱۳۹۳-۹۴ء) میں بایزید نے سیواس، سمسون، اور اماسیا میں اپنی فوجیں روانہ کیں اور ان علاقوں کو بھی فتح کر لیا، اب صرف ریاست قسطمونی سلطنتِ عثمانیہ میں شامل ہونے سے رہ گئی تھی، دوسری مفتوحہ ریاستوں کے امرا قسطمونی میں جا کر پناہ لیتے تھے، بایزید نے اسی امر کو بنائے مخالفت قرار دیکر قسطمونی پر بھی حملہ کیا، اور اناطولیہ کی اس آخری ترکی ریاست کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا،

سلطان بایزید | ان فتوحات کے بعد امیر کا لقب جسے اب تک عثمانی فرماں روا اختیار کرتے آئے تھے، بایزید کو اپنی عظمت و شان کے مقابلہ میں فروتر معلوم ہونے لگا، چنانچہ اس نے مصر کے عباسی خلیفہ کی اجازت سے سلطان کا لقب اختیار کر لیا، خلیفہ کو عملاً

اگرچہ کوئی اقتدار حاصل نہ تھا، تاہم اسلامی دنیا میں اس کی مذہبی حکمرانی اب بھی تسلیم کیجاتی تھی، اور بایزید جیسے بادشاہ کو بھی جو اپنی سطوت میں یورپ اور ایشیا کے بڑے سے بڑے فرمانرواؤں کا حریف تھا سلطان کے لقب کو جائز قرار دینے کے لئے خلیفہ ہی کا فرمان حاصل کرنا پڑا،

اس موقع پر لین پول عام مورخین سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ آل عثمان میں بایزید پہلا شخص نہیں ہے، جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا، بلکہ برٹش میوزیم اور دوسرے مقامات پر عثمانیوں کے جو سکے محفوظ ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اورخاں اور مراد اول بھی اپنے سکوں پر سلطان کا لقب کندہ کراتے تھے، عثمان کے نام کا کوئی سکہ موجود نہیں (کیونکہ اگرچہ سلطان علاء الدین سلجوقی نے اسے اپنا سکہ جاری کرنے کی بھی اجازت دیدی تھی، تاہم اس نے اس حق کو استعمال نہیں کیا) اور غالباً پہلا عثمانی سکہ اورخاں کے عہد میں جاری ہوا، پس بایزید کے لئے سلطان کا لقب صرف اس بنا پر ایک نئی چیز ہو سکتا ہے کہ اس نے اس کے لئے خلیفۂ اسلام کی اجازت بھی حاصل کرلی،[۱]

وقفہ عیش | یورپ اور ایشیا کی ان عظیم الشان فتوحات کے بعد بایزید نے کچھ دنوں آرام کرنے کا قصد کیا، اور ہمہ تن محل سرا کے عیش و نشاط میں محو ہو گیا، شہزادی ڈیسپینا کی ترغیب سے اس نے شراب بھی شروع کر دی تھی،[۲] جسے اس وقت تک کسی عثمانی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا، شراب کا سرور عیش کے دیگر لوازم کا بھی متقاضی ہوا، اور پھر تو اس سلسلہ کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو باقی رہی ہو، لیکن جام و سبو کی یہ تمام سرمستیاں بایزید کے قوائے عمل کو مضمحل نہ کر سکیں، اور جب اس نے سنا کہ یورپ نے ایک زبردست صلیبی اتحاد

---

[۱] لین پول، ص ۵، فٹ نوٹ، [۲] نولس (Knolles) بحوالہ لین پول ص ۴۹،

قائم کرکے سلطنت عثمانیہ کے استیصال کا بیڑا اٹھایا ہے، تو عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے یوں اٹھ کھڑا ہوا، جیسے کوئی خوابِ شیریں سے آسودہ ہوکر تازہ قوت کے ساتھ بیدار ہوتا ہے،

صلیبی اتحاد

جنگ کسووا کے بعد سرویا کی تسخیر نے ہنگری کی آزادی کو سخت خطرہ میں ڈال دیا تھا خصوصاً نانکوپولس، ویدین اور سلسٹریا کے فتح ہوجانے کے بعد ترکوں کیلئے ہنگری کا راستہ کھل گیا تھا، ان کے متواتر حملوں سے عاجز آکر سجسمنڈ شاہ ہنگری نے یورپ کی عیسائی سلطنتوں سے مدد کی درخواست کی، چونکہ ہنگری کلیسائے رومہ سے وابستہ تھا، اس لئے پوپ نے بھی اس کی سرپرستی کی اور ترکوں کے خلاف ایک صلیبی جنگ کی تبلیغ شروع کردی، ابتک ترکوں کے خلاف عیسائیوں کا جو اتحاد قائم ہوا تھا، اسمیں مغربی یورپ کی حکومتوں نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا، اس مرتبہ سجسمنڈ کی خاص کوشش یہ تھی کہ فرانس بھی اس کی مدد کے لئے اپنی فوجیں روانہ کرے، اتفاق سے اس زمانہ میں فرانس اور انگلستان کے درمیان جنگ موقوف تھی جس کی وجہ سے فرانس کو اس اتحاد کی شرکت میں تامل نہ ہوا، فرانس اور برگنڈی کے پرجوش نوجوان بھی مشرقی یورپ کے میدانوں میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے بیچین تھے، طے یہ پایا کہ ڈیوک آف برگنڈی کا لڑکا کونٹ ڈی نیورس (Count de Nevers) ایک فوج لے کر شاہ ہنگری کی مدد کے لئے روانہ ہو، اور وہی فرانسیسی اور دوسرے سوار دستوں کا سالار عسکر مقرر کیا جائے، ان بہادروں کے پیش نظر صرف ہنگری کی مدد نہ تھی بلکہ منصوبے یہ تھے کہ ہنگری میں بایزید کی قوت کو توڑنے کے بعد قسطنطنیہ کی طرف بڑھیں اور پھر دردانیال کو عبور کرکے شام میں داخل ہوں، ارض مقدس پر قبضہ کریں، اور یروشلم اور درگاہ شریف کو مسلمانوں کے ہاتھ سے آزاد کرائیں، غرض شہرت اور ناموری کے شوق میں مبارزین

اکبرسی جلد
صفحہ ۱

جوق در جوق اکٹھا ہونے لگے شاہی خاندان اور فرانسیسی امرا کے ممتاز اشخاص جو فن سپہگری میں خاص شہرت رکھتے تھے، اس مقدس مہم میں شریک ہوئے، یہ منتخب فوج ۷۹۸ھ (مارچ ۱۳۹۶ء) میں فرانس سے روانہ ہوئی، راستہ میں جرمنی سے گذرتے ہوئے جرمنی کے شاہی خاندان کے بعض افراد مثلاً فریڈریک، کاونٹ آف ہوہنزولرن (Count of Hohenzollern) اور روڈس کے مبارزین سینٹ جان کا افسر اعلیٰ بھی ایک مضبوط دستہ لے کر شامل ہوگیا، ان کے علاوہ سجسمنڈ نے بویریا اور اسٹائریا کے سوار دستے بھی فراہم کرلئے تھے، مغربی یورپ کے مسیحی مجاہدوں کی مجموعی تعداد دس بارہ ہزار تھی، اور وہ سب کے سب اپنی شجاعت کے نشہ میں اس قدر سرشار تھے کہ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر آسمان بھی گرنے لگے تو وہ اپنے نیزوں کی نوک پر اس کو روک لیں گے، سجسمنڈ نے اپنی مملکت سے جس قدر فوج ممکن تھی فراہم کی اور امیر ولاچیا کو بھی اس صلیبی اتحاد میں شریک ہونے پر آمادہ کیا، حالانکہ تھوڑے ہی دنوں پہلے ولاچیا اور دولت عثمانیہ میں صلح ہو چکی تھی اور امیر ولاچیا سالانہ خراج ادا کرنے کا معاہدہ کرکے اپنی خودمختاری برقرار رکھ سکا تھا، مسیحی فوجوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تھی[۱]

ابتدائی فتوحات | اتحادی فوجیں بودا واقع ہنگری میں اکٹھا ہوئیں اور وہاں سے کچھ ٹرانسلوینیا اور ولاچیا کی راہ سے اور کچھ سرویا کے راستہ سے عثمانی مقبوضات کی طرف روانہ ہوئیں، چونکہ سرویا کا بادشاہ بایزید کا حلیف تھا اور کامل وفاداری کے ساتھ اپنے معاہدہ پر قائم تھا، اس لئے ان مسیحی مجاہدوں نے سرویا کے باشندوں کے ساتھ بھی جو تمامتر عیسائی ہی تھے، وحشیانہ قتل و غارت گری کا وہی سلوک کیا جو وہ ترکوں کے ساتھ کرتے، سب سے پہلے سجسمنڈ نے ویدین پر حملہ کیا اور اسے فتح کرکے سسٹووا و

آرسوو پر قبضہ کرتا ہوا نائکوپولس کی طرف بڑھا، نائکوپولس پہونچ کر فوراً اس کا محاصرہ کرلیا، نائکوپولس کے کمانڈر یوغلان بے نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کردیا، اور محاصرہ کی انتہائی شدت کے باوجود حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرتا رہا، اسے یقین تھا کہ بایزید اس کی مدد کو ضرور پہونچے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بایزید جو اس درمیان میں اپنی بہترین فوج کے ساتھ روانہ ہو چکا تھا، برقی سرعت کے ساتھ محاصرہ کے سولھویں دن نائکوپولس پہونچ گیا،

مسیحی لشکر میں قمار بازی اور میخواری کا ایک ہنگامہ برپا تھا، اس نشہ کو ابتدائی فتح کے جرعات نے اور بھی تیز کردیا تھا، عیسائیوں، خصوصاً فرانسیسیوں کو گمان بھی نہ تھا کہ بایزید اس قدر جلد آپہونچے گا، وہ علانیہ کہتے تھے کہ اسے ان کے مقابلہ میں آبنائے باسفورس کے عبور کرنے کی بھی جرات نہ ہوگی، وہ ترکی فوجوں کا ذکر حقارت کے ساتھ کرتے تھے اور انھیں اپنا حریفِ مقابل تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے، ان کو اپنی کامیابی کا اس درجہ یقین تھا کہ انھوں نے یہ دریافت کرنے کی بھی مطلق فکر نہ کی کہ ترک آتو نہیں رہے ہیں، ان مجاہدینِ صلیب کے ساتھ ان کی طوائفیں بھی آئی تھیں[1]، جن کی عشوہ طرازیوں نے فوجی کیمپ کو نشاط محل بنا رکھا تھا،

معرکۂ نائکوپولس ۲۳ ذی قعدہ ۷۹۸ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۳۹۶ء کو کاونٹ ڈی نیورس اپنے فرانسیسی ساتھیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً اسے یہ اطلاع ملی کہ ترکی فوج قریب آگئی، سب کے سب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور لڑائی کے لئے ہتھیار باندھنے لگے، وہ چاہتے تھے کہ بلاتاخیر ترکوں پر حملہ کردیں، سجمنڈ عثمانیوں کے اصولِ جنگ

---

[1] ایورسلے ص ۴۹،

سے واقف تھا، وہ جانتا تھا کہ سب سے آگے بے قاعدہ اور غیر مرتب دستے ہوتے ہیں، جو دشمن کے پہلے حملہ کا زور توڑنے کے لئے آگے رکھے جاتے ہیں، اصلی اور باقاعدہ فوج اُن کے پیچھے ہوتی ہے، اسی بنا پر اس نے فرانسیسی فوج کو مشورہ دیا کہ ان بے قاعدہ سواروں پر حملہ کر کے اپنی قوت کو ضائع نہ کریں، بعض فرانسیسی کمانڈروں نے اس رائے سے اتفاق کیا، لیکن دوسروں نے اس بدگمانی کی بنا پر کہ سجسمنڈ پہلے خود حملہ کرنا چاہتا ہے، یہ گوارا نہیں کیا کہ فرانسیسی دستے ہنگری کی فوج سے پیچھے رہیں اور اس مشورہ کی مخالفت کی، فرانس کے نوعمر بہادروں نے بھی اس رائے کی پرجوش مخالفت کی اور اسی جوش میں اُن ترک قیدیوں کو جو ان کے قبضہ میں تھے اور جنھوں نے امن کے وعدہ پر ہتھیار ڈالے تھے قتل کر ڈالا،

بایزید نے عیسائی لشکر سے تھوڑے فاصلہ پر اپنی خاص فوج کو روک کر پہلے بے قاعدہ فوج دشمن کے مقابلہ میں روانہ کی اور ان کی مدد کے لئے ینی چری اور سواروں کا ایک دستہ آگے بڑھایا، فرانس کے نوعمر نائٹ ترکوں کے اصول جنگ سے بالکل ناواقف تھے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ عثمانیوں کی اصلی فوج بے قاعدہ فوج کے پیچھے ہوتی ہے، سجسمنڈ نے انھیں سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر انھوں نے اس کی ایک نہ سنی اور پوری قوت کے ساتھ ترکوں کے مقدمۃ الجیش پر ٹوٹ پڑے، آسانی کے ساتھ اسے شکست دیتے ہوئے وہ آگے بڑھے اور پھر ینی چری اور سواروں کی صفوں کو چیرتے ہوئے جنھیں بایزید نے پہلے روانہ کر دیا تھا اسی جوش میں اتنی دور نکل گئے، کہ باقی ماندہ اتحادی فوجوں سے ان کا تعلق تقریباً منقطع ہو گیا، دفعۃً انھیں بایزید کی چالیس ہزار بہترین فوج نظر آئی، جسے دیکھتے ہی ان کو اپنی شدید غلطی کا احساس ہوا، اور انھوں نے فوراً واپس ہونے کی

کوشش کی، مگر واپسی اب اون کے اختیار سے باہر تھی، آگے سلطان کی تازہ دم فوج تھی اور پیچھے سے وہ ترکی دستے جنھیں وہ منتشر کر چکے تھے، دوبارہ جمع ہو کر ان کی طرف بڑھ رہے تھے، یہ دیکھ کر کہ اب جان بچانا کسی طرح ممکن نہیں، وہ مایوسانہ طور پر نہایت بے جگری سے لڑے، اور ان چھ ہزار بہادروں میں سے تقریباً سب کے سب مارے گئے، جو بچ رہے وہ قید کر لئے گئے، صرف چند ایسے تھے جو بھاگ کر عیسائی لشکر میں پہونچ سکے، اس کے بعد بایزید سجسمنڈ کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا، اسے دیکھتے ہی اتحادی فوج کے دونوں بازو فوراً بھاگ کھڑے ہوے، البتہ قلب لشکر نے جو ہنگری، بویریا اور اسٹاریا کے دستوں پر مشتمل تھا، اور جس کی کمان خود سجسمنڈ کے ہاتھ میں تھی، جم کر مقابلہ کیا، لیکن یہ جنگ تین گھنٹہ سے زیادہ نہ قائم رہ سکی، اتحادیوں کو بری طرح شکست ہوئی، ان کے ہزاروں سپاہی کام آئے اور دس ہزار گرفتار کر لئے گئے، سجسمنڈ چند سرداروں کے ساتھ بمشکل جان بچا کر بھاگا، اس جنگ میں اسٹیفن کی سروی فوج سے جو بایزید کی حمایت میں لڑ رہی تھی، عثمانی فوج کو بڑی مدد پہونچی،

فتح کے بعد بایزید نے میدانِ جنگ کا معاینہ کیا، اُس وقت اُسے مقتول ترکوں کی تعداد کا اندازہ ہوا، نیز یہ معلوم کر کے کہ ابتدائے جنگ میں جن ترکوں نے مغلوب ہو کر جان بخشی کے وعدہ پر ہتھیار ڈال دیئے تھے انھیں بھی عیسائیوں نے نقضِ عہد کر کے قتل کر ڈالا اس کا رنج و غصہ اور بھی زیادہ ہوا، اور اس نے تہیہ کر لیا، کہ اُن کے خون کا بدلہ عیسائی قیدیوں سے لے کر رہے گا۔ چنانچہ دوسرے روز صبح کو اُس نے تمام عیسائی قیدیوں کو جن کی تعداد دس ہزار تھی، اپنے سامنے کھڑا کر کے ان کے قتل کا حکم دیا، قیدیوں میں کونٹ ڈی نیورس بھی تھا، بایزید نے اسے قتل سے مستثنیٰ کر دیا، اور اسے اجازت دی

کہ قیدیوں میں سے چوبیس عیسائی شرفاء کو منتخب کرے، اور ان سب کی بھی جان بخشی کر دی، اس کے بعد قتل شروع ہوا، جو چار بجے شام تک جاری رہا، جب ہزاروں قتل ہو چکے تو امرائے سلطنت کی درخواست پر بایزید نے جلادوں کو ہاتھ روکنے کا حکم دیا، اور جو قیدی بچ رہے تھے ان میں سے ایک خمس سلطان کا حصہ علیحدہ کرنے کے بعد بقیہ ان مسلمان سپاہیوں کو تقسیم کر دیئے، جنھوں نے ان کو جنگ میں گرفتار کیا تھا، کونٹ ڈی نیورس اور اس کے چوبیس ساتھی، ایک سال تک زیر حراست رہے لیکن بایزید نے ان کی حیثیت کے مطابق انھیں عزت و احترام کے ساتھ رکھا، اور جب ان کا زر فدیہ فرانس سے آگیا تو انھیں وطن جانے کی اجازت دیدی، رخصت کے وقت جب یہ لوگ بایزید کے لطف و عنایت اور حسنِ سلوک کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس نے جان کونٹ ڈی نیورس کو مخاطب کر کے یہ تقریر کی: "جان! مجھے خوب معلوم ہے کہ تو اپنے ملک میں ایک بڑا سردار اور ایک طاقتور رئیس کا لڑکا ہے، تو نوجوان ہے، اور ابھی تیرے لئے امید کے بہت سے سال باقی ہیں، ممکن ہے میدانِ جنگ میں تیری اس پہلی کوشش کی ناکامی پر لوگ تجھے قابلِ الزام ٹھہرائیں اور تو اس اتہام کو رفع کرنے اور اپنی شہرت و نیک نامی کو دوبارہ حاصل کرنے کی غرض سے ایک طاقتور فوج اکٹھا کر کے میرے مقابلہ میں جنگ کے لئے آئے، اگر میں تجھ سے ڈرتا تو تجھ سے اور تیرے ساتھیوں سے تیرے ایمان اور عزت پر حلف لے لیتا کہ نہ تو اور نہ وہ کبھی میرے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائیں گے، لیکن نہیں میں ایسی حلف کا مطالبہ نہ کروں گا، برخلاف اس کے میں خوش ہونگا، اگر تو اپنے ملک میں واپس پہونچکر ایک فوج جمع کرے اور اسے لے کر یہاں آئے، تو مجھے ہمیشہ میدانِ جنگ میں اپنے

مقابلہ کے لئے تیار پائے گا، جو بات میں اس وقت کہہ رہا ہوں اُسے تو جس شخص سے بھی چاہے نقل کردینا، کیونکہ میں ہمیشہ جنگی کارناموں نیز اپنی فتوحات کی توسیع کے لئے تیار اور خواہشمند رہتا ہوں[۱]"۔ کونٹ ڈی نیورس اور اس کے ساتھیوں میں سے صرف ایک نائٹ مارشل بوسیکا (*Boucicaut*) نے بایزید کی یہ دعوت قبول کی، وہ ۸۰۲ھ (۱۳۹۹ء) میں چند جہاز اور بارہ سو نائٹ اور پیدل فوج لے کر قسطنطنیہ پہونچا اور شہنشاہ کو شہر کی مدافعت میں مدد دی، اس کے علاوہ کسی اور کو بایزید کے مقابلہ میں آنے کی پھر کبھی ہمت نہ ہوئی،

مزید فتوحات

جنگ نائکوپولس کے بعد عثمانی فوجوں نے ولاچیا، اسٹائریا اور ہنگری پر حملے شروع کئے اور پیٹروارڈین کے شہر پر قبضہ کرلیا، ایک ترکی دستہ نے سرمیا پر یورش کی اور ساحلِ ڈینوب کے جو قلعے عیسائیوں نے لے لئے تھے ان کو دوبارہ حاصل کیا، بایزید خود بودا پر چڑھائی کی تیاری کررہا تھا لیکن دفعۃً بیمار پڑ گیا، اور ہنگری کی یہ مہم ملتوی کردی گئی،

یونان کی فتح

اس کے بعد بایزید ادرنہ کو واپس ہوا، اور وہاں پہونچ کر مینوئل شہنشاہِ قسطنطنیہ کو مجبور کیا کہ جان کے حق میں تخت سے دست بردار ہوجائے، ۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) میں وہ دفعۃً یونان پر حملہ آور ہوا، اور آسانی کے ساتھ تھسلی، فوسیس، ڈوریس اور لوکریس پر قبضہ کرلیا، اس کے بعد اس کے دو جنرلوں یعقوب اور افرنیوس نے خاکنائے کورنتھ کو طے کرکے جنوب کا رُخ کیا، اور تمام موریا کو فتح کرلیا، موریا کے تیس ہزار یونانی باشندے بایزید کے حکم سے ایشیائے کوچک میں منتقل کردیئے گئے، اور اُن کی جگہ ترکوں کی نو آبادیاں

۱؎ کریسی جلد ۱ ص۶۰،

قائم کردی گئیں، موریا پر تھیوڈور پلیولوگس شہنشاہ قسطنطنیہ کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا، اس نے بایزید کی سیادت قبول کرلی، اور دولت عثمانیہ کا باجگذار بن گیا،

قسطنطنیہ کا محاصرہ

یونان کی فتح کے بعد بایزید پھر ادرنہ لوٹ آیا، اور اب اس نے قسطنطنیہ پر فوراً قبضہ کرنے کا تہیہ کرلیا، اس سے قبل بھی وہ قسطنطنیہ کا محاصرہ کر چکا تھا، اور شہنشاہ کو اپنا پایہ تخت محفوظ رکھنے کے لئے بہت سخت شرائط پر دس سال کے لئے صلح کر لینی پڑی تھی، لیکن اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے ہی یونان کی فتح سے فارغ ہوکر بایزید پھر قسطنطنیہ کی طرف متوجہ ہوا، اور اس نے ایک خاص ایلچی کے ذریعہ سے شہنشاہ کے پاس یہ پیام بھیجا کہ وہ تاج و تخت سے دست بردار ہو جائے ورنہ شہر بزور شمشیر فتح کرلیا جائیگا، اور اس وقت وہاں کے باشندے رحم و کرم کے مستحق نہ سمجھے جائیں گے، اس نے یہ بھی کہلایا کہ قسطنطنیہ کے معاوضہ میں شہنشاہ اپنے لئے کوئی دوسری حکومت پسند کرلے جو اُسے دیدی جائے گی، قسطنطنیہ کے باشندے بایزید کی قوت سے واقف ہونے کی وجہ سے چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو جنگ کی نوبت نہ آنے دیں، لیکن جان کو امید تھی کہ عیسائی حکومتیں قسطنطنیہ کی محافظت میں اس کی مدد سے دریغ نہ کریں گی، اس لئے اس نے ایلچی کو یہ جواب دے کر رخصت کر دیا: ”اپنے آقا سے کہدو کہ باوجود اس کے کہ ہم ضعیف و ناتوان ہیں ہم خدا کے سوا کسی دوسری طاقت سے نہیں ڈرتے، وہی کمزور کی حفاظت کرتا ہے اور طاقتور کا غرور توڑتا ہے، سلطان کو اختیار ہے جو چاہے کرے“ اس جواب کے بعد بایزید نے فوراً قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا، اسی محاصرہ کے دوران میں مارشل بوسید کا شہنشاہ کی مدد کے لئے فرانس سے آیا تھا،

حالات کا انقلاب

لیکن عین اس وقت جب بایزید قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا،

اس کے ایشیائی مقبوضات میں نہایت انقلاب انگیز حالات رونما ہو رہے تھے جن سے مجبور
ہو کر اسے محاصرہ اٹھا لینا پڑا، اب تک بارہ سال کی مدتِ حکومت میں جو مسلسل جنگوں
پر مشتمل تھی بایزید کو ہمیشہ کامیابی ہوتی گئی، اس نے ایشیائے کوچک کے بڑے حصہ مقدونیا،
شمالی بلغاریا اور تھسلی کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا، اور سلطنت بازنطینی، سرویا،
ولاچیا، بوسنیا اور یونان کے بیشتر حصہ کو دولتِ عثمانیہ کا باجگذار بنا لیا تھا، نائکوپولس
کے میدان میں اسنے یورپ کی متحدہ اور بہترین فوجوں کو نہایت سخت شکست دیکر
صلیبی اتحاد کی قوت کو پاش پاش کر ڈالا تھا، اس وقت تک کسی جنگ میں اسے ناکامی
نہیں ہوئی تھی، لیکن آیندہ دو سالوں میں جو اس کی حکومت کے آخری سال تھے
سے اتنی زبردست شکست اٹھانی پڑی کہ اس کی تمام فتوحات پر پانی پھر گیا، اور کچھ
لوں کے لئے سلطنتِ عثمانیہ کی عظمت خاک میں مل گئی، خود بایزید کا خاتمہ بھی قید کی حالت
ور بے کسی کے عالم میں ہوا، اس تباہی و بربادی کا سبب وہ آویزش ہوئی جو بایزید اور
تیمور کے درمیان پیدا ہو گئی تھی،

ور | تیمور کی سلطنت دیوارِ چین سے لے کر ایشیائے کوچک کی سرحد تک اور بحرارل
سے دریائے گنگا اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی، اس کی زندگی کے ابتدائی سال اپنے
سایہ تاتاری امراء سے جنگ کرنے میں گذرے پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں اس نے ان سب
زیر کر کے سمرقند کو اپنا پایہ تخت بنایا، اور اس کے بعد فتوحات کا وہ سلسلہ شروع کیا جن کی
عت کے سامنے سکندر، سیزر، اٹیلا، چنگیز خاں، شارلیمین اور نپولین کی سلطنتیں حقیر
لوم ہوتی ہیں، اس نے پینتیس ۳۵ سال سے کم مدت میں ستائیس مملکتیں فتح کر لی تھیں، اور
شاہی خاندانوں کو فنا کر دیا تھا، اس کی یہ حیرت انگیز جہانگیری صرف ذاتی شجاعت اور

اصلی فوجی قابلیت کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ اُس کے تدبر اور ملکہ حکمرانی کو بھی اس میں بہت کچھ دخل تھا، اس کا مجموعۂ قوانین جیسے اس نے فوج، عدالت اور مالیہ کے انتظام کے لئے مرتب کرایا تھا، اس کے تدبر اور صحیح غور وفکر کا ثبوت پیش کرتا ہے، اس کے جاسوس مختلف بھیسوں میں خصوصاً زائرین اور درویشوں کے لباس میں ہر طرف گھومتے رہتے تھے اور ان کی مکمل رپورٹیں احتیاط کے ساتھ دفتر میں درج کیجاتی تھیں، اس طرح تیمور کو اپنے دشمنوں کی قوت اور کمزوری کی صحیح اطلاع بہم پہونچتی رہتی تھی، اُسے اپنے سپاہیوں پر اسقدر اقتدار حاصل تھا کہ وہ اس کے حکم پر نہ صرف بڑی سے بڑی سختی برداشت کرنے اور اپنی جانیں نثار کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے، بلکہ عین فتح کے موقع پر اگر وہ حکم دیتا تو لوٹ مار سے بھی ہاتھ کھینچ لیتے اور مالِ غنیمت سے دست بردار ہو جانے میں مطلق پس و پیش نہ کرتے، اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس کا سلوک شریفانہ اور فیاضانہ تھا لیکن جو لوگ اس کی مخالفت کرتے انھیں سخت سے سخت سزائیں دیتا، جیسا کہ کریسی نے لکھا ہے، تیمور نے دہشت انگیزی کو بھی فتح کا ایک خاص ذریعہ بنا رکھا تھا، اور جو سزائیں وہ پوری پوری آبادیوں کو دیتا اُن سے اکثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی فوری اشتعال کا نتیجہ نہ تھیں، بلکہ پہلے سے سمجھ بوجھ کر طے کر لی گئی تھیں،

جنگ نائکوپولس کے بعد بایزید کے بعض فوجی افسروں نے ایشیائے کوچک کے مشرق میں فتوحات کا سلسلہ شروع کیا تھا جس کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کی سرحد جارجیا تک پہونچ گئی تھی، اُدھر تیمور کی حکومت اس سے پہلے ہی جارجیا اور بحر کاسپین کے دوسرے مغربی ممالک میں قائم ہو چکی تھی، دونوں سلطنتوں کے ہم سرحد ہو جانے کی وجہ سے انکے درمیان جلد یا بہ دیر تصادم کا واقع ہونا ناگزیر تھا، تیمور کی سلطنت کے بعد بایزید ہی کی

سلطنت اُس وقت دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور سلطنت تھی، بایزید اپنی سابق فتوحات کے نشہ میں اتنا سرشار تھا کہ اُس نے تیمور کی قوت کا صحیح اندازہ نہ کیا اور ایک ایسے فاتح کو برانگیختہ کر دیا جس کے نام کی دہشت سے بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت متزلزل ہو جاتے تھے، سرحدی جھگڑوں کے علاوہ آویزش کے اور اسباب بھی تھے، مثلاً ایک دوسرے کے باجگذار رئیسوں کو حملہ کی دھمکی دینا، اور ایک دوسرے کے باغیوں کو پناہ دینا، باغیوں سے مراد وہ امرا تھے جن کی ریاستوں پر بایزید نے قبضہ کر لیا تھا، اور وہ بھاگ کر تیمور کے پاس پناہ گزیں ہوئے تھے، اسی طرح وہ امرا بھی باغی سمجھے جاتے تھے، جن کی ریاستیں تیمور نے فتح کر لی تھیں اور جنھیں بایزید نے اپنے دربار میں پناہ دی تھی، یہ لوگ اپنی ریاستوں کو دوبارہ حاصل کرنے کی غرض سے تیمور اور بایزید کو ایک دوسرے کے خلاف ابھارتے رہتے تھے، اسی سلسلہ میں دونوں کے درمیان نہایت تلخ خط و کتابت شروع ہوئی، اور بالآخر نوبت جنگ کی آگئی،

سیواس ۸۰۳ھ (۱۴۰۰ء) میں تیمور نے آرمینیا کی طرف سے عثمانی سرحد میں داخل ہو کر سیواس کا محاصرہ کر لیا، جو چند سال پہلے بایزید کے قبضہ میں آیا تھا، اس شہر کی دیواریں نہایت مضبوط تھیں، اور ترکی دستہ نے بایزید کے سب سے بڑے لڑکے ارطغرل کی سرکردگی میں اس کی محافظت بھی ایسی جانبازی کے ساتھ کی کہ تیمور کی سات آٹھ لاکھ فوج شروع میں کامیاب نہ ہو سکی، لیکن آخر میں تیمور نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس کا جواب محصورین کے پاس نہ تھا، اس نے چھ ہزار مزدور لگا کر دیواروں کی بنیادیں کھدوانا شروع کر دیں اور اس درمیان میں شہتیروں کی تھونی لگا کر دیواروں کو گرنے سے روکے رکھا جب کھدائی کا کام پورا ہو گیا، اور بنیادوں کے اندر بڑی بڑی سرنگیں تیار ہو گئیں،

توشہتیروں میں آگ لگوادی اور تمام دیواریں دیکھتے دیکھتے ان ہی سرنگوں میں بیٹھ گئیں، حملہ آوروں کے لئے اب کوئی روک نہ تھی، اور شہر پر فوراً قبضہ ہوگیا، تیمور نے سیواس کے محافظ دستہ سے دل کھول کر انتقام لیا، ان میں سے چار ہزار آرمینیوں کو اس نے زندہ دفن کرادیا، اور ارطغرل اور بقیہ ترک سپاہیوں کو قتل کر دیا،

بایزید اُس وقت قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا سیواس کے مفتوح ہونے اور ارطغرل کے قتل کی خبر سن کر وہ فوراً وہاں سے روانہ ہوا، اور تیمور کے مقابلہ کیلئے ایشیائے کوچک پہونچا، لیکن تیمور اس درمیان میں شام اور مصر کی طرف روانہ ہوچکا تھا، دو سال کے بعد وہ پھر لوٹا، اور سیواس پہونچنے کے بعد بایزید اور اس کے درمیان خط و کتابت دوبارہ شروع ہوئی جو پہلے سے بھی زیادہ تند اور تیز تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین نے ایک فیصلہ کن جنگ کا عزم کر لیا،

جنگ انگورہ بایزید ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ تیمور کے مقابلہ کے لئے سیواس کی طرف بڑھا لیکن تیمور کی کثیر فوج کے لئے جس کی تعداد سات آٹھ لاکھ کے درمیان بتائی جاتی ہے سیواس کا میدان تنگ تھا، اس لئے وہ بایزید کے پہونچنے سے پہلے ہی انگورہ کی طرف روانہ ہوگیا، اور وہاں پہونچ کر فوراً انگورہ کا محاصرہ کر لیا، اسے یقین تھا کہ بایزید انگورہ کے بچانے کی ضرور کوشش کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور محاصرہ کی اطلاع پاکر بایزید نے بجائے سیواس جانے کے فی الفور انگورہ کی طرف کوچ کر دیا، وہاں پہنچکر اس نے دیکھا کہ تیمور شہر کے شمال مغرب کی جانب جو فوجی نقطۂ نظر سے میدان کا بہترین حصہ ہے، اس کا انتظار کر رہا ہے، تیمور نے صرف یہی نہیں کیا کہ میدان کے اس حصہ پر پہلے سے قبضہ کر لیا، بلکہ اس نے بایزید کے مقابلہ کے لئے اور تمام ضروری

اور احتیاطی تدبیریں بھی کر لی تھیں، وہ بایزید کی طاقت سے پوری طرح واقف تھا اسلئے ہر ممکن طریقہ سے اسے کمزور کرنے کے ذرائع اختیار کر چکا تھا، بایزید کی فوج میں ایک بڑی تعداد تاتاریوں کی بھی تھی، تیمور کے خفیہ ایجنٹ بھیس بدل کر عثمانی لشکر میں جاتے تھے، اور ان تاتاریوں کو اندر اندر بایزید کے خلاف ابھارتے رہتے تھے، یہاں تک کہ اُن کی عصبیت برانگیختہ ہوگئی، اور وہ عین جنگ کی حالت میں ٹوٹ کر تیمور کی فوج سے جا ملے، بایزید کی جزرسی اور بخل کیوجہ سے فوج میں پہلے ہی سے بددلی پھیلی ہوئی تھی جسے تیمور کے جاسوسوں کی ریشہ دوانیوں نے اور بھی تیز کر دیا، عثمانی فوج کے افسروں نے یہ حالت دیکھ کر بایزید کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر اس نے مطلق التفات نہ کیا اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں تیمور کی فوجی طاقت کا صحیح اندازہ بھی نہ کر سکا، اس نے یہ بھی نہ کیا کہ اس موقع پر فراخدلی سے کام لے کر سپاہیوں کو انعام و اکرام سے خوش کرتا، برخلاف اس کے تیمور کے مقابلہ میں محض اپنی شانِ استغنا کے مظاہرہ کی غرض سے وہ انگورہ پہونچنے کے بعد ایک روز پوری فوج کو ساتھ لے کر شکار کے لئے روانہ ہوگیا، جس مقام پر یہ شکار طے پایا تھا، وہاں پانی بہت کم تھا، اور پانچ ہزار عثمانی سپاہی پیاس کی شدت سے مر گئے، جو باقی رہ گئے وہ بھی گرمی اور پیاس کی تکلیف سے بہت خستہ ہو رہے تھے،

بایزید جب شکار سے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی لشکرگاہ پر تیمور کا قبضہ ہے اور جس چشمہ سے عثمانی فوج پانی لے سکتی تھی، اس کا رخ بھی تاتاریوں نے پھیر دیا ہے، جسکی وجہ سے پانی بہت کم دستیاب ہو سکتا ہے، حالات کی نامساعدت میں اس واقعہ نے اور بھی اضافہ کیا، بایزید کے لئے اب بلا تاخیر جنگ شروع کر دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، چنانچہ چہارشنبہ ۱۷ ذی الحجہ ۸۰۴ھ (۲۰ جولائی ۱۴۰۲ء) کو وہ فیصلہ کن معرکہ

پیش آیا، جس نے بقول گبن تیمور کی شہرت وعظمت کو حیاتِ ابدی بخش دی اور بایزید کی ذلت ورسوائی کو ہمیشہ کے لئے یادگار بنادیا، لڑائی طلوعِ فجر سے قبل شروع ہوگئی تھی، اور غروب آفتاب کے بعد تک جاری رہی، اس روز بایزید نے سپہ گری اور سپہ سالاری کے جوہر خوب خوب دکھائے، اس کی خاص فوج نے بھی غیر معمولی شجاعت سے کام لیا، اور نہایت جانبازی کے ساتھ تاتاریوں کا مقابلہ کرتی رہی، لیکن تیمور کی فوجی قابلیت اور اس کی فوج کی کثرت کے سامنے بایزید کی ساری کوششیں بے سود نظر آنے لگیں، علاوہ بریں سب سے زیادہ نقصان اسے خود اپنے سپاہیوں سے پہونچا، اس کی فوج کے تاتاری دستے پہلے ہی سے غداری کے لئے آمادہ تھے، وہ لڑائی شروع ہونے کے تھوڑی ہی دیر بعد تیمور کی فوج سے جا ملے، اناطولیہ کی ترکی ریاستوں مثلاً ایدین، منتشا، صاروخان، اور کرمیان کے دستے بھی جن کو بایزید نے بجبر اپنی فوج میں بھرتی کیا تھا، عین موقع پر غدار ثابت ہوئے، اور سب کے سب بھاگ کر اپنے اپنے امیروں کے علم کے نیچے پہونچ گئے جو تیمور کی فوج میں بایزید کے خلاف لڑ رہے تھے، البتہ اسٹیفن اپنے سروی دستوں کے ساتھ وفاداری اور جانبازی کا حق ادا کرتا رہا، لیکن لڑائی ختم ہونے سے پہلے ہی اسے بھی راہِ فرار اختیار کرنی پڑی، اب صرف بایزید دس ہزار ینی چری کے ساتھ میدان میں باقی رہ گیا تھا، اس مختصر فوج نے ساتھ آٹھ لاکھ تاتاریوں کے مقابلہ میں جیسی حیرت انگیز شجاعت کا ثبوت دیا، اس کی مثال خود ینی چری کی تاریخ میں کم نظر آتی ہے، لیکن آخرکار گرمی اور پیاس کی شدت نے ان کے بازو کمزور کر دیئے، اور تاتاریوں کی کثرت غالب ہو کر رہی، بایزید کے بعض افسروں نے لڑائی کی حالت دیکھ کر چند گھنٹے بیشتر ہی اسے میدانِ جنگ چھوڑنے کی رائے دی تھی، لیکن اس نے اس مشورہ کو حقارت کیساتھ ٹھکرادیا

تھا، اب جب کہ وقت نکل چکا تھا بایزید نے بھاگنے کی کوشش کی، مگر محمود خانِ چغتائی نے تعاقب کر کے اسے گرفتار کر لیا، اس کے پانچ لڑکوں میں سے جو لڑائی میں شریک تھے تین دشمن کی زد سے بچ کر نکل گئے، شہزادہ سلیمان نے یورپ کا رُخ کیا، شہزادہ محمد نے اماسیا پہونچ کر دم لیا، اور شہزادہ عیسیٰ کرمانیہ کی طرف بھاگا، شہزادہ موسیٰ گرفتار ہو گیا، پانچویں لڑکے شہزادہ مصطفیٰ کا حشر معلوم نہ ہو سکا، ممکن ہے لڑائی میں مارا گیا ہو، بہر حال وہ ایسا غائب ہوا کہ کسی کو اس کا سراغ نہ ملا،

قیدی سلطان | آلِ تیمور کا مورخ شرف الدین علی بیان کرتا ہے کہ جب بایزید قیدی کی حیثیت سے دست بستہ تیمور کے سامنے لایا گیا، تو تیمور نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا، اور اس کے ہاتھ کھلوا کر عزت و احترام کے ساتھ اپنے قریب بٹھایا، پھر اسکی حالت پر افسوس اور ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے، کہنے لگا کہ "اگرچہ احوالِ عالم تمامتر خداوند تعالیٰ کے ارادہ وقدرت کے مطابق پیش آتے ہیں اور کسی دوسرے کو حقیقۃً کوئی اختیار و اقتدار حاصل نہیں ہے، تاہم انصاف اور حق یہ ہے کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ خود تمہاری لائی ہوئی ہے تم نے بارہا اپنی حد سے باہر قدم رکھا، اور بالآخر مجھے انتقام پر مجبور کر دیا، پھر بھی چونکہ تم اس دیار میں کفار سے جہاد کر رہے تھے میں نے بہت کچھ تحمل کیا، اور ان حالات میں جو فرض ایک خیر اندیش مسلمان کا تھا اسے بجا لایا، میری خواہش تھی کہ اگر تم فرماں برداری کی راہ اختیار کرو تو مال و لشکر کی جس قدر ضرورت تمھیں ہو اس سے تمہاری مدد کروں، تاکہ تم اطمینان و قوت کیساتھ جہاد میں مشغول رہ سکو، اور دیارِ اسلام کے اطراف و اکناف سے سدنیوں کے شرک کی شوکت کو فنا کر دو.... لیکن تم نے سرکشی اور عناد اختیار کیا، حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک پہونچ گیا سب جانتے ہیں کہ اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی اور یہ قوت و غلبہ جو

خداوند تعالیٰ نے مجھکو بخشا ہے تم کو حاصل ہوتا تو اُس وقت مجھ پر اور میرے لشکر پر کیا گذرتی لیکن اس فتح کے شکرانے میں جو خدا کے فضل وعنایت سے مجھے حاصل ہوئی ہے میں تمہارے اور تمہارے آدمیوں کے ساتھ بھلائی کے سوا کچھ نہ کروں گا، دل کو مطمئن رکھو۔[۵] بایزید نے انفعال کیساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور آئندہ کے لئے اطاعت کا وعدہ کیا، تیمور نے اسے خلعت شاہانہ پہنا کر مزید لطف وعنایت کی توقع دلائی، اس کی خواہش پر شہزادہ موسیٰ بھی جو قید میں تھا آزاد کر کے اس کے پاس بھیج دیا گیا، اور تیمور نے ان کے رہنے کے لئے اپنے خیمہ کے قریب ایک عالیشان خیمہ نصب کرایا، اور بعض عالی مرتبت امرا کو ان کی خدمت میں مامور کیا، بروصہ سے جب حرم سلطانی لایا گیا تو تیمور نے شہزادی ڈیسپینا اور اسکی لڑکی کو بھی بایزید کے پاس بھجوا دیا،

بایزید کی موت

لیکن یہ مراحم خسروانہ بایزید کے زخم دل کے لئے نمک کا کام دے رہے تھے اور شاہی خیمہ بھی اسکے لئے قید خانہ سے کم نہ تھا، اپنی سابق عظمت وسطوت کی یاد اسے کسی لمحہ چین نہیں لینے دیتی تھی، اضطراب یہاں تک بڑھا کہ اس نے آخر کار بھاگنے کا عزم کر لیا، لیکن اُس کی اس کوشش کی اطلاع تیمور کو ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اب اسکی نگرانی سختی کے ساتھ کی جانے لگی، تاتاری لشکر جب ایک مقام سے دوسرے مقام کو کوچ کرتا تو تیمور بایزید کو بھی ساتھ لیتا جاتا، لیکن تشہیر سے بچنے کے لئے بایزید ایک پالکی میں سفر کرتا تھا جس پر پردہ پڑا رہتا تھا، اس پالکی میں لوہے کی جالی کا کام تھا جس کی بنا پر مشہور ہوگیا کہ تیمور قیدی سلطان کو لوہے کے پنجرے میں بند رکھتا ہے، اور جہاں جاتا ہے اپنے ساتھ اس پنجرے کو بھی لئے جاتا ہے بہر حال بایزید کے قلب ودماغ پر اپنی قید ورسوائی کا اسقدر جانکاہ اثر پہلے ہی پڑ چکا تھا کہ وہ زیادہ دنوں تک اسے برداشت نہ کر سکا، اور صرف آٹھ مہینے بعد اس کی روح

---

۵ ظفر نامہ از مولانا شرف الدین علی یزدی، جلد دوم ص ۴۳۸-۳۹، کلکتہ سنہ ۱۸۸۸ء،

قفس عنصری اور قفس فولادی دونوں سے بیک وقت آزاد ہو گئی، تیمور کو جب اسکی اطلاع ہوئی، تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، اُس فاتح کشور کشا کے لئے بھی جس نے لاکھوں انسانوں کو قتل کرادیا، اور دل میں تاثر کی خفیف سی لرزش بھی محسوس نہ کی، آل عثمان کے اتنے جلیل القدر سلطان کی یہ عبرت انگیز موت ایک دردناک واقعہ تھی، تیمور نے موسیٰ کو آزاد کر کے بایزید کی نعش شاہانہ احترام کے ساتھ بروصہ کو روانہ کی جہاں وہ سابق تاجدارانِ عثمانی کے پہلو میں سپردِ خاک کردی گئی، خود تیمور بھی اس کے بعد دو ہی سال زندہ رہا،

سلطنت عثمانیہ کا ظاہری خاتمہ

جنگ انگورہ نے صرف بایزید کی زندگی کا خاتمہ نہیں کیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سلطنت عثمانیہ بھی نیست و نابود ہو گئی، تیمور نے ان تمام ترکی امیروں کو جن کی ریاستیں سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلی گئی تھیں، پھر اُن کی حکومتوں پر برقرار کردیا، اور ایشیائے کوچک کا کوئی علاقہ آل عثمان کے ہاتھ میں باقی نہ رہا،

محمد اوّل

۸۱۶ھ تا ۸۲۴ھ، مطابق ۱۴۱۳ء تا ۱۴۲۱ء

سلطنت کی حالت

بایزید کے انتقال کے وقت سلطنت عثمانیہ بظاہر فنا ہو چکی تھی، ایشیائے کوچک عثمانیوں کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا، اس کے کچھ حصے ترکی امیروں کے قبضہ میں واپس جا چکے تھے، اور کچھ ابھی تک تاتاریوں کے قتل و غارت گری کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے، یورپ میں بھی سلطنت عثمانیہ کے مقبوضات کی حالت امید افزا نہ تھی، بلغاریا، بوسنیا اور ولاچیا کی رعایا بغاوت کے لئے آمادہ تھی اور سلطنت بازنطینی اپنے مقبوضات کو واپس لینے کا حوصلہ کر رہی تھی، لیکن پریشانی اور نا امیدی کے ان حالات میں بھی سلطنت عثمانیہ نے اپنی غیر معمولی قوتِ بقا کا ثبوت دیا، اور دس بارہ سال کی قلیل مدت میں اس نے نہ صرف اپنے تمام قدیم مقبوضات واپس لے لئے بلکہ پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ رونما ہوئی،

تیموری فوجوں نے ایشیائے کوچک کی غارت گری کے بعد دوسری سمت کا رُخ کیا، اُن کے واپس جانے کے بعد ایشیائے کوچک میں ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا، میدان پھر عثمانیوں اور قدیم ترکی امیروں کی قوت آزمائی کے لئے خالی ہو گیا،

شہزادوں کی باہمی جنگ

بایزید کے چھ لڑکوں میں سے پانچ اس کے ساتھ جنگ انگورہ میں شریک تھے، ان میں سے ایک مصطفےٰ نامی غالباً لڑائی میں مارا گیا تھا، دوسرا

موسیٰ بایزید کے ساتھ گرفتار ہوگیا تھا، باقی تین جان بچا کر بھاگ گئے، ان میں سب سے بڑا لڑکا سلیمان وزیر اعظم علی پاشا کو ساتھ لے کر ادرنہ پہونچا اور بایزید کے انتقال کے بعد سلطنت عثمانیہ کے یورپی حصہ کا مالک بن بیٹھا اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کردیا، دوسرا لڑکا عیسیٰ بروصہ آیا اور اس نے وہاں بایزید کی جانشینی کا اعلان کردیا، محمد سب سے چھوٹا لیکن سب سے لائق تھا، وہ ایشیائے کوچک کے شمال مشرق میں اماسیا کے چھوٹے سے علاقہ پر قابض ہوگیا، بایزید کے انتقال کے بعد ان تینوں میں سلطنت کے لئے کشمکش ہونے لگی، کچھ دنوں کے بعد چوتھا بھائی موسیٰ بھی جسے تیمور نے بایزید کی وفات پر رہا کردیا تھا تاج وتخت کے لئے قسمت آزمائی کرنے آگیا،

شروع میں محمد اور عیسیٰ کے درمیان جنگ چھڑی، محمد ایشیائی مقبوضات کو برابر برابر تقسیم کرلینا چاہتا تھا لیکن عیسیٰ پوری سلطنت کا دعویدار تھا، جنگ میں عیسیٰ کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر سلیمان سے مدد طلب کرنے کے لئے یورپ پہنچا، سلیمان عیسیٰ کی حمایت میں فوج لے کر ایشیائے کوچک میں داخل ہوا، ابتدا میں محمد کو دشواری پیش آئی، لیکن بالآخر اس نے موسیٰ کو اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ یورپ میں داخل ہوکر سلیمان کے مقبوضات پر حملہ کردے، یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی، اور سلیمان عیسیٰ کو چھوڑ کر اپنے مقبوضات کی حفاظت کے لئے فوراً یورپ کی طرف روانہ ہوا، عیسیٰ کو شکست ہوئی، اور وہ خدا جانے کہاں غائب ہوگیا، اور پھر کہیں اس کا پتہ نہ چلا،

یورپ میں سلیمان اور موسیٰ کے درمیان جنگ شروع ہوگئی، سلیمان کا برتاؤ اپنی فوج کے ساتھ بہت سخت تھا اور سپاہیوں میں اس کی طرف سے عام بیزاری پھیلی ہوئی تھی، اس کی سختی سے عاجز آکر فوج باغی ہوگئی، اور اسے قتل کردیا، سلیمان کے قتل کے

بعد موسیٰ ادرنہ کے تخت کا مالک بن بیٹھا، اور اس نے اپنے سلطان ہونے کا اعلان کردیا،
اس کے بعد موسیٰ نے قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاری شروع کی شہنشاہ نے محمد سے مدد کی درخواست
کی اور محمد اپنی ترکی فوج اور سرویا کے ایک دستہ کے ساتھ شہنشاہ کی مدد کے لئے یورپ
میں داخل ہوا، یہ بھی عجیب منظر تھا، ایک ترکی فوج موسیٰ کی سرکردگی میں قسطنطنیہ کا محاصرہ
کئے ہوئے تھی، اور دوسری محمد کی قیادت میں قسطنطنیہ کی محافظت کر رہی تھی،
آخر کار موسیٰ کو محاصرہ اٹھا کر پسپا ہونا پڑا، محمد نے اس کا تعاقب کیا، سرویا کی سرحد
پر دونوں فوجیں ایک دوسرے سے بہت قریب پہونچ گئیں اور جنگ کی نوبت آنے والی
ہی تھی کہ موسیٰ کے فوجی سرداروں نے جو اس سے بہت نالاں تھے بغاوت کا اعلان
کردیا، اور پوری فوج محمد سے جا ملی، موسیٰ زخمی ہو کر بھاگا، اور تلاش کے بعد اس کی نعش
ایک دلدل میں پائی گئی،

محمد کی تخت نشینی تختِ سلطنت کے لئے محمد کا کوئی حریف اب باقی نہیں رہا، اس کے سلطان
ہونے کا اعلان کیا گیا، اور ایشیا اور یورپ کی تمام رعایا نے اس کا خیر مقدم کیا، بحیثیت
سلطان کے اس نے صرف آٹھ سال حکومت کی، لیکن اس مختصر مدت میں بھی اس نے
غیر معمولی اہلیت کا ثبوت دیا، اس نے نہ صرف اپنی سلطنت کے انتشار کا خاتمہ کیا، بلکہ
اپنی خداداد فوجی اور آئینی قابلیت سے دولت عثمانیہ کو ویسا ہی طاقتور اور مستحکم بنادیا
جیسا کہ تیمور کے حملہ سے قبل وہ تھی، سلطنت کے استحکام کے لئے اس نے امن وصلح کو ضروری
سمجھا، اور اس مقصد کو پیش نظر رکھکر گرد وپیش کی تمام مملکتوں سے صلح کے معاہدے کئے،
اس نے بازنطینی سلطنت کے چند مقبوضات شہنشاہ کو واپس کر دیئے اور اس سے آخر وقت
تک صلح قائم رکھی،

لیکن کبھی کبھی اُسے میدانِ جنگ میں آنے کے لئے بھی مجبور ہونا پڑا، اور اُس وقت اُس نے ثابت کر دکھا دیا کہ تدبر اور نظم و نسق کی اہلیت کے علاوہ فوجی قابلیت میں بھی وہ اپنے کسی پیش رو سے کم نہیں ہے، کرمانیہ، کرمیان، اور دوسری ترکی ریاستیں تیمور کے حملہ کے بعد سلطنت عثمانیہ سے آزاد ہو گئی تھیں، محمد نے ان سب کو تاتاریوں کی حمایت سے الگ کر کے دولت عثمانیہ کی فرماں روائی قبول کرنے اور خراج ادا کرنے پر مجبور کیا، امیر کرمانیہ نے کئی بار بغاوت کی، لیکن محمد نے ہر بار اسے شکست دیکر معاف کر دیا، اور صرف اظہارِ اطاعت پر قناعت کر کے اس کی جان بخشی کی، اس نے درویشوں کے گروہ کو جس نے بہت زیادہ طاقت حاصل کر لی تھی، اور آخر میں بغاوت کا اعلان بھی کر دیا تھا شکست دیکر اس فرقہ کا استیصال کر دیا،

ذاتی اوصاف | محمد کے بلند اخلاق اور اعلیٰ اوصاف کی شہادت دینے میں تمام مؤرخین متفق اللفظ ہیں، وہ بے حد کشادہ دل اور منصف مزاج تھا، اپنے وعدوں کو سخت پابندی سے پورا کرتا، اُسکی عدالت میں ہر مذہب، ہر قوم اور ہر فرقہ برابر تھا، اس کی رعایا ہر جگہ خوشحال تھی، عیسائی رعایا کی بہبودی کا اسے خاص طور پر خیال رہتا تھا اور انکے ساتھ وہ کسی قسم کی زیادتی کو روا نہ رکھتا، اس نے ادب کی سرپرستی بڑی فیاضی سے کی، اور اُسی کے مختصر عہدِ حکومت میں شعر و شاعری کا مذاق عثمانیوں میں اوّل اوّل شروع ہوا،

محمد نے اکتالیس[۴۱] سال کی عمر میں ۸۲۴ھ (۱۴۲۱ء) میں وفات پائی، اور بروصہ میں مسجد خضرا سے متصل جسے اُس نے خود تعمیر کرایا تھا، دفن ہوا، یہ مسجد اسلامی طرز تعمیر اور سنگ تراشی کا بہترین نمونہ خیال کی جاتی ہے، محمد نے اس عظیم الشان مسجد کی تعمیر بھی مکمل کرائی، جسے مراد اوّل نے بنوانا شروع کیا تھا، لیکن بایزید کی بے توجہی کی وجہ سے نامکمل رہ گئی تھی اسنے

اپنی مسجد کے قریب ہی دو عمارتیں اور بنوائیں، ایک میں مدرسہ قائم کیا، اور دوسری میں غریبوں کے لئے طعام خانہ،

معیارِ عظمت اگرچہ دولت عثمانیہ کے اول دس فرماں رواؤں میں صرف محمد ہی ایسا تھا جس کے عہد میں سلطنت کی توسیع نہیں ہوئی تاہم جنگ انگورہ کے بعد سلطنت عثمانیہ تباہی کی جس منزل تک پہونچ گئی تھی اور پھر گیارہ سال کی مسلسل خانہ جنگیوں سے جو مزید خطرات پیدا ہو گئے تھے، اُن پر نظر رکھتے ہوئے محمد کا یہ کارنامہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں دکھائی دیتا کہ اس نے سلطنت کے کسی صوبے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، اور گو اُس کے مختصر عہدِ حکومت میں ایشیائے کوچک کی ترکی ریاستوں پر پوری طرح قبضہ نہ ہو سکا پھر بھی اس نے ان سب کو زیر کر کے دولت عثمانیہ کے دامن سے وابستہ رکھا، اُس کو بجا طور پر سلطنت کے بانیوں میں شمار کر سکتے ہیں،

مراد ثانی

سنہ ۸۲۴ھ تا ۸۵۵ھ مطابق سنہ ۱۴۲۱ء تا سنہ ۱۴۵۱ء

مراد اور مصطفیٰ کی جنگ

سلطان محمد اول کی وفات پر اس کا بڑا لڑکا مراد جو ایشیاے کوچک میں سلطان کا قائم مقام تھا، اٹھارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا محمد اول نے اپنے مختصر زمانہ حکومت میں تیموری حملہ کے تمام اثرات مٹا دیئے تھے اور سلطنت کو گویا از سر نو قائم کر کے مستقل و مستحکم بنا دیا تھا لیکن مراد کی نوعمری سے اُن فرماں رواؤں کی ہمتیں بڑھ گئیں، جن کو سلطان مرحوم نے اپنی قوت اور حکمت عملی سے سلطنت عثمانیہ کا حلیف و مطیع بنایا تھا سب سے پہلے شہنشاہ قسطنطنیہ نے اُن تمام احسانات کو فراموش کر کے جو محمد اول نے اُس کے ساتھ کئے تھے، آل عثمان کے ساتھ اپنے قدیم بغض و عناد کی بنا پر مراد کی کمسنی سے فائدہ اٹھانا چاہا، اور مصطفیٰ نامی ایک شخص کو جو اپنے کو سلطان بایزید یلدرم کا لڑکا کہتا تھا اور تخت سلطنت کا دعویدار تھا، مراد کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا، یہ وہی مصطفیٰ تھا جو سلطان محمد اول کے مقابلہ میں بھی آیا تھا، اور بالآخر شکست کھا کر قسطنطنیہ میں پناہ گزیں ہوا تھا، جس کی نظر بندی کے معاوضہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ سلطان سے ایک کثیر رقم ہر سال پاتا تھا شہنشاہ نے اس معاہدہ کے ساتھ کہ بشرط کامیابی وہ گیلی پولی نیز بحر اسود کے ساحل کے تمام بازنطینی شہر جو سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لئے گئے تھے شہنشاہ کو واپس کر دیگا،

مصطفےٰ کو رہا کر دیا، اور اپنی فوج کے ساتھ قسطنطنیہ سے روانہ کیا، مراد اُس وقت ایشیائے کوچک میں تھا، اُس نے مصطفےٰ کے مقابلہ میں ایک فوج بایزید پاشا کی سرکردگی میں بھیجی، لیکن یورپ میں ترکی افواج کا بیشتر حصہ مصطفےٰ کا طرفدار ہو گیا تھا، بایزید پاشا کو شکست ہوئی، اور وہ مارا گیا، اس کے بعد مصطفےٰ شہنشاہِ قسطنطنیہ کے فراہم کئے ہوئے جہازوں میں دردانیال کو عبور کر کے ایشیائے کوچک میں پہنچا، مراد نے بڑی لیاقت اور شجاعت سے اس کا مقابلہ کیا، اور شکست دی، مصطفےٰ بھاگ کر گیلی پولی میں محصور ہو گیا، مراد نے گیلی پولی کو فتح کر کے مصطفےٰ کو گرفتار کر لیا، اور اس کو سولی دیدی، اس طرح اس آخری فتنہ کا بھی خاتمہ ہو گیا جس کا سلسلہ بایزید یلدرم کی وفات کے بعد اُس کے لڑکوں کی باہمی آویزش اور قوت آزمائی سے شروع ہوا تھا،

قسطنطنیہ کا محاصرہ

مراد نے شہنشاہ کی اس غداری کے جواب میں قسطنطنیہ کو فتح کرنے کا فیصلہ کر لیا، اور ۸۲۵ھ (۱۴۲۲ء) میں اس شہر کے محاصرہ کے لئے بیس ہزار فوج کے ساتھ پہونچ گیا، بازنطینیوں نے نہایت بہادری اور مذہبی جوش کے ساتھ ترکوں کا حملہ روکا، مراد نے اس محاصرہ میں جس غیر معمولی فوجی لیاقت کا ثبوت دیا، اس کی مثال اس عہد کی فوجی تاریخ میں شاذ و نادر ملتی ہے[1]، قوی اُمید تھی کہ بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر رہے گا، لیکن شہنشاہ نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی، جس سے مراد کو مجبوراً محاصرہ اٹھا کر اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے ایشیائے کوچک کا رُخ کرنا پڑا، مراد کا ایک چھوٹا بھائی مصطفےٰ نامی تھا، قسطنطنیہ کے محاصرہ کے وقت وہ ایشیائے کوچک میں تھا، شہنشاہ نے کوشش کر کے اُس کو مراد کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا، امیر کرمانیہ اور امیر کرمیان نے اُس کی مدد کی، اور

[1] کریسی جلد اصؔ ۹۶،

مصطفیٰ نے اُن کی مدد سے ایشیاے کوچک میں مراد کی ایک فوج کو شکست دیکر اپنے سلطان ہونے کا اعلان کردیا، یہ خبر سن کر مراد قسطنطنیہ کا محاصرہ چھوڑ کر فوراً ایشیاے کوچک پہنچا، مصطفیٰ کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ خود گرفتار کرلیا گیا، اس کے گرفتار کرنے والوں نے مراد کے علم و اجازت کے بغیر اسی وقت اس کو سولی پر چڑھادیا،

ترکی ریاستوں کی اطاعت | اس فتنہ کو فرو کرنے کے بعد مراد ایشیاے کوچک کی اُن ترکی ریاستوں کی طرف متوجہ ہوا جو تیموری حملہ کے بعد سلطنت عثمانیہ سے بالکل آزاد ہوگئی تھیں، اور اُس کی بیخ کنی کی ہر ممکن کوشش کرتی رہتی تھیں، امیر کرمانیہ ان سب میں پیش پیش تھا، مراد کے خلاف مصطفیٰ کو کھڑا کرنے میں بھی زیادہ تر اُسی کا ہاتھ تھا، اس کا یہ طرز عمل اُس قدیم عناد پر مبنی تھا، جو آل عثمان اور کرمانیہ کے درمیان ابتدا سے چلا آتا تھا، چنانچہ مراد نے اس کی سرکوبی کے لئے کرمانیہ پر حملہ کیا، اور محمد بک کو قتل کرکے اسکے لڑکے ابراہیم کو وہاں کا امیر بنایا، اُس نے کرمانیہ کو اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا، بلکہ صرف اُس کے باجگذار ہونے پر قناعت کی، یہی معاملہ اس نے دوسری ریاستوں مثلاً کرمیان، قسطمونی، منتشا، صاروخان اور حمید وغیرہ کے ساتھ بھی کیا، اور ان سب کو سلطنت عثمانیہ کا مطیع و باجگذار بنالیا، اس طرح ایشیاے کوچک میں آل عثمان کا وہی اقتدار پھر قائم ہوگیا جو جنگ انگورہ سے پہلے تھا، امیر قسطمونی باجگذار ہونے کے علاوہ اپنی نصف ریاست سے بھی سلطان کے حق میں دست بردار ہوگیا، اور اپنی بیٹی اُسکے نکاح میں دیدی،

۸۳۱ھ (۱۴۲۸ء) میں امیر کرمیان لاولد مرگیا، اس کی وصیت کے مطابق ریاست کرمیان سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلی گئی،

شہنشاہ سے صلح اور چند جدید مقبوضات | ایشیاے کوچک میں امن قائم کرنے کے بعد مراد ۸۲۷ھ

(۱۴۲۴ء) میں یورپ کو واپس ہوا، اس درمیان میں شہنشاہ مینوئل کا انتقال ہو چکا تھا، اور اُس کی جگہ اُس کا لڑکا جان پلیولوگس قسطنطینہ کا فرماں روا تھا، مراد نے دوبارہ قسطنطینہ کا محاصرہ نہیں کیا، بلکہ جان سے صلح کرلی، جان نے تیس ہزار دوکات سالانہ خراج دینے کا معاہدہ کیا، اور سیلمبریا اور درکوس کے سوا زیتون اور تمام دوسرے یونانی شہر جو دریائے اسٹرانیا اور بحراجم کے ساحل پر باقی رہ گئے تھے، سلطان کے حوالے کردیئے، یوں بازنطینی سلطنت کا خاتمہ چند دنوں کے لئے اور ملتوی ہو گیا،

سالونیکا کی فتح

سالونیکا بازنطینی سلطنت کا ایک مشہور اور نہایت اہم شہر تھا، گذشتہ سو سال کے اندر یہ تین بار ترکوں کے قبضہ میں آیا لیکن کچھ دنوں کے بعد ہر بار یونانیوں نے اسے واپس لے لیا، شہنشاہ جان کے دورِ حکومت میں اس کا حاکم شہنشاہ کا بھائی اینڈرونیکس تھا، اینڈرونیکس نے غداری کرکے اس شہر کو وینس کے ہاتھ فروخت کردیا، چونکہ یہ مقدونیا کا ایک اہم شہر تھا او[ر] اس سے قبل تین بار ترکوں کے قبضہ میں رہ چکا تھا، اس لئے مراد نے اس معاملۂ بیع کی مخالفت کی اور ۸۳۳ھ (۱۴۳۰ء) میں سالونیکا کو بزور شمشیر فتح کرکے مع اس کے ملحق علاقہ کے سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا،

سرویا کی فتح

سالونیکا کی فتح کے بعد مراد اپنی سلطنت کی شمالی مغربی سرحد کی جانب متوجہ ہوا، ۸۳۰ھ (۱۴۲۷ء) میں اسٹیفن لازاریویچ شاہ سرویا کا انتقال ہو گیا، اور اس کی جگہ جارج برینکوویچ تخت نشین ہوا، اسٹیفن اُس معاہدہ کے مطابق جو اس نے جنگ کسووا کے بعد بایزید یلدرم سے کیا تھا، ہمیشہ سلطنت عثمانیہ کا ایک وفادار حلیف رہا، اُس نے اپنی بہن شاہزادی ڈسپینا کو بایزید کے نکاح میں دے کر اس تعلق کو اور زیادہ مضبوط کردیا تھا، لیکن جارج کو مراد کے ساتھ کوئی ذاتی تعلق نہ تھا، اور اس نے تخت نشینی کے بعد ہی سرویا میں ترکوں کے

اقتدار کی مخالفت شروع کر دی، اُس نے ترکوں کے خلاف ہنگری سے باہمی امداد کا ایک معاہدہ کیا اور دریائے ڈینوب کے ساحل پر سمندریا میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا، مراد نے جارج کے معاندانہ ارادوں سے واقف ہو کر اس قلعہ کا مطالبہ کیا، اور انکار پر جارج کے مقابلہ کیلئے بڑھا، سرویا کو شکست ہوئی اور پورے ملک پر ترکی افواج کا قبضہ ہو گیا، ۸۴۴ھ (۱۴۴۰ء) میں سرویا تمام تر ترکوں کے تسلط میں آگیا[1]۔

عیسائی حکومتوں میں ایک نئی تحریک

ہنگری کو جنگ انگورہ کے بعد سلطنت عثمانیہ سے آزادی کا موقع مل گیا تھا، اور وہ رفتہ رفتہ استحکام حاصل کرتا جاتا تھا، مراد کے ابتدائی دور حکومت میں وہ اتنی قوت حاصل کر چکا تھا کہ ترکی حملہ کی مدافعت کر سکے، سرویا پر ترکوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد ہنگری کے سرحدی علاقوں میں دونوں سلطنتوں کے درمیان اکثر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں، اہل بوسینا بھی ترکوں کی قربت سے خائف تھے، البانیا کو اپنی آزادی کی طرف سے خطرہ تھا، اور ولاچیا جو سلطنت عثمانیہ کا باجگذار تھا اپنی خود مختاری کے لیے بیتاب تھا، تاہم مراد کی تخت نشینی سے تقریباً بیس سال بعد تک ان مختلف عیسائی حکومتوں کے درمیان کوئی اتحاد قائم نہ ہو سکا، اور ان میں سے ہر حکومت علٰحدہ علٰحدہ مراد سے جنگ و صلح کرتی رہی، لیکن جب ۸۴۴ھ (۱۴۴۰ء) میں لاڈسلاس شاہ پولینڈ، ہنگری کے تخت پر بیٹھا تو سلطنت عثمانیہ کے دشمنوں کی قوت بہت کچھ بڑھ گئی، اور ایک متحدہ مقابلہ کا حوصلہ ان میں پیدا ہوا، اس حوصلہ کا محرک حقیقۃً ایک فوجی سردار ہونیاڈے نامی تھا، جو حال ہی میں مغربی یورپ سے واپس آیا تھا اور جس کی غیر معمولی شجاعت کا شہرہ تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا، ہونیاڈے نے ہنگری پہونچ کر ترکوں کے مقابلہ کا بیڑا اٹھایا، اور بیس سال

---

[1] بلقان از ملر ص ۲۹۱،

تک برابر سلطنت عثمانیہ سے جنگ کرتا رہا،

بلغراد

۸۴۶ھ (۱۴۴۲ء) میں مراد کو بلغراد کے حملہ سے ناکام واپس ہونا پڑا، یہ دریائے ڈینوب کے ساحل پر سرویا کا ایک نہایت اہم شہر تھا، لیکن ۸۳۰ھ (۱۴۲۷ء) سے ہنگری کا مقبوضہ تھا، ہنگری میں داخل ہونے کے لئے اس شہر کی فتح ناگزیر تھی، مراد نے اسی خیال سے اس کا محاصرہ کیا لیکن ہنگری کے عزم و استقلال کے مقابلہ میں آخرکار اسے شکست کھاکر پسپا ہونا پڑا،

ہونیاڈے کی کامیابی

اسی زمانہ میں عثمانی جنرل مزید پاشا ٹرانسلوینیا میں ہرمان اسٹاٹ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا، ہونیاڈے اس قلعہ کی مدد کے لئے بڑھا، اور ایک مختصر فوج کے ساتھ ترکوں کے عظیم الشان لشکر کو شکست دی، اس معرکہ میں بیس ہزار ترک مارے گئے ہونیاڈے نے مزید پاشا اور اس کے لڑکے کو اپنے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کرادیا، اُس کی لہو کی پیاس کسی طرح بجھتی ہی نہ تھی، مقتولوں کی چیخ اور تڑپ میں اُسے خاص لذت محسوس ہوتی تھی، چنانچہ اس فتح کے بعد جب وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر دسترخوان پر بیٹھا تو اسی وقت ترک قیدیوں کو سامنے بلاکر سب کو نہایت بیدردی سے قتل کرادیا، ہر فتح کے بعد جو دعوت ہوتی تھی اس میں مہمانوں کو یہ خونیں تماشا بھی ضرور دکھایا جاتا تھا، یہ ہونیاڈے اور ترکوں کا پہلا مقابلہ تھا، مراد نے اس شکست کی خبر سنکر اسّی ہزار کی ایک دوسری فوج شہاب الدّین پاشا کی سرکردگی میں روانہ کی، واذاگ کے مقام پر مقابلہ ہوا اور ہونیاڈے نے عثمانی لشکر کو پھر شکست دی،

صلیبی اتحاد

ہونیاڈے کی شاندار کامیابی اور ترکوں کی پے درپے شکستوں سے یورپ کی تمام حکومتوں میں امید کی ایک لہر دوڑ گئی، اور یورپ سے ترکوں کو نکال دینے کیلئے

ایک زبردست عیسائی اتحاد قائم کرلیا گیا، شاہ لاڈسلاس جو اس وقت ہنگری اور پولینڈ دونوں مملکتوں کا فرماں روا تھا، اس تحریک کا روح و رواں تھا، اس اتحاد میں ہنگری، پولینڈ، ولاچیا اور بوسنیا کی حکومتیں اپنی پوری قوت کے ساتھ شریک ہوئیں، سرویا بھی جو اسٹیفن کے عہد میں عثمانیوں کا نہایت وفادار حلیف تھا اب اس کے جانشین جارج برینکوویچ کی سرکردگی میں اتحادیوں کی صف میں شامل ہوگیا، فرانس اور جرمنی نے مبارزین کی ایک کثیر فوج بھیجی، ان کے علاوہ یورپ کے ہر ملک سے ایک بڑی تعداد سپاہیوں کی خود آکر شریک ہوئی، لیکن سب سے زیادہ جوش پوپ نے دکھایا، اس نے اپنے نمایندہ کارڈنیل جولین سیزارینی (Julian Cesarini) کو ایک مسلح فوج کے ساتھ روانہ کیا، اور یورپ کے ہر حصہ سے اس جنگ کے لئے ایک کثیر رقم فراہم کر کے بھیجی، حقیقۃً یہ ایک صلیبی جنگ تھی جو عیسائیت کے مذہبی جوش نے اسلام کے خلاف چھیڑی تھی، جمہوریہ وینس اور جمہوریہ جنوا نے بھی اپنے بحری بیڑوں سے مدد کی، اور چونکہ عثمانیوں کے پاس اُس وقت تک کوئی بحری فوج نہ تھی اس لئے خیال تھا کہ مراد کی خاص فوجیں ایشیائے کوچک سے جہاں وہ امیر کرمانیہ سے جنگ میں مصروف تھیں یورپ میں منتقل نہ کی جا سکیں گی، اتحادی افواج بظاہر شاہ لاڈسلاس کے زیر کمان تھیں، لیکن دراصل ان کا سردار ہونیاڈے تھا، جو اس وقت مسیحی دنیا کا سب سے بڑا جنرل خیال کیا جاتا تھا،

ترکوں کی شکست

مراد اس وقت کرمانیہ کی بغاوت کے سلسلہ میں ایشیائے کوچک میں تھا، اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر عیسائی لشکر نے ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) میں دریائے ڈینوب کو عبور کیا، اور نیش کے مقام پر عثمانی فوج کو شکست دی، اس کے بعد ہونیاڈے نے صوفیا پر قبضہ کرلیا، اور پھر کوہ بلقان کو عبور کر کے فلپوپولس پر حملہ کی تیاری شروع کی، کوہ بلقان کے

دامن میں ترکوں نے ایک بار اور مقابلہ کیا لیکن اس مرتبہ بھی اُن کو شکست ہوئی، عیسائیوں کے لئے میدان اب خالی تھا، مسلسل فتوحات سے ان کی ہمتیں بڑھی ہوئی تھیں، مراد ایشیائے کوچک میں تھا، اور پیہم شکستوں نے ترکی فوج کو بہت کچھ کمزور کر دیا تھا، باایں ہمہ ہونیاڈے نے اُس مقصد کے خلاف جسے پیش نظر رکھ کر عیسائی حکومتوں کا یہ اتحاد قائم کیا گیا تھا، واپسی کا عزم کیا اور اپنی کامیابیوں کی داد لینے کے لئے پوری فوج کے ساتھ بودا کو واپس چلا گیا،

صلحنامہ زیجیڈین

مراد نے ہونیاڈے کا تعاقب کرنے کے بجائے اتحادیوں سے صلح کر لینا زیادہ مناسب خیال کیا، کارڈنیل جولین صلح کا مخالف تھا لیکن طویل گفت وشنید کے بعد بالآخر ۲۶ ربیع الاول ۸۴۸ھ (۱۲ جولائی ۱۴۴۴ء) کو زیجیڈین (Szegeddin) کے مقام پر ایک صلحنامہ مرتب ہوا جس کے رو سے سرویا سلطنت عثمانیہ سے آزاد کر دیا گیا، اور ولاچیا ہنگری کو دیدیا گیا، اس کے علاوہ مراد نے ساٹھ ہزار دوکات عثمانی جنرل محمد چلپی کا فدیہ ادا کیا، جو گذشتہ جنگ میں عیسائیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا تھا، یہ صلح دس سال کے لئے کی گئی، اس پر پابند رہنے کے لئے لاڈسلاس نے انجیل اور مراد نے قرآن کو ہاتھ میں لے کر قسم کھائی،

مراد کی تخت سے کنارہ کشی

ایشیائے کوچک میں امن پہلے ہی قائم ہو چکا تھا، اس صلحنامہ سے یورپ کی جنگ کا بھی بظاہر خاتمہ ہو گیا، اور مراد کو ایک گونہ اطمینان حاصل ہوا، بیس بائیس سال کی مسلسل لڑائیوں نے اس کو اب امور سلطنت کی طرف سے دل برداشتہ کر دیا تھا، اور وہ چاہتا تھا کہ بقیہ زندگی سکون کے ساتھ گذار دے، صلحنامہ زیجیڈین کے تکملہ کے بعد جب وہ ایشیائے کوچک میں واپس گیا، تو اسے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ علاء الدین کی وفات کی خبر معلوم ہوئی، یہ شہزادہ نہایت لائق اور بہادر تھا، مراد کو اس کی وفات کا بیحد رنج ہوا، اور اس نے سلطنت سے مستقل طور پر کنارہ کش ہو جانے کا فیصلہ کر لیا،

چنانچہ اپنے دوسرے لڑکے محمد کو جس کی عمر صرف چودہ سال تھی، تخت پر بٹھا کر وہ ریاست ایدین میں چلا گیا،

عیسائیوں کی معاہدہ شکنی، لیکن جس زندگی کی تلاش میں مراد نے تخت چھوڑ کر ایدین کی سکونت اختیار کی تھی وہ حاصل نہ ہو سکی، جوں ہی یہ خبر مشہور ہوئی کہ مراد سلطنت سے کنارہ کش ہو گیا ہے، اور اس کی جگہ نوعمر و ناتجربہ کار محمد تخت نشین ہے، عیسائیوں کے دلوں میں ترکوں کو یورپ سے خارج کر دینے کا حوصلہ ایکبار پھر پیدا ہوا، صلحنامہ زیجیڈین کی تحریر کو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گذرا تھا کہ ہنگری کی مجلس قومی نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کا فیصلہ کر لیا، اس غداری کا اصل محرک کارڈینل جولین تھا، جو پوپ کی پوری تائید کے ساتھ معاہدہ شکنی پر زور دے رہا تھا، شہنشاہِ قسطنطنیہ بھی اس تحریک میں پیش پیش تھا، حالات تمامتر عیسائیوں کے لئے امید افزا تھے، سلطنت عثمانیہ کی زمامِ حکومت ایک نوعمر لڑکے کے ہاتھ میں تھی، ایشیائے کوچک میں امیر کرمانیہ نے پھر بغاوت شروع کر دی تھی، اور عثمانی فوجیں اس کے فرو کرنے میں مصروف تھیں، دردانیال پر جنوا، وینس اور برگنڈی کے بحری بیڑوں کا قبضہ تھا، جن کی موجودگی میں ترکی افواج کا ایشیائے کوچک سے یورپ میں آنا محال تھا، پھر بھی لاڈسلاس شاہ ہنگری کو صلحنامہ کی خلاف ورزی کرنے میں تامل تھا، لیکن کارڈینل جولین نے اپنے مذہبی اثر سے کام لے کر اس کو مجبور کر دیا، اور بادشاہ کے ضمیر کو اس فتویٰ سے مطمئن کر دیا کہ غیر عیسائیوں کیساتھ معاہدہ کی پابندی نہیں کرنی چاہئے،[۱] ہنگری کی مجلس قومی کے بعض ارکان کی مخالفت بھی اسی فتویٰ سے دبا دی گئی، اور جولین نے مجلس میں اعلان کیا کہ اس فتویٰ میں خود پوپ کی تائید بھی شامل ہے، اس نے مجلس کو مخاطب کر کے کہا: کیا تم اس موقع پر ان امیدوں کو توڑ دو گے، جو لوگوں نے تمہارے ساتھ قائم کر رکھی

ہیں اور اس خوش بختی سے فائدہ نہ اٹھاؤ گے جو تمہیں نصیب ہوئی ہے،؟ تمہارا عہد و پیمان تمہارے خدا اور تمہارے مسیحی بھائیوں کے ساتھ ہے، اور وہ سابق معاہدہ اُس ناعاقبت اندیشانہ اور مخالفِ مذہب عہد کو ساقط کر دیتا ہے، جو مسیحؑ کے دشمنوں سے باندھا گیا ہو، دنیا میں اس کا نائب پاپائے روما ہے، جس کی اجازت کے بغیر تم نہ کوئی وعدہ کر سکتے ہو اور نہ اسے پورا کر سکتے، اُس کی طرف سے میں تم کو دروغ حلفی سے بری الذمہ کرتا ہوں، اور تمہاری فوج کو برکت دیتا ہوں، شہرت اور نجات کی راہ پر میرے پیچھے پیچھے چلو، اور اگر اب بھی تمہیں کچھ پس و پیش ہے تو میں اس گناہ کا وبال اپنے سر لیتا ہوں[۱]" ابتدا میں ہونیاڈے نے بھی معاہدہ زیجیڈین کی خلاف ورزی سے اختلاف کیا، لیکن جب یہ وعدہ کیا گیا کہ بلغاریا کو ترکوں سے فتح کرنے کے بعد اُسے وہاں کا بادشاہ بنا دیا جائے گا، تو وہ راضی ہو گیا، البتہ اُس نے یہ شرط کی کہ معاہدہ شکنی کا اعلان یکم ستمبر تک ملتوی کر دیا جائے، یہ شرط اس وجہ سے نہ تھی کہ اسے اب بھی کچھ تامل باقی تھا، بلکہ اس خیال سے پیش کی گئی تھی کہ اس وقت تک اتحادی صلحنامہ سے پورا فائدہ اٹھا لیں، اور اُن تمام قلعوں اور علاقوں پر قابض ہو جائیں جنھیں ترک معاہدہ کے مطابق دیانتداری کے ساتھ خالی کر رہے تھے، شاہ سرویا کو اُس کی سلطنت میں اضافہ کا لالچ دیا گیا، اور وہ بھی معاہدہ شکن اتحادیوں کے ساتھ ہو گیا،

لین پول لکھتا ہے کہ جس طریقہ سے یہ غداری عمل میں لائی گئی، اُس سے زیادہ معیوب بات یورپ کے سورماؤں اور ایک بڑے سپہ سالار کی شہرت کے لئے تصوّر میں بھی نہیں آسکتی جس وقت عثمانی دستے مذکورۂ بالا قلعوں اور علاقوں سے نکل آئے

۱؎ گبن جلد ۴ ص ۴۶۲،

اور اتحادیوں نے صلحنامہ سے پوری طرح فائدہ اٹھالیا، شاہ لاڈسلاس کارڈینل جولین، اور ہونیاڈے یکم ستمبر کو بیس ہزار فوج کے ساتھ سلطنت عثمانیہ پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوئے، ترک اس فریب سے بالکل بے خبر تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد قلعے اُن کے ہاتھوں سے نکل گئے، قلعوں کے ترکی دستے یا قتل کردیئے گئے یا چٹانوں سے گرا گر ہلاک کر دئیے گئے، بحر اسود کے ساحل پر پہونچ کر حملہ آوروں نے جنوب کا رُخ کیا، اور کئی اہم مقامات کو فتح کرتے ہوئے وارنا پہونچے، اور اس مشہور شہر کا محاصرہ کرلیا، یہاں بھی ترک اس اچانک حملہ کے لئے بالکل تیار نہ تھے، مجبوراً انھیں ہتھیار ڈال دینے پڑے، اور وارنا پر بھی عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا،

جنگ وارنا اس درمیان میں دولت عثمانیہ کے بہی خواہوں نے ان واقعات کی خبر سن کر مراد سے گذارش کی کہ یہ وقت گوشۂ عزلت سے نکل کر میدانِ جنگ میں آنے کا ہے، ورنہ شہزادہ محمد کی نوعمری اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھا کر دشمن بڑھتے آئیں گے، چنانچہ مراد بہ عجلت تمام چالیس ہزار جنگ آزمودہ سپاہیوں کو لے کر اتحادیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا، دردانیال پر عیسائی بیڑوں کا قبضہ تھا، لیکن اس نے جنوا کے جہازوں کو فی سپاہی ایک دوکات کی شرح سے محصول ادا کرکے اپنی پوری فوج کو یورپ میں منتقل کر دیا، اتحادیوں کو مراد کی آمد کا گمان بھی نہ تھا، کہ اچانک انھیں اس کے قریب پہونچنے کی اطلاع ملی، مراد نے وارنا سے چار میل کے فاصلہ پر اپنے خیمے نصب کر دئیے اور جنگ کی تیاری کرنے لگا،

ہونیاڈے کو سابق کامیابیوں کی بنا پر اپنی فتح کا پورا یقین تھا، چنانچہ اس نے مجلس حربی کے بعض اراکین کا یہ مشورہ بھی قبول نہ کیا کہ لشکرگاہ کے گرد ناکہ بندی کرکے مراد

کے حملہ کا انتظار کرنا چاہیے بلکہ خود ہی مراد پر حملہ کرنے کے لیے پوری فوج کے ساتھ چل کھڑا ہوا، ۲۶ رجب ۸۴۸ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۴۴۴ء کو دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں، عیسائی فوج کے یمین ویسار میں ہنگری اور ولاچیا کے بہترین دستے تھے ہنگری کے دستوں کے ساتھ کارڈینل جولین کی سرکردگی میں صلیبی مجاہدوں کی ایک خاص جماعت بھی تھی، لاڈسلاس شاہی دستہ اور ہنگری اور پولینڈ کے نوجوان امرار کو لیکر قلب لشکر کو قوت پہونچا رہا تھا، ہونیاڈے پوری فوج کا سپہ سالار اعظم تھا، ترکوں کی طرف پہلی دو صفیں بے ضابطہ سوار اور پیدل فوجوں کی تھیں، داہنے بازو کی کمان رومیلیا کے بیلر بے کے ہاتھ میں اور بائیں بازو کی اناطولیہ کے بیلر بے کے ہاتھ میں تھی، ان صفوں کے پیچھے مرکز میں خود سلطان مراد کے زیر کمان ینی چری اور شاہی سوار دستے تھے، ایک اونچے نیزہ کے سرے پر صلحنامہ زجیدین کی نقل فوجی نشان کی طرح ہوا میں لہرا رہی تھی، اور بقول کریسی اُس منتقم حقیقی کو پکار رہی تھی، جو لوگوں کو نقض عہد کی سزا دیتا ہے، لڑائی شروع ہونے کے قریب ہی تھی کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے عیسائیوں کے دلوں میں بدشگونی کا خطرہ پیدا ہو گیا، دفعۃً ہوا کا ایک سخت جھونکا آیا اور اُن کے تمام علم سوائے بادشاہ کے علم کے زمین پر گر گئے،

ابتدا میں عیسائیوں کا حملہ بہت کامیاب رہا، ترکوں کی پہلی دو صفوں کے قدم اکھڑ گئے، اور فوج میں اتنا انتشار پیدا ہوا کہ مراد کو اپنی شکست کا یقین ہونے لگا، زندگی میں پہلی اور آخری بار صبر و استقلال کا سررشتہ ایک لمحہ کے لئے اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، اور اس نے گھوڑا موڑ کر بھاگنے کا قصد کیا، لیکن اناطولیہ کے بیلر بے نے جو قریب ہی تھا بڑھ کر لگام پکڑ لی اور عرض کی کہ ابھی مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں، مراد کو بھی تنبہ ہوا اور

اُس نے فوراً گھوڑا روک کر ینی چری کو ہمت دلانا شروع کی، دیکھتے دیکھتے جنگ کا نقشہ بدل گیا، ینی چری نے پے در پے اتنے سخت حملے کیئے کہ عیسائی پسپا ہونے لگے، لاڈسلاس نہایت بہادری سے لڑ رہا تھا لیکن اُس کا گھوڑا زخمی ہو کر گرا اور بعض ینی چری سپاہیوں نے اُسے گھیر کر گرفتار کر لیا، لاڈسلاس نے خواہش کی کہ اسے قید کر لیا جائے، مگر ترکوں میں عیسائیوں کی معاہدہ شکنی سے اس درجہ برہمی پھیلی ہوئی تھی کہ انھوں نے اس کی خواہش پر مطلق توجہ نہ کی، ایک پرانے ینی چری خواجہ خیری نے فوراً اس کا سر کاٹ کر ایک نیزے پر رکھا اور نیزے کو بلند کر کے عیسائیوں کی طرف بڑھا، امرائے ہنگری کے دل اس منظر کو دیکھتے ہی بیٹھ گئے اور وہ نہایت بدحواسی کے عالم میں میدان چھوڑ کر بھاگے، ہونیاڈے نے تھوڑی دیر جم کر مقابلہ کیا، اور اس بات کی کوشش کرتا رہا کہ کم سے کم لاڈسلاس کا سر ترکوں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لے، مگر اُسے کامیابی نہ ہوئی، اور آخر کار وہ بھی بقیہ عیسائی دستوں کے ساتھ بمشکل جان لے کر بھاگا، لیکن اس سے قبل اتحادی فوجوں کا دو ثلث حصہ قتل ہو چکا تھا، شاہ لاڈسلاس کے علاوہ مقتولین میں دو مشہور بشپ اور بعض نہایت ممتاز فوجی افسر بھی تھے لیکن سب سے زیادہ عبرت انگیز نعش کارڈینل جولین کی تھی، جو معاہدہ زیجیدین کی شکست کا خاص محرک اور عیسائیوں کی ہلاکت کا اصلی سبب تھا جس گناہ کو اپنے سر لے کر اس نے ہنگری کی قومی مجلس کو عثمانی مقبوضات پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا تھا اُس کی نعش اس کے وبال کا ایک ایسا مرقع تھی جو مکافاتِ عمل کے خدائی قانون کو فاتح و مفتوح دونوں کے سامنے مجسم شکل میں پیش کر رہا تھا،

اس جنگ کے نتائج جنگ وارنا کے بعد ہنگری پر ترکوں کا قبضہ تو فوراً نہ ہو سکا لیکن سرویا اور بوسنیا کی مملکتیں مکمل طور پر فتح کر لی گئیں، یہ دونوں جو یونانی کلیسا سے وابستہ تھیں،

دولت عثمانیہ کے زیر تسلط آنا بھی چاہتی تھیں کیونکہ ہونیاڈے کی کامیابی کی صورت میں انھیں بجبر لاطینی کلیسا میں داخل کرنے کی دھمکی دی گئی تھی، سرویا کا مورخ رانکی (Ranke) نقل کرتا ہے کہ ایک بار جارج برنیکوویچ نے ہونیاڈے سے دریافت کیا کہ اُسے کامیابی حاصل ہوئی تو مذہب کے متعلق اس کا رویہ کیا رہیگا، ہونیاڈے نے جواب دیا کہ میں سرویا کو رومن کیتھولک مذہب قبول کرنے پر مجبور کروں گا، اس کے بعد برنیکوویچ نے یہی سوال مراد سے کیا، اُس نے جواب دیا کہ میں ہر مسجد کے پاس ایک گرجا بنوادوں گا، اور لوگوں کو پوری آزادی حاصل ہوگی کہ اپنے اپنے مذہب کے مطابق خواہ مسجد میں جاکر عبادت کریں خواہ گرجا میں، اسی طرح کلیسائے رومہ کی مذہبی تعدیوں نے بوسنیا کی تسخیر میں بھی ترکوں کی مدد کی اور آٹھ روز کے اندر بوسنیا کے ستر قلعوں نے عثمانی فوجوں کے لئے اپنے پھاٹک کھول دیئے، بوسنیا کا شاہی خاندان مٹ گیا، اور اس کے بہت سے ممتاز امراء اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے[1]،

ینی چری کی بغاوت اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد مراد نے تاج و تخت پھر شہزادہ محمد کے حوالے کیا، اور ایدین کی پرکیف فضا میں علماء و مشائخ کی صحبتیں دوبارہ شروع ہوئیں، لیکن اب کی بار بھی یہ عزلت پسندی راس نہ آئی، وارنا کی شکست نے عیسائیوں کی قوت کو تو بالکل توڑ دیا تھا، اور سلطنت عثمانیہ کو اب کسی خارجی خطرہ کا خوف نہ تھا لیکن محمد کی کم سنی سے خود ینی چری نے فائدہ اٹھانا چاہا اور تنخواہ کے اضافہ کا مطالبہ پیش کیا، محمد کے انکار پر انھوں نے بغاوت کر دی اور ادرنہ میں قتل و غارت کا بازار ایسا گرم کیا کہ وزرائے سلطنت نے مجبور ہو کر مراد سے بمنت استدعا کی کہ زمام حکومت اپنے

---

[1] کریسی، جلد ا ص ۱۱۴،

ہاتھ میں لے کر اس فتنہ کو فرو کرے، چنانچہ مراد کو بادل ناخواستہ ایدین کا سکون پرور خلوت پھر چھوڑنا پڑا، اس کے ادرنہ پہونچتے ہی باغیوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور شہر میں امن قائم ہو گیا، دوبارہ کے تجربہ سے مراد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ محمد میں ابھی سلطنت کے سنبھالنے کی کافی قابلیت پیدا نہیں ہوئی، چنانچہ اُس نے پھر تخت چھوڑنے کا قصد نہیں کیا، بلکہ بقیہ زندگی امورِ سلطنت کے سرانجام دینے میں گذار دی، بادشاہوں کے تخت سے دست بردار ہو جانے کی متعدد مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں اُن میں سے بعض کا حالات سے مجبور ہو کر دوبارہ عنانِ سلطنت کو ہاتھ میں لینا بھی ثابت ہے لیکن دوسری بار تخت چھوڑ کر پھر سلطنت کی ذمہ داریوں کو اپنے سر لینا ایک ایسا استثنائی واقعہ ہے جو صرف مراد ثانی کے ساتھ مخصوص ہے، اور جس کی کوئی نظیر تاریخ کے کسی دور میں نہیں ملتی، گبن کے نزدیک مراد کی زندگی اور سیرت کا سب سے زیادہ موثر واقعہ یہی ہے کہ یہ فلسفی سلطان دنیاوی عظمت کی بے حقیقتی سے آگاہ ہو کر چالیس سال کی عمر میں دوبار تخت سے علیحدہ ہو گیں،

موریا

لیکن اب تخت پر آنے کے بعد مراد کی زندگی کے بقیہ چھ سال تقریباً تمام تر میدان جنگ ہی میں گذرے، سب سے پہلے اسے موریا کی طرف توجہ کرنی پڑی، جہاں شہنشاہ قسطنطنیہ کے دو بھائی قسطنطین اور طامس علیحدہ علیحدہ حصوں پر حکمراں تھے، قسطنطین نے اپنے مقبوضات کے تحفظ کے لئے خاکنائے کورنتھ کی قلعہ بندی کی اور ادھر سے اطمینان کر لینے کے بعد تھیبیز (Thebes) کے شہر پر جو اسکی سرحد سے قریب سلطنت عثمانیہ کا مقبوضہ تھا دفعۃً حملہ کر کے قبضہ کر لیا، اس واقعہ کی اطلاع پا کر مراد فوراً موریا کی طرف روانہ ہوا، کورنتھ کا مضبوط قلعہ اس کی راہ میں کسی قدر حائل ہوا، مگر عثمانی توپوں کی گولہ باری کے سامنے وہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا، عثمانی فوج میں توپوں کے استعمال کا یہ پہلا موقع تھا، کورنتھ

کی فتح کے بعد موریا کا راستہ بالکل صاف ہو گیا، اور قسطنطین اور طامس کے لئے اظہار اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہگیا، اُنھوں نے خراج دینا منظور کیا اور موریا بھی دولتِ عثمانیہ کی باجگذار ریاستوں میں شامل کر لیا گیا،

کسووا کی دوسری جنگ | وارنا کی شکست کے بعد ہونیاڈے ترکوں سے انتقام لینے کی تیاریوں میں مصروف رہا، اُس کے دامنِ شہرت پر وارنا کا داغ بہت ہی بدنما تھا، چنانچہ اُس نے چار سال کے اندر اسی ہزار کی ایک زبردست فوج پھر جمع کر لی، اور دریائے ڈینوب کو عبور کر کے سرویا میں داخل ہوا یہاں ہنگری، سرویا اور بوسنیا کی فوجیں متحد ہو کر مراد کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئیں، سرویا اور بوسنیا نے جنگ وارنا کے بعد دولت عثمانیہ کی سیادت قبول کر لی تھی، مگر ہونیاڈے کی کوششوں سے یہ دونوں حکومتیں اپنے معاہدہ سے منحرف ہو گئیں اور مکمل آزادی کی خواہش انھیں مراد کے بالمقابل میدانِ جنگ میں پھر کھینچ لائی، یہ قوت آزمائی کسووا کے اُسی میدان میں ہوئی جہاں تقریباً ساٹھ سال پیشتر مراد اول نے سرویا کی طاقتور سلطنت کو شکست دے کر اسے اپنا مطیع بنا لیا تھا، تین روز کی شدید جنگ کے بعد ۱۸ شعبان ۸۵۲ھ (۱۷ اکتوبر ۱۴۴۸ء) کو مراد نے ہونیاڈے کی متحدہ افواج کو بری طرح شکست دی، کسووا کی اس دوسری عظیم الشان جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرویا کی آزادی سلب کر لی گئی اور وہ چند سال بعد سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا، مراد نے بوسنیا سے سالانہ خراج قبول کرنے پر اکتفا کیا،

اسکندر بک | اس درمیان میں البانیا میں ایک نیا فتنہ پیدا ہو گیا تھا، مراد کے ابتدائی عہدِ حکومت میں البانیا کی ایک ریاست کا امیر جان کستریو (John Castriot) دولت علیہ کا مطیع ہو گیا تھا، اور بطور ضمانت اُس نے اپنے چار لڑکے مراد کی خدمت

یں بھیجدیئے تھے، ان میں سے تین تو بچپن ہی میں انتقال کر گئے، چوتھا لڑکا جارج کستریو زندہ رہا اور اس کی ہونہاری اور فراست نے بہت جلد سلطان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، مراد نے اپنی ذاتی نگرانی میں جارج کو اسلامی اور فوجی تعلیم دلوائی، اور اُس کی لیاقت اور شجاعت سے خوش ہو کر محض اٹھارہ سال کی عمر میں اُسے ایک سنجق کا حاکم بنا دیا، اور اسکندر بک کے لقب سے سرفراز فرمایا، جان کستریو کا جب انتقال ہوا تو مراد نے اُس کی ریاست سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لی، یہ بات اسکندر بک کو بہت ناگوار گذری، لیکن اُس نے ایک عرصہ تک اپنے اندرونی جذبات کو ظاہر نہیں ہونے دیا جب ۸۴۷ھ (۱۴۴۳ء) میں ہونیاڈے کے مقابلہ میں عثمانی فوجوں کو شکست ہوئی تو اسکندر بک نے موقع کو غنیمت سمجھا، اور اپنے باپ کی ریاست پر قبضہ کرنے کیلئے تیار ہو گیا، چنانچہ ایک روز وہ رئیس آفندی یعنی سلطان کے چیف سکریٹری کے خیمہ میں دفعۃً داخل ہوا، اور اُس کے گلے پر خنجر رکھ کر البانیا کے مضبوط شہر آق حصار (جس کا قدیم نام کروئیا Croia تھا) کے ترک افسر کے نام ایک حکمنامہ لکھوا لیا کہ شہر اور اس کے ملحق علاقے بحیثیت گورنر کے اسکندر بک کو دیدیئے جائیں، یہ تحریر حاصل کر لینے کے بعد اُس نے رئیس آفندی کو فوراً قتل کر دیا، اور اُسی وقت البانیا کی طرف روانہ ہو گیا، آق حصار پہونچ کر اس فرمان کے ذریعہ سے وہ شہر پر قابض ہو گیا، اس کے بعد اس نے اپنے ارتداد کا اعلان کیا، اور دین عیسوی کی حمایت اور البانیا کی آزادی کے لئے اپنی خدمات پیش کیں، البانیا کے مختلف جرگوں کے سردار اس کے علم کے نیچے جمع ہونے لگے، ان کی مدد سے اُس نے متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا، اور پھر ایک فاتح کی حیثیت سے اپنے آبائی علاقوں میں داخل ہوا، اس کے بعد تمام قومی امرائنے

اُسے اپنا سردار تسلیم کر لیا، تقریبًا پچیس سال تک وہ ترکوں کا مقابلہ کرتا رہا، البانیا کے پیچ در پیچ پہاڑی دروں کی وجہ سے عثمانی فوجوں کو کھل کر لڑنے کا موقع نہیں ملتا تھا، اور متعدد کوششوں کے باوجود البانیا مراد کی حیات میں پوری طرح مسخر نہ ہو سکا،

مراد کی وفات ۵ محرم ۸۵۵ھ (۹ فروری ۱۴۵۱ء) کو مراد نے ادرنہ میں وفات پائی تجہیز و تکفین قدیم پایہ تخت بروصہ میں ہوئی،

اخلاق و اوصاف مراد کے عدل و انصاف اور شریفانہ اوصاف کا اعتراف اُس کے دشمنوں نے بھی کیا ہے، یونانی مورخین بھی اُس کی فوجی قابلیت کے علاوہ اُسکی اخلاقی عظمت کی شہادت دیتے ہیں، اور اس باب میں ترک مورخین کے ہمنوا ہیں[1]، لارڈ ایورسلے جس کے قلم سے آلِ عثمان کے محاسن کا اعتراف بہت شاذ ہوتا ہے، مراد کے عہدِ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"اُس کی حکومت پر نظر ڈالنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس نے توسیعِ سلطنت کے مقصد سے لڑائیاں لڑیں، تقریبًا ہر جنگ کے لئے وہ مجبور کیا گیا، تین بار امیر کرمانیہ نے اس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا، ہر بار مراد نے اُس کو شکست دی اور کرمانیہ کو صرف ایک باجگذار ریاست بنا لینے پر قناعت کی، اور اس کی آزادی کو فنا کر کے اسے سلطنت میں ضم کر لینے پر اصرار نہیں کیا، یہ دکھایا جا چکا ہے کہ شہنشاہ قسطنطنیہ کا طرزِ عمل کس قدر غدارانہ تھا، اور مراد اس کے مقبوضات کے دائرہ کو تنگ سے تنگ کر دینے میں کس درجہ حق بجانب تھا، اسیطرح سالونیکا پر بھی مراد کا حملہ جب کہ وہ شہر جمہوریہ وینس کے ہاتھ میں تھا بالکل حق بجانب تھا، کیونکہ شہنشاہ قسطنطنیہ کو اسے فروخت کرنے اور یوں ایک غیر حکومت کو وہاں قدم جمانے کی جگہ دینے کا کوئی حق نہ تھا، عثمانی سرحد پر جو

لڑائیاں ہوئیں اُن میں مراد کو اہل ہنگری اور اُن کی حلیف مسیحی طاقتوں کے جارحانہ اقدام سے مجبور ہو کر میدان میں آنا پڑا،[1] اتحادیوں نے تلوار سے فیصلہ چاہا، اور فیصلہ اُن کے خلاف ہوا۔

گبن ایک ترک مورخ کا بیان نقل کرتا ہے:۔

"سلطان مراد نے انچاس سال کی عمر پائی، اور تیس سال، چھ مہینے، آٹھ روز حکومت کی، وہ ایک عادل اور شجاع فرماں روا تھا، نہایت کشادہ دل، مستقل مزاج، عالم، رحمدل، پابندِ مذہب، اور فیاض، وہ اہل علم اور اُن تمام لوگوں سے جو کسی علم یا فن میں کمال رکھتے محبت کرتا، اور اُن کی حوصلہ افزائی کرتا، وہ ایک نیک شہنشاہ اور ایک جلیل القدر سپہ سالار تھا۔ کسی شخص نے مراد سے زیادہ یا اس سے بڑی فتوحات نہیں حاصل کیں، اُس کے عہدِ حکومت میں سپاہی ہمیشہ فتحیاب تھا اور شہری خوش حال، اور مامون، جب وہ کسی ملک کو فتح کرتا تو سب سے پہلے وہاں مسجدیں اور کاروان سرائیں، ہسپتال اور مدرسے تعمیر کراتا، ہر سال وہ ایک ہزار طلائی سکے سادات کی نذر کرتا اور ڈھائی ہزار مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، اور بیت المقدس کے دیندار لوگوں کے لئے بھیجتا۔"

اس کے بعد گبن خود اپنی تحقیق لکھتا ہے:۔

"مراد کے عدل و انصاف اور بردباری کی تصدیق اُس کے طرزِ عمل نیز خود عیسائیوں کی شہادت سے ہوتی ہو جن کا خیال ہے کہ اُس کے عہد کی خوشحالی اور اُس کی پرسکون موت اُس کے غیر معمولی اوصاف کا صلہ تھی، اپنی عمر اور فوجی قوت کے دورِ شباب میں بھی اُس نے شاذ ہی کسی میدانِ جنگ میں قدم رکھا جب تک پہلے دشمنوں کی طرف سے اُس کو جنگ کے لئے کافی طور پر برانگیختہ نہ کیا گیا، دشمن کے مطیع ہو جانے کے بعد

[1] ایورسلے صد ۱۷،

فاتح سلطان اپنے ہتھیار کھول کر رکھدیتا تھا، اور صلحناموں کی پابندی میں اُس کا عہدنا قابل شکست اور مستحکم تھا، حملہ کی ابتدا عموماً اہلِ ہنگری کی طرف سے ہوا کرتی تھی، اسکندربک کے خلاف اسکو اشتعال خود اسکندربک کی بغاوت کی وجہ سے پیدا ہوا، اور کرمانیہ کے غدار امیر کو عثمانی سلطان نے دو بار زیر کیا، اور دونوں مرتبہ معاف کردیا، قبل اس کے کہ وہ موریا پر چڑھائی کرے تھیبیز پر یورپا کا فرماں روا اچانک حملہ کرچکا تھا، جہاں تک سالونیکا کی فتح کا تعلق ہے، بایزید کا پوتا اہل وینس کی تازہ خریداری کو زیر بحث لاسکتا تھا، اور قسطنطنیہ کے پہلے محاصرہ کے بعد سلطان کو پھر کبھی پلیولوگس کی مصیبت، غیر موجودگی یا اذیتوں کی بنا پر سلطنت بازنطینی کے بجھتے ہوئے چراغ کو گل کردینے کی ترغیب نہیں ہوئی۔"[1]

---

[1] گبن جلد ۴ صفحہ ۲۶۰ و ۲۶۱،

محمد فاتح

۸۵۵ھ تا ۸۸۶ھ مطابق ۱۴۵۱ء تا ۱۴۸۱ء

شہزادہ محمد ریاست ایدین میں تھا جب اُسے مراد کی وفات کی اطلاع ملی، وہ فوراً ایک عربی گھوڑے پر سوار ہوا اور یہ کہتا ہوا کہ "جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں میرے ساتھ آئیں" دردانیال کی طرف روانہ ہو گیا، اور اسے عبور کر کے ادرنہ پہنچا، تخت نشینی کے وقت ینی چری کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اُسے انعامات تقسیم کرنے پڑے، جس سے آئندہ کیلئے ایک مثال قائم ہو گئی اور ینی چری میں اپنی اہمیت کا مزید احساس پیدا ہو گیا،

معصوم بھائی کا قتل

زمامِ سلطنت کو ہاتھ میں لینے کے بعد محمد نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے شیر خوار بھائی کو جو سرویا کی شہزادی کے بطن سے تھا آئندہ فتنہ کے خوف سے حوض میں غرق کرا دیا، معصوم بچہ کا یہ قتل عین اُس وقت عمل میں آیا جب غریب و بیکس ماں سلطان کے حکم سے بالکل بے خبر اُس کی تخت نشینی پر دربار میں تہنیت پیش کر رہی تھی،

شہنشاہ قسطنطنیہ سے آویزش:

محمد کی تخت نشینی سے تین سال قبل بازنطینی سلطنت کا آخری فرماں روا قسطنطین یازدہم قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھ چکا تھا، قسطنطین ایک بہادر شہزادہ تھا لیکن محمد کو برافروختہ کرنے میں اُس نے اُسی شدید غلطی کا اعادہ کیا جس کا خمیازہ اُس کے

پیشرو منیوئل کو مراد ثانی کے ہاتھوں بھگتنا پڑا تھا، سلطان بایزید یلدرم کا ایک پوتا اورخاں نامی جو شہزادہ سلیمان کی اولاد سے تھا قسطنطنیہ میں نظر بند تھا اس کے مصارف سلطان کی طرف سے ادا ہوتے تھے قسطنطین نے اس رقم میں اضافہ کا مطالبہ کیا، اور عدم منظوری کی صورت میں اورخاں کو محمد کے مقابل کھڑا کر دینے کی دھمکی دی، اس نے اپنی غلط فہمی سے یہ خیال کیا کہ محمد اب بھی ویسا ہی ناتجربہ کار ہے جیسا کہ چھ سال قبل تھا، اسے معلوم نہ تھا کہ اس قلیل مدت میں نو عمر سلطان کی قوتیں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ترقی پا چکی ہیں، اور اکیس ہی سال کی عمر میں وہ ارادہ کی پختگی، فوجی قابلیت، اور ملکی تنظیم و تدبیر میں اپنے پیشروؤں کا حریف بن چکا ہے، محمد اس وقت ایشیائے کوچک کی بعض شورشوں کے فرو کرنے میں مصروف تھا، اس نے بازنطینی سفرار کو نرمی کے ساتھ جواب دیکر ٹال دیا، لیکن وزیر اعظم خلیل پاشا نے قسطنطین کو اس احمقانہ مطالبہ کے خطرات سے متنبہ کیا، اور سفرا سے کہا کہ "تمہارا جنون قسطنطنیہ کو سلطان کے ہاتھوں میں دے کر رہیگا، یورپ میں اورخاں کے سلطان ہونے کا اعلان کرو، اہل ہنگری کو اپنی مدد کے لئے بلاؤ، جو صوبے تم واپس لے سکتے ہو واپس لے لو، لیکن بہت جلد تم کو بازنطینی سلطنت کا خاتمہ بھی نظر آجائے گا۔"

قسطنطنیہ کی اہمیت، اصل یہ ہے کہ ابتدا ہی سے محمد نے قسطنطنیہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لینے کا تہیہ کر لیا تھا، سینوپ اور طرابزون کے علاوہ قدیم بازنطینی سلطنت کے تمام ایشیائی علاقوں پر عثمانیوں کا قبضہ ہو چکا تھا، یورپ میں بھی صرف قسطنطنیہ اور اسکے مضافات اس سلطنت میں باقی رہ گئے تھے، قیاصرہ کی وہ عظیم الشان سلطنت جو اپنی وسعت اور قوت کے لحاظ سے کبھی دنیا کی تمام سلطنتوں پر فوقیت رکھتی تھی اب تباہی

اور بربادی کی آخری حد تک پہونچ گئی تھی اور جہاں تک وسعت اور قوت کا تعلق تھا گویا فنا ہوچکی تھی، تاہم اس حالت میں بھی قسطنطینہ کا وجود بجائے خود نہایت اہم تھا، اور قصرِ سلطنت کی یہ پہلی اور آخری اینٹ ہنوز اپنی جگہ پر قائم تھی، ترکوں نے جس وقت یورپ کی سرزمین پر قدم رکھا اسی وقت سے اس شہر کو فتح کرنے کا حوصلہ اُن کے دلوں میں راسخ ہوتا گیا، جوں جوں فتوحات کا دائرہ بڑھتا جاتا تھا، ان کے ارادہ میں قوت آتی جاتی تھی، اور بالآخر اس کا پہلا عملی اظہار بایزید یلدرم کے عہد میں ہوا، جب کہ اُس نے آبنائے باسفورس کے مشرقی ساحل پر ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرانے کے بعد قسطنطینہ کا محصرہ شروع کیا، لیکن محاصرہ کو چند ہی روز گذرے تھے کہ تیموری حملہ نے بایزید کو اسے اٹھا لینے پر مجبور کیا، اور جنگ انگورہ کے بعد کچھ دنوں کے لئے قسطنطینہ محفوظ و مامون ہوگیا، مراد ثانی اگرچہ شہنشاہ قسطنطینہ سے آویزش پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن خود شہنشاہ کی غداری نے اسے مجبور کیا کہ سلطنت عثمانیہ کی حفاظت کے خیال سے قسطنطینہ پر قبضہ کرکے ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کا استیصال کردے، مگر سلطنت بازنطینی کے ایام حیات ابھی کچھ اور باقی تھے، اور مراد کو بھی ایشیائے کوچک کی ایک بغاوت کے باعث محاصرہ اٹھا کر شہنشاہ کی اطاعت اور خراج قبول کرنے پر اکتفا کرنا پڑا، تاہم ترکوں کی نظریں اب بھی قسطنطینہ پر جمی ہوئی تھیں، یہ شہر اپنے موقع کے لحاظ سے سلطنت عثمانیہ کا قدرتی پایہ تخت تھا، بحر مارمورا کے دونوں ساحلوں پر عثمانیوں کی حکومت تھی لیکن جب تک قسطنطینہ عیسائیوں کے قبضہ میں رہتا، سلطان کے ایشیائی اور یورپی صوبوں کا درمیانی تعلق کبھی محفوظ نہیں ہوسکتا تھا، لہٰذا علاوہ اُس عظمت وشان کے جو اس تباہی و بربادی کی حالت میں بھی بازنطینی سلطنت

کے پایہ تخت سے وابستہ تھی، خود اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے بھی قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینا سلطان کے لئے ناگزیر تھا، یہ مصالح بجائے خود محمد ثانی جیسے سلطان کو اس مہم پر آمادہ کرنے کے لئے کافی تھے، قسطنطین کی دھمکی نے اُسے اور زیادہ برانگیختہ کر دیا اور اُس نے اپنے دورِ حکومت کے سب سے زیادہ عظیم الشان کارنامے کیلئے تیاریاں شروع کر دیں،

قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریاں،

اس غرض سے کہ قسطنطنیہ کے محاصرہ کے دوران میں اُسے کسی دوسری جانب متوجہ نہ ہونا پڑے، اُس نے پہلے ایشیائے کوچک کی شورشوں کو فرو کیا، اور امیر کرمانیہ سے صلح کر کے اُس کی لڑکی سے عقد کر لیا، اس کے بعد تین سال کے لئے ہونیاڈی سے بھی صلح کر لی جس کی وجہ سے شمالی یورپ کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا، پھر اس نے ایک فوج موریا میں بھیج دی تاکہ شہنشاہ کے بھائی جو وہاں حکومت کرتے تھے قسطنطنیہ کی مدد کرنے سے روک دیئے جائیں، ان تدبیروں سے فارغ ہو کر اُس نے آبنائے باسفورس کے یورپی ساحل اور قسطنطنیہ سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کرانا شروع کیا، یہ قلعہ بایزید یلدرم کے بنوائے ہوئے قلعہ کے جو آبنائے باسفورس کے ایشیائی ساحل پر واقع تھا بالکل مقابل تھا، قسطنطین نے اس قلعہ کی تعمیر کے خلاف احتجاج کیا لیکن بے سود، دورانِ تعمیر میں بعض ترکوں نے چند یونانی کاشتکاروں سے کچھ چھیڑ کی جس نے ایک چھوٹی سی لڑائی کی شکل اختیار کر لی، اور اس میں فریقین کے چند سپاہی مارے گئے، قسطنطین سمجھ چکا تھا کہ یہ تمام تیاریاں در اصل قسطنطنیہ پر حملہ کے لئے ہو رہی ہیں، اُس نے خوفزدہ ہو کر شہر کا پھاٹک بند کرا دیا، اور ایک وفد کے ذریعہ سے محمد ثانی کی خدمت میں ترک سپاہیوں کے طرزِ عمل کی شکایت کی، محمد نے اس شکایت کا جواب اعلانِ جنگ سے دیا، اب سلطنت بازنطینی کی موت و زیست کا مسئلہ آخری فیصلہ کا منتظر تھا،

جدید قلعہ ۸۵۶ھ (۱۴۵۲ء) کے موسم سرما سے قبل تیار ہوگیا، آبنائے باسفورس
اب تمام تر ترکوں کے قبضہ میں تھی، کوئی جہاز بغیر ان کی اجازت کے اسے عبور نہیں کر سکتا
تھا، اس قلعہ کی تعمیر کے بعد محمد جنگ کی دوسری تیاریوں میں مصروف ہوا، اس نے اور نہیں
ڈیڑھ لاکھ فوج جمع کی، لیکن قسطنطنیہ کی فتح کے لئے محض سپاہیوں کی تعداد کافی نہ تھی
خواہ وہ کتنی ہی زیادہ رہی ہو، یہ شہر مثلث نما تھا جس کے دو حصے پانی
سے گھرے ہوئے تھے، شمال میں شاخ زریں اور جنوب میں بحر مارمورا تھا، بری
فوجیں صرف تیسرے حصے سے حملہ کر سکتی تھیں، جو مغرب کی جانب واقع تھا، لیکن اس
کی حفاظت یکے بعد دیگرے تین زبردست دیواریں کر رہی تھیں، جو توپوں کی ایجاد سے
قبل ہر طرح کے حملہ سے محفوظ خیال کیجاتی تھیں، اندر کی دونوں دیواریں بہت موٹی
تھیں، اور ان پر ایک سو سو فٹ کے فاصلہ سے مضبوط برج بنے ہوئے تھے، ان
دیواروں کے درمیان ساٹھ فٹ کا فاصلہ تھا، باہر کی جانب دوسری اور تیسری دیوار
کے بیچ میں ساٹھ فٹ چوڑی ایک خندق تھی، جو سو فٹ گہری تھی، یہ دیواریں پانچویں
صدی عیسوی میں شہنشاہ تھیوڈوسیس ثانی (Theodosius II) نے تعمیر کرائی
تھیں، اور اب تک اکیس ۲۱ محاصروں میں قسطنطنیہ کو دشمنوں کی قدم سے محفوظ رکھ چکی
تھیں، قسطنطنیہ کی فتح کے لئے ضروری تھا کہ ان دیواروں پر کامیابی کے ساتھ گولہ باری
کیجائے، کچھ عرصہ سے ترکوں اور عیسائیوں نے جنگ میں توپوں کا استعمال
شروع کر دیا تھا، لیکن محمد نے مروجہ توپوں کو ناکافی خیال کر کے نہایت عظیم الشان
توپیں بنوائیں، جو اپنی جسامت اور طاقت کے لحاظ سے بے نظیر تھیں، اُربان
(Urban) نامی ایک عیسائی انجینیر نے جو ہنگری کا رہنے والا تھا، اور بازنطینیوں

کی ملازمت سے علیحدہ ہو کر سلطان کی خدمت میں چلا آیا تھا ایک نہایت زبردست توپ ڈھالی، جس کے سنگی گولوں کا قطر ڈھائی فٹ تھا اسکے علاوہ اُس نے اور بھی توپیں بنائیں جو نسبۃً چھوٹی تھیں لیکن زیادہ تیزی کے ساتھ گولے برسا سکتی تھیں، محمد نے قسطنطنیہ کے محاصرہ کے لئے ایک سو اسی جہازوں کا ایک بیڑا بھی تیار کرایا، وہ محاصرہ کی تیاریوں میں حد درجہ منہمک تھا، اور اس کے لئے تمام سامان اپنی ذاتی نگرانی میں فراہم کر رہا تھا۔

مدافعت کی تیاریاں اُدھر قسطنطین بھی مدافعت کی تیاریوں میں اسی قدر مصروف تھا، اُس نے شہر کی دیواروں کی مرمت کرائی، اور جو کچھ رسد ممکن تھی بہم پہونچائی، اس کے بعد اُس نے مغربی یورپ کے فرماں رواؤں سے مدد کی درخواست کی اور پوپ کی پوری اعانت اور ہمدردی حاصل کرنے کے لئے کلیسائے رومہ کے تمام مطالبات کو منظور کر کے یونانی کلیسا کو اس سے ملحق کر دیا سینٹ صوفیا میں پوپ کے نمایندہ کارڈینل اسیڈور (Cardinal Isidore) کے زیر صدارت ایک مجلس منعقد ہوئی، جسمیں شہنشاہ اس کے درباری اور قسطنطنیہ کے تمام ملکی اور مذہبی عہدہ دار شریک ہوئے اور کلیسائے قسطنطنیہ کو کلیسائے رومہ سے متحد کرنے کی تجویز کثرت رائے سے منظور کر لی گئی، اس فیصلہ نے یونانی پادریوں کو بہت برافروختہ کیا، اور شہر کی آبادی کے بڑے حصہ نے اس سے اپنی بیزاری کا علانیہ اظہار کیا، دونوں کلیساؤں کے درمیان جو قدیم عناد چلا آتا تھا وہ اس نازک موقع پر بھی قائم رہا، اور شہنشاہ کے اس فعل نے خود اس کی رعایا کی ایک کثیر تعداد کو اس سے برگشتہ کر دیا، گرانڈ ڈیوک نوٹارس (Notaras) جو تمام افواج قسطنطنیہ کا سپہ سالار اور قسطنطین کے بعد سلطنت کی سب سے بڑی شخصیت تھا، اس قدر برہم تھا کہ اُس نے صاف لفظوں میں یہ کہا کہ

کارڈینل کی ٹوپی کے مقابلہ میں قسطنطنیہ میں ترکوں کے عمامے دیکھنا مجھے زیادہ گوارا ہے" نتیجہ یہ ہوا کہ خود یونانیوں میں دو جماعتیں ہو گئیں، ایک وہ جو کلیسائے رومہ کی طرفدار اور اس نازک وقت میں اس کی مدد کی خواستگار تھی، دوسری وہ جو اس حالت میں بھی کلیسائے رومہ سے اتحاد کرنے پر کسی طرح راضی نہ تھی، دوسری جماعت پہلی سے بڑی تھی، چنانچہ اس جماعت کے گرجاؤں نے شہنشاہ کو مالی مدد دینے سے انکار کر دیا، اور اس میں سے جو لوگ جنگ میں شریک ہو سکتے تھے، اُن کی ایک بہت قلیل تعداد نے شہر کی محافظت کے لئے آمادگی ظاہر کی، قسطنطنیہ کی آبادی باوجود بہت کچھ کم ہو جانے کے ایک لاکھ کے قریب تھی، لیکن ترکوں کے مقابلہ میں قسطنطین کی حمایت کے لئے صرف چھ ہزار یونانیوں نے اپنی خدمات پیش کیں[۱]"۔

مغربی یورپ کی سرد مہری

قسطنطین نے مغربی یورپ سے مدد کی جو درخواست کی تھی وہ بھی بہت ناکافی حد تک پوری ہوئی، پوپ نے آزمودہ کار سپاہیوں کی ایک تعداد اور کچھ مالی مدد کارڈینل اسیڈور کے ساتھ روانہ کی، اٹلی اور اسپین کے بعض شہروں نے جو قسطنطنیہ سے تجارتی کاروبار رکھتے تھے چند فوجی دستے بھیجے، وینس اور اسپین کے صوبہ کٹالونیا، اور ارا گن نے کچھ مدد کی، لیکن ان سب سے زیادہ قیمتی مدد اہلِ جنوا کی طرف سے آئی، مشہور جنوی کمانڈر جان جسٹینانی (John Giustiniani) دو جنگی جہازوں اور سات سو منتخب بہادروں کے ساتھ محاصرہ شروع ہونے سے تھوڑی ہی مدت قبل آ پہنچا، یہ شخص اپنی شجاعت اور اعلیٰ فوجی قابلیت کے لحاظ سے تنہا ایک فوج کے برابر تھا، دوران محاصرہ میں اور خاص کر آخری حملہ کے روز اس نے

---

[۱] کریسی جلد اص ۱۲۵،

ایسی جانبازی کا ثبوت دیا کہ خود محمد ثانی کی زبان سے بے اختیار اُس کی تحسین نکل گئی، اور اس نے کہا کاش یہ شخص میرے فوجی سرداروں میں ہوتا، بہر حال مغربی یورپ سے مختلف حکومتوں نے جو فوج بھیجی تھی اس کی مجموعی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی، اور انکو شامل کرنے کے بعد قسطنطین کی تمام فوج صرف نو ہزار تک پہنچتی تھی، تعجب یہ ہے کہ قسطنطین کی درخواست کا کوئی اثر فرانس، جرمنی، ہنگری، اور پولینڈ پر نہ ہوا، اور یہ سلطنتیں جو بارہ ایک عظیم الشان مسیحی اتحاد قائم کرکے ترکوں کو یورپ سے نکالنے کے لئے مذہبی جوش وخروش کے ساتھ آگے بڑھتی تھیں قسطنطنیہ کے اس آخری لمحہ حیات میں جب کہ ان ہی ترکوں کے ہاتھوں سلطنت بازنطینی کا خاتمہ ہو رہا تھا کامل بے حسی اور بے پروائی کے ساتھ اپنے اپنے مقام سے اس منظر کو دیکھتی رہیں، بعض مورخین کا خیال ہے کہ قسطنطین کے معاملہ سے یورپ کو زیادہ دلچسپی نہ تھی، مگر ہمارے نزدیک عیسائی سلطنتوں کے اس طرز عمل کا باعث کچھ اور ہی تھا، گذشتہ (۶۵) سال کے اندر ترکوں کو یورپ سے خارج کر دینے کی غرض سے انھوں نے چار مرتبہ مذہبی اتحاد کے ذریعہ اپنی تمام قوتوں کو یکجا کیا، لیکن ہر بار انھیں ہزیمت اٹھانی پڑی اور مسیحی اتحاد کا شیرازہ بندھ بندھ کر منتشر ہوتا گیا، کسووا (سنہ ۱۳۸۹ء) نائکوپولس (سنہ ۱۳۹۶ء) وارنا (سنہ ۱۴۴۴ء) اور کسووا (سنہ ۱۴۴۸ء) کی تباہ کن شکستیں اتنی تازہ تھیں کہ یورپ اس قسم کے کسی مزید تجربہ کے لئے تیار نہ تھا اور باوجود اس کے کہ قسطنطین نے اپنا اور اپنی سلطنت کا مذہب تبدیل کرکے کلیسائے روم کی اطاعت قبول کر لی، اور وہ کر ڈالا جو صدیوں کی کوشش کے بعد بھی مغربی یورپ کی تمام قوتیں انجام نہ دے سکی تھیں، یورپ کے جمود میں کوئی محسوس حرکت پیدا نہ ہوئی اور قسطنطنیہ کی دیواروں کو آخر کار محمد فاتح کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا،

محاصرہ | ۲۶ ربیع الاول ۸۵۷ھ (۶ اپریل ۱۴۵۳ء) کو محاصرہ شروع ہوا، دوران محاصرہ میں یونانیوں نے غیر متوقع شجاعت اور استقلال کا ثبوت دیا، جسٹینیانی کی فوجی مہارت خاص طور پر نمایاں تھی، اور وہ اپنی قابلیت کے جوہر دکھا کر بار بار سلطان سے خراج تحسین وصول کر رہا تھا، برّی فوج کے حملہ کا ابھی کوئی معمولی اثر بھی ظاہر نہ ہونے پایا تھا کہ وسط اپریل میں ایک مختصر سی بحری جنگ پیش آگئی، ایک یونانی اور چار جنوی جہاز اہل قسطنطنیہ کے لئے سامانِ رسد لا رہے تھے، بحر مارمورا کو عبور کرنے کے بعد جب وہ آبنائے باسفورس میں بمشکل داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ (۱۴۰) عثمانی کشتیاں اُن کی راہ میں حائل ہیں، جس وقت یہ جہاز بندرگاہ کے قریب پہنچے ترکی بیڑے نے حملہ کر دیا لیکن جنوی جہاز عثمانی کشتیوں کے مقابلہ میں بہت اونچے اور طاقتور تھے، انھوں نے عثمانی کشتیوں پر پتھر اور آگ برسانا شروع کر دیا جس سے ان میں انتشار پیدا ہو گیا، اور یہ انتشار ان کی کثرتِ تعداد کی وجہ سے اور بھی بڑھ گیا، سلطان ساحل پر کھڑا ہوا یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس سے ضبط نہ ہو سکا اور اُس نے بے اختیار اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا، لیکن ترکی بیڑا اس وقت تک اس قدر منتشر ہو چکا تھا کہ عیسائی جہازوں کو نکل جانے کا راستہ مل گیا، اور وہ اہل قسطنطنیہ کے نعرہائے مسرت کے ساتھ بحفاظت بندرگاہ میں پہونچ گئے،

جنوی جہازوں کی اس شاندار فتح کا اخلاقی اثر محصورین پر بہت اچھا پڑا، انہیں جرأت و استقلال کی ایک نئی روح پیدا ہو گئی، تاہم صرف اس روح کا پیدا ہو جانا ہی مدافعت کے لئے کافی نہ تھا، جنوی رسد کے بعد پھر کوئی رسد اُنھیں باہر سے نہ مل سکی، دوسری طرف محمد نے بھی اپنی پہلی بحری شکست کے بعد محاصرہ کی سختی کے لئے ایک زیادہ موثر تدبیر سوچی، اُسے اندازہ ہو چکا تھا کہ آبنائے باسفورس کے اس

حصہ میں جہاں پانی زیادہ گہرا تھا ترکی بیڑا عیسائیوں کے طاقتور جہازوں کے مقابلہ میں مشکل سے کامیاب ہوسکتا تھا، لہذا اس نے اپنی کشتیوں کی ایک بڑی تعداد بندرگاہ کے بالائی حصہ میں منتقل کردینا چاہی، جہاں پانی تنگ اور چھچھلا تھا، اور جسمیں یونانی اور جنوبی جہاز اپنے قدوقامت کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوسکتے تھے، سمندر کے راستہ سے بندرگاہ کے اس حصہ تک پہنچنا ممکن نہ تھا اس لئے محمد نے ایک ایسی صورت اختیار کی، جو اُس کی ذہانت اور آہنی عزم و استقلال کی ایک غیرفانی مثال ہے، باسفورس اور بندرگاہ قسطنطنیہ کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ ہے، اُس نے اس درمیانی پہاڑی زمین پر لکڑی کے تختوں کی ایک سڑک بنوائی، اور ان تختوں کو چربی سے خوب چکنا کرادیا، اور ایک رات کے اندر اسّی کشتیاں بیلوں سے کھنچوا کر بندرگاہ کے اس حصہ میں پہنچادیں قسطنطنیہ کا یہ حصہ اب تک بالکل محفوظ تھا ترکی کشتیوں کے پہونچ جانے سے اب یہ بھی حملہ کی زد میں آگیا اور قسطنطین کو مجبوراً سپاہیوں کا ایک دستہ شہر کے دوسرے حصہ سے ہٹا کر اس حصہ میں متعین کرنا پڑا،

اس درمیان میں شہر کی دوسری سمتوں میں برابر حملے ہورہے تھے لیکن ان زبردست دیواروں پر جو ایک ہزار سال سے دشمنوں کا مقابلہ کر رہی تھیں ہنوز ان حملوں کا کوئی اثر ظاہر نہ تھا، بالآخر سات ہفتوں کی متواتر گولہ باری کے بعد دیواروں میں تین مقامات پر شگاف نمودار ہوئے، اور محمد کو آخری حملہ کی کامیابی کا یقین ہوگیا، ۱۵ جمادی الاول ۸۵۷ھ (۲۴ مئی ۱۴۵۳ء) کو اُس نے قسطنطین کے پاس پیغام بھیجا، کہ اگر وہ شہر کو سپرد کردے تو رعایا کی جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا اور موریا کی حکومت اسے دیدی جائے گی، لیکن قسطنطین نے اسے منظور نہ کیا، اس کے بعد محمد نے فوج میں اعلان کرادیا کہ ۲۰ جمادی الاول (۲۹ مئی) کو آخری حملہ ہوگا،

سقوطِ قسطنطنیہ ۲۰ جمادی الاول ۸۵۷ھ (۲۹ مئی ۱۴۵۳ء) کی رات ترکوں نے تسبیح وتہلیل میں گذاری، فریضۂ فجر ادا کرنے کے بعد حملہ شروع ہوا، حملہ مختلف سمتوں میں ہو رہا تھا لیکن سب سے زیادہ زور اُس حصہ پر تھا، جو دروازہ سینٹ رومانس کے قریب تھا، وہاں کی دیوار ترکی توپوں کی گولہ باری سے بہت کچھ مجروح ہو چکی تھی، عثمانی اور یونانی سپاہیوں کی تعداد میں کوئی مناسبت نہ تھی لیکن دوپہر سے پہلے تک انتہائی کوشش اور فتح کی پوری امید کے باوجود عثمانی فوج کا ایک سپاہی بھی شہر میں داخل نہ ہو سکا قسطنطین اور اس کے ساتھیوں نے اس روز حیرت انگیز شجاعت کا ثبوت دیا، اور ترکوں کی باڑھ کو بیجد پامردی سے روکتے رہے لیکن محمد بھی عزم و استقلال کا مجسمہ تھا، وہ ابتدائی ناکامیوں سے متاثر نہ ہوا، اور اب خود اپنے ینی چری دستوں کو لیکر آگے بڑھا یونانی اس وقت تک بالکل خستہ ہو چکے تھے، اُن میں اس تازہ حملہ کی تاب نہ تھی، اسی درمیان میں جٹینیانی کو جو گویا مدافعت کی روح تھا، ایک کاری زخم لگا، جس سے وہ کچھ ایسا خائف ہوا کہ جنگ سے بالکل کنارہ کش ہو گیا، ایسے نازک وقت میں جب محمد اپنی پوری قوت کیساتھ حملہ کر رہا تھا جٹینیانی کا اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر چلا جانا گویا شہر کو دشمن کے سپرد کر دینا تھا لیکن قسطنطین کے شدید اصرار کے باوجود وہ کچھ دیر بھی نہ ٹھہرا اور فوراً بندرگاہ میں چلا گیا، اُس کے ہٹتے ہی عیسائیوں میں کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگے قسطنطین نے خود موقع پر پہنچکر کمان اپنے ہاتھ میں لی، مگر ینی چری کا حملہ اتنا سخت تھا کہ شہنشاہ اور اس کے بہادر سپاہیوں کی جانبازی زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکی، ینی چری کا سردار آغا حسن اپنے تیس ہمراہیوں کے ساتھ دیوار پر چڑھ گیا اور اگرچہ حسن اور اس کے اٹھارہ ساتھی فوراً مار کر گرا دیئے گئے، تاہم باقی کامیاب رہے اور اسکے بعد ہی اور ترکی دستے بھی یکے بعد دیگرے پہنچتے گئے، یونانیوں کیلئے اب کوئی امید باقی نہ رہی،

قسطنطین نے اپنی سرخ عبا جو قیاصرہ کی امتیازی پوشاک تھی اتار کر پھینک دی اور ترکی فوج کے بڑھتے ہوئے طوفان میں گھس کر ایک جانباز اور سرفروش سپاہی کی طرح لڑتا ہوا مارا گیا،

فاتح کا داخلہ

چند لمحوں کے اندر قسطنطنیہ فاتحوں کے پے در پے دستوں سے بھر گیا، پہلے تو انھوں نے فتح کے ابتدائی جوش میں قتل عام شروع کر دیا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب یہ جوش کسی قدر ٹھنڈا ہوا اور نیز یہ دیکھکر کہ شہر والوں کی طرف سے مزاحمت نہیں ہوتی انھوں نے اپنی تلواریں نیام میں کر لیں اور مال غنیمت کے حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے، ظہر کے قریب سلطان محمد فاتح اپنے وزرا اور امرائے سلطنت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا، سینٹ صوفیا کے گرجے کے پاس پہنچکر وہ گھوڑے سے اترا، اور اُس عالیشان معبد میں داخل ہو کر جس میں گیارہ سو برس سے تین خداؤں کی پرستش ہوتی آئی تھی خدائے واحد کی تسبیح و تقدیس کے لئے سربسجدہ ہوا اور موذن کو حکم دیا کہ اللہ کے بندوں کو اس کی عبادت کے لئے آواز دے، فتح کے دوسرے روز محمد نے شہر کا جائزہ لیا، جب قیاصرہ کے شاہی محل میں پہنچا اور اس کے ویران اور اجڑے ہوئے ایوانوں پر نظر پڑی تو بے اختیار اس کی زبان پر یہ شعر آگیا، ؎

پردہ داری می کند در قصر قیصر عنکبوت   بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

قسطنطنیہ میں داخل ہونے کے بعد ترکوں نے جو کچھ کیا وہ تاریخ کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا، قرون وسطی کے دستور جنگ میں مفتوحین کی جان و مال تمام تر فاتح کی ملک ہوتی تھی، جس پر اسے ہر طرح کا اختیار حاصل ہوتا تھا یورپ کی سلطنتوں نے اس اختیار کے استعمال میں کبھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اور ظلم و تعدی کی ایسی ہولناک مثالیں

پیش کیں، جو تخیل میں بھی مشکل آسکتی ہیں، جب کبھی انھوں نے مسلمانوں پر فتح پائی وہ سب کچھ کرڈالا جو تاریخِ مظالم کے روشن ترین کارناموں میں شمار کیا جا سکتا ہے، اس کے مقابلہ میں ترکوں نے قسطنطنیہ میں داخل ہو کر جو کچھ کیا وہ حقیقۃً کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا، بلا شبہہ شروع شروع جو بھی سامنے آیا، اُس کو قتل کر دیا لیکن جب اُنھوں نے دیکھا کہ عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مدافعت کی قوت اُن میں باقی نہیں رہی، تو فوراً ہی اپنی تلواریں نیام میں کر لیں، اور مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں مصروف ہو گئے، یہ سلسلہ تین روز تک جاری رہا، چوتھے روز سلطان نے امنِ عام کا اعلان کیا، اور سپاہیوں کے ہاتھ دفعۃً رک گئے، اس موقع پر ایورسلے لکھتا ہے: "اگرچہ سلطان اور اُس کے سپاہیوں نے بہت سے مظالم کئے، اور یونانیوں کی پوری جماعت پر نہایت سخت مصیبت ٹوٹ پڑی، تاہم یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فتحِ قسطنطنیہ کے موقع پر ویسی نفرت انگیز بدمستیوں کا مظاہرہ ہوا جیسی ۱۲۰۴ء میں دیکھی گئی تھیں، جب کہ مجاہدین صلیبی نے اس پر قبضہ کیا تھا، داخلہ کے ابتدائی چند گھنٹوں کے بعد اس موقع پر کوئی قتلِ عام نہیں ہوا، آتش زنی بھی زیادہ نہیں ہوئی، سلطان نے گرجاؤں اور دوسری عمارتوں کو محفوظ رکھنے میں پوری کوشش کی، اور وہ اسمیں کامیاب رہا۔"[1]

عیسائیوں کی مذہبی اور ملی آزادی یکم جون ۱۴۵۳ء کو سلطان نے امنِ عام کا اعلان کیا، اور اُن تمام عیسائیوں کو جو قسطنطنیہ سے بھاگ گئے تھے واپس آنے کی دعوت دی، اس نے ان کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا، اور انھیں آمادہ کیا کہ اگر اپنے پیشوں اور کاروبار میں پھر بدستور مشغول ہو جائیں، اس کے بعد اُس نے یونانی کلیسا کے بطریق کو از سر نو اُس کے عہدہ پر مامور کیا، اور کلیسا کی سرپرستی خود قبول کی، ایک خاص فرمان کے ذریعہ

---

[1] لارڈ ایورسلے ص۵۳۔

یونانی بطریق کی ذات محترم قرار دی گئی، وہ اور نیز اُس کے کلیسا کے دوسرے عہدہ دار تمام ٹیکسوں سے بری کر دیئے گئے، اسی فرمان کے ذریعہ یونانیوں کے نصف گرجے انھیں واپس کر دیئے گئے، اور اُن کو اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی دیدی گئی اس فرمان میں سلطان نے انھیں اس امر کی بھی اجازت دی کہ وہ اپنے قومی معاملات اپنی ملی عدالتوں میں طے کر لیا کریں، ان عدالتوں کا صدر کلیسا کے بطریق جارج گناد یس (Gennadius) کو مقرر کیا جو خود یونانیوں کا منتخب کردہ تھا، سلطان نے یونانیوں کے قانون نکاح اور قانونِ وراثت کو بدستور قائم رکھا، اور ان کا نفاذ بطریقن اور مذہبی عدالتوں کے سپرد کیا، پروفیسر آرنلڈ اپنی مشہور کتاب "دعوت اسلام" میں سلطان محمد فاتح کی اس رواداری کے متعلق لکھتے ہیں :-

سلطان محمد ثانی نے قسطنطینہ پر قبضہ کرنے اور شہر میں امن ہونے کے بعد پہلا انتظام یہ کیا کہ یونانی کلیسا کا حامی اور سرپرست بنا تاکہ عیسائی اس کی اطاعت قبول کریں، عیسائیوں پر سختی ہونے کی ممانعت کر دی، اور ایک فرمان جاری کیا جس کے بموجب قسطنطینہ کے نئے بطریق کو اور اس کے جانشینوں اور ماتحت اسقفوں کو قدیم اختیارات جو حکومت سابقہ میں ان کو حاصل تھے دیئے گئے، اور جو ذریعے ان کی آمدنی کے تھے وہ بحال ہوئے، اور جن قواعد سے وہ مستثنیٰ تھے ان سے بدستور مستثنیٰ کیے گئے، گنادیوس کو جو ترکوں کی فتح کے بعد قسطنطینہ کا پہلا بطریق ہوا سلطان نے اپنے ہاتھ سے وہ عصا عنایت فرمایا جو اس کے منصب کا نشان تھا، اور ایک خریطہ جسمیں ایک ہزار اشرفیاں تھیں اور ایک گھوڑا جس پر بہت تکلف کا سامان تھا اس کو دیا، اور اجازت دی کہ وہ اپنے قدیم سامان جلوس کے ساتھ شہر میں سوار ہو کر دورہ کرے، ترکوں نے صرف یہی نہیں کیا

کہ کلیسا کے سب سے بڑے افسر کی وہی عزت اور وقعت قائم رکھی جو اُس کو عیسائی شہنشاہانِ روم کے وقت میں حاصل تھی بلکہ عدالت کے وسیع اختیارات بھی اس کو دیئے بطریق قسطنطینہ کی عدالت ایسے کل مقدمات کا جسمیں فریقین مسیحی المذہب ہوں فیصلہ کرتی تھی، جرمانہ کرنے اور مجرموں کو قید کی سزا دینے کے اختیارات جس کے لئے علیحدہ قید خانے بنے ہوئے تھے، اور خاص صورتوں میں سزائے موت کے حکم دینے کا بھی اختیار اسکو حاصل تھا، وزرائے سلطنت اور ترکی حکام کو ہدایت تھی کہ اس عدالت کے فیصلوں کی تعمیل کریں، سابق کی عیسوی سلطنت نے رعایا کے مذہبی امور میں طرح طرح کی دست اندازیاں کی تھیں، لیکن ترکوں نے ان میں کچھ دخل نہیں دیا، بطریق اور اسکی مذہبی مجلس کو پورے اختیارات مذہب اور مذہبی انتظام کے بارہ میں حاصل ہوئے، بطریق مجاز تھا کہ مذہبی مشوروں کی مجلس کو جب چاہے جمع کرے، اور اس کے ذریعہ سے عیسوی فقہ اور اصول کے تمام مسائل کو بغیر سلطنت کی مداخلت کے طے کرے، اور چونکہ ایک حیثیت سے وہ سلطانی عہدہ دار بھی تھا، اس لئے اس کے اختیار میں تھا کہ مصیبت زدہ عیسائیوں کی حالت کی اصلاح اس طرح کرے کہ نا انصاف ترکی گورنروں کے کاموں سے سلطان کو اطلاع کر دے، یونانی اسقف جو اضلاع میں تھے، ان کی بھی بہت عزت تھی، اور عدالت کے اختیارات ان کو اس قدر دیئے گئے تھے کہ موجودہ زمانہ تک انھوں نے اپنے علاقوں میں عیسائیوں پر ترکی حاکموں کیطرح حکومت رکھی"۔[1]

لارڈ ڈیورسلے کو بھی تسلیم ہے کہ "محمدؐ کی یہ عظیم الشان رواداری اُس عہد کی مسیحی

---

[1] "دعوت اسلام" (ترجمہ اردو) ص ۱۶۵ - ۱۶۴،

یورپین حکومتوں کی سیاسی اخلاقیات سے بہت آگے تھی، اہلِ اسپین نے ان مسلمان مورس کو جنھوں نے اپنے گرفتار کرنے والوں (عیسائیوں) کا مذہب اختیار کرنے سے انکار کردیا تھا ان کے ملک سے نکالتے وقت اسکے نمونہ پر عمل نہیں کیا...... یونانیوں یا قسطنطنیہ کے دوسرے باشندوں کو ترغیب یا جبر سے مسلمان بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی"[1]

قسطنطنیہ کی جدید آبادی

عیسائیوں کو مذہبی آزادی کا پروانہ عطا کرنے کے بعد محمد قسطنطنیہ کو از سر نو آباد کرنے کی طرف متوجہ ہوا، عرصہ سے قسطنطنیہ کی آبادی برابر کم ہوتی جارہی تھی سلطان کی ترغیب اور حوصلہ افزائی سے شہر کے اکثر باشندے جو بھاگ گئے تھے واپس آگئے، سلطنت عثمانیہ کے دوسرے حصوں سے بھی بہت سے یونانی، یہودی اور ترک خاندانوں کو منتقل کرکے قسطنطنیہ میں آباد کیا گیا، اس کے علاوہ ہر نئی فتح کے بعد محمد نے مفتوحہ ممالک کے ہزاروں باشندوں کو وہاں لاکر بسایا، اس کے عہدِ حکومت کے خاتمہ پر قسطنطنیہ اپنے آخری یونانی فرماں روا کے زمانہ سے بہت زیادہ آباد اور خوش حال تھا، لیکن اب اس شہر کی خالص یونانی حیثیت فنا ہوچکی تھی اور یونانیوں کے ساتھ ترکی، البانی، بلغاری اور سردی عنصر بھی بکثرت اس کی آبادی میں شامل ہوگیا تھا،

دارالسلطنت

قسطنطنیہ کی فتح عثمان کے خواب کی تعبیر تھی، یہی شہر اُس انگشتری کا نگینہ تھا، جسے عثمان اپنی انگلی میں پہننا چاہتا تھا، لیکن جو ازل سے محمد فاتح کے لئے مقدر ہو چکی تھی، محمد نے قسطنطنیہ کو سلطنت عثمانیہ کا پایہ تخت بنالیا، کسی نے اس فتح مبین کی تاریخ "بلدۂ طیبہ" (۸۵۷ھ) سے نکالی جو قرآن پاک کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔

قسطنطنیہ کے سابق محاصرے

قسطنطنیہ کی بنیاد بائزنطیم (Byzantium)

---

[1] ایورسلے، ص ۸۹،

کے نام سے ۶۵۸ قبل مسیح میں پڑی تھی، اُس وقت سے لے کر اس فتح تک اُنتیس بار اس شہر کا محاصرہ ہو چکا تھا، لیکن صرف آٹھ مرتبہ دشمن کی فوج اس کے اندر داخل ہو سکی، فان ہیمر (Von Hammer) نے اپنی مستند اور ضخیم تاریخ دولت عثمانیہ میں ان تمام محاصروں کا ذکر کیا ہے[1]، مسلمانوں نے بھی اس سے پہلے آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی کے یقین پر گیارہ بار قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا، مسند امام حنبل کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "تم ضرور قسطنطنیہ کو فتح کرو گے اور وہ فوج بھی خوب ہے اور اس کا امیر بھی خوب ہے" نیز بخاری، مسلم اور مسند ابن حنبل میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:- "میری اُمت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگی اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا ہے" چنانچہ اس سعادت اور مغفرت کے حصول کے لئے سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے ۴۸ھ (۶۶۸ء) میں ایک لشکر قسطنطنیہ کی فتح کے لئے روانہ کیا، اس مہم میں بہت سے صحابہ کرامؓ نے بھی شرکت فرمائی، مثلاً حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ حضرت ابو الدرداءؓ وغیرہ، بعض روایتوں میں ہے کہ اس لشکر کے سپہ سالار حضرت سفیان بن عوفؓ تھے، بعض کے نزدیک اس کی قیادت یزید بن معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی، محمد فرید بک نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے سب سے پہلے ۳۴ھ (۶۵۴ء) میں حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت اور امیر معاویہؓ کی سرکردگی میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا[2]، فان ہیمر نے بھی تصریح کی ہے کہ عربوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ پہلی مرتبہ ۶۵۴ء (۳۴ھ) میں کیا اور اس فوج کے سپہ سالار امیر معاویہؓ تھے، لیکن اور تاریخوں سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی، بظاہر فرید بک کی روایت فان ہیمر ہی سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے، فان ہیمر نے مسلمانوں کے دوسرے

۱؎ کریسی جلد ۱ صفحہ ۱۲۶-۱۲۷، فٹ نوٹ، ۲؎ تاریخ دولت علیہ عثمانیہ صفحہ ۱۷۱،

محاصرہ کی تاریخ ۴۷ھ (۶۶۷ء) درج کی ہے، اور یزید بن معاویہؓ کو سالارِ عسکر لکھا ہے، فرید بک نے بھی یہی نقل کیا ہے، لیکن وہ اسے حضرت علیؓ کی خلافت کا زمانہ بتاتے ہیں، حالانکہ آپ اس محاصرہ سے سات سال قبل ۴۰ھ میں شہید ہو چکے تھے، بہر حال تیسرا محاصرہ فان ہیمر اور فرید بک کی روایت کے رو سے ۵۲ھ (۶۷۲ء) میں ہوا امیر معاویہؓ نے حضرت سفیان بن عوفؓ کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ خلافت میں مسلمہ نے ۹۷ھ (۷۱۵ء) میں قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا، پھر پانچواں حملہ خلیفہ ہشام کے عہد میں ۱۲۱ھ (۷۳۹ء) ہوا، چھٹا مہدی عباسی کے زمانہ میں ۱۶۴ھ (۷۸۰ء) میں ہارون الرشید کے زیر قیادت ہوا، اور ساتواں ہارون الرشید کے سپہ سالار عبد الملک نے ۱۸۲ھ (۷۹۸ء) میں کیا، عربوں کے بعد عثمانی ترکوں کی باری آئی اور سلطان بایزید یلدرم نے دو بار محاصرہ کیا، اور اگر تیمور اور بایزید کے درمیان تصادم نہ ہو گیا ہوتا تو ۸۰۵ھ (۱۴۰۲ء) میں قسطنطنیہ کا ترکوں کے ہاتھ میں آجانا بظاہر یقینی تھا، بایزید کی وفات کے بعد اس کے لڑکے شہزادہ موسیٰ نے یہ حوصلہ پورا کرنا چاہا لیکن شہزادہ محمد کی مصلحت بینی اور بھائیوں کی باہمی جنگ نے قسطنطنیہ کے لئے سپر کا کام دیا، آخری بار سلطان مراد ثانی نے ۸۲۵ھ (۱۴۲۲ء) میں اس شہر کی فتح کا عزم کیا، مگر وہ شہنشاہ کی ندامت اور اظہارِ اطاعت سے متاثر ہو گیا، اور محاصرہ اٹھا لیا گیا،

غرض سلطان محمد ثانی سے پہلے مجاہدینِ اسلام گیارہ بار قسطنطنیہ کا محاصرہ کر چکے تھے، لیکن کامیابی کا سہرا اسی فاتح کا منتظر تھا، اور صحابہ کرامؓ کے مقدس خون نے جس چمن زارِ امید کی آبیاری کی تھی اُس کے پھولوں کا تاج اسی فیروز بخت کیلئے

تیار ہو رہا تھا،

جامع ایوبؓ | فتح کے تیسرے روز حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مزار کا انکشاف ہوا، آپ نے ۴۸ھ کے محاصرہ کے دوران میں وفات پائی تھی اور قسطنطنیہ کی فصیل سے متصل دفن ہوئے تھے، سلطان نے وہاں ایک مسجد تعمیر کرائی، جس کا نام جامع ایوبؓ ہے، اور اُس وقت سے یہ دستور ہو گیا تھا کہ تخت نشینی کے موقع پر ہر سلطان اسی مسجد میں جا کر عثمان اول کی تلوار حمائل کرتا تھا، اور یہ تقریب رسمِ تاج پوشی کی قائم مقام سمجھی جاتی تھی،

دیگر فتوحات | اگرچہ قسطنطنیہ کی فتح محمد کا سب سے زیادہ شاندار کارنامہ ہے، اور اسی بنا پر وہ فاتح کے لقب سے مشہور ہوا تاہم یہ اس کے سلسلۂ فتوحات کی محض پہلی کڑی تھی، اس کا سی سالہ عہدِ حکومت تمام تر ملک گیری اور توسیعِ سلطنت ہی میں گذرا، یہ طویل مدت اُس نے تقریباً مسلسل میدانِ جنگ میں صرف کی اور شاذ ہی کوئی مہم ایسی پیش آئی جس کے بعد اس کے یورپی یا ایشیائی مقبوضات میں کوئی نیا علاقہ شامل نہ ہوا،

یونان | ۸۵۸ھ (۱۴۵۴ء) میں محمد نے یونان کا رُخ کیا، وہاں قسطنطین کے دو بھائی دمتریس اور طامس دولت عثمانیہ کے باج گذار کی حیثیت سے علیحدہ علیحدہ حصوں پر حکمراں تھے، اُنھوں نے سلطان کے پہنچنے کا انتظار نہیں کیا بلکہ اُس کی خدمت میں اپنے سفیر بھیج کر فرماں برداری کا عہد کیا، اور بارہ ہزار دوکات سالانہ خراج دینا منظور کیا،

سرویا | اس کے بعد ۸۵۹ھ ہی میں محمد سرویا کی طرف متوجہ ہوا، اور سب سے پہلے سمندریا پر حملہ کیا، جو شاہ سرویا، جارج برنیکو ویچ کی قیام گاہ تھا، چند ہی دنوں میں عثمانی توپوں کی گولہ باری نے اس شہر کو کھنڈر بنا دیا، اور جارج برنیکو ویچ کو بھاگنا پڑا، ہونیاڈے

یہ خبر سن کر فوراً سرویا کی مدد کے لئے روانہ ہوا، اور اُس نے ترکوں کے مقدمۃ الجیش کو جو فیروز بے کی سرکردگی میں تھا شکست دی، لیکن اہلِ سرویا اپنے ملک میں ہنگری کے اقتدار کو ناپسند کرتے تھے، کلیسائے رومہ کی مذہبی تعدیوں نے سرویا کے باشندوں کو اس قدر برگشتہ کر دیا تھا کہ وہ علانیہ مسلمان ترکوں کو کیتھولک عیسائیوں پر ترجیح دیتے تھے اور عثمانی تسلط کو ہنگری کے اقتدار سے بدرجہا بہتر خیال کرتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے برینکو ویچ نے تیس ہزار دوکات سالانہ خراج کے وعدہ پر سلطان سے صلح کر لی،

محاصرہ بلغراد دوسرے سال محمد پھر سرویا میں داخل ہوا، اور جنوب کی طرف سے بڑھتا ہوا بغیر کسی مزاحمت کے بلغراد تک پہنچ گیا، اس کے ساتھ ڈیڑھ لاکھ کا لشکر، اور تین سَو توپیں تھیں، یہ مہم دراصل بلغراد کی فتح کے لئے تھی، جو اگرچہ سرویا کی شمالی سرحد پر واقع تھا، لیکن اُس وقت ہنگری کے قبضہ میں تھا، اور گویا ہنگری کا دروازہ تھا، اس کی فتح سے ہنگری کی فتح کا راستہ کھل جاتا اور پھر آسٹریا تک عثمانیوں کو روکنا مشکل ہو جاتا، محمد نے بلغراد پہنچکر فوراً اُس کا محاصرہ کر لیا، بری فوج کے علاوہ شہر کی شمالی سمت میں عثمانی بیڑا دریائے ڈینوب پر قابض تھا، قسطنطنیہ کی فتح نے سارے یورپ کو خوفزدہ کر دیا تھا، جب محمد نے بلغراد کا محاصرہ کیا تو یورپ کے تمام ملکوں میں ایک ہلچل مچ گئی، اور پوپ نے صلیبی جنگ کا اعلان کرکے اپنے نمائندہ جان کاپسٹران (John Capistran) کو ساٹھ ہزار پرجوش مسیحی مجاہدوں کے ساتھ ہنگری کی مدد کے لئے روانہ کیا، ہونیاڈے نے مدافعت میں اپنی پوری قوت صرف کر دی، آٹھ روز کی گولہ باری کے بعد ۱۲ جولائی ۱۴۵۶ء کو سلطان نے ایک

عام حملہ کا حکم دیا، اور ترک شہر کے ایک حصہ میں داخل ہو گئے، لیکن ابھی وہ اس پوری طرح قابض نہ ہو سکے تھے کہ عیسائیوں کے ایک زبردست حملہ نے اُن کو پیچھے ہٹا دیا اور پھر دوسرے حملہ میں عثمانی دستے بالکل منتشر ہو گئے، یہ حال دیکھ کر محمد خود دشمنوں کی صفوں میں گھس گیا، لیکن اسکی حیرت انگیز شجاعت اُس روز ترکوں کے قدم کو نہ روک سکی، اور اُسے بھی زخمی ہو کر میدانِ جنگ چھوڑنا پڑا، اس معرکہ میں پچیس ہزار ترک کام آئے اور ان کے پورے توپ خانہ پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا، محاصرہ اٹھا لیا گیا، اور بلغراد کی فتح جو ہنگری اور ویانا کے حملوں کا مقدمہ تھی، پچاس سال کے لئے ملتوی ہو گئی، ہونیاڈے اس جنگ میں اس قدر زخمی ہو گیا تھا کہ بیس ہی روز کے بعد مر گیا، سلطان کو جب اس کی وفات کی اطلاع ہوئی تو اُس نے افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ یورپ کا سب سے بڑا سپہ سالار جاتا رہا، دو مہینے بعد جان کاپسٹران کا بھی جس کی عمر ستر سال کی ہو چکی تھی انتقال ہو گیا،

سرویا پر مکمل قبضہ بلغراد کا محاصرہ اٹھا لینے کے بعد محمد ادرنہ کو واپس گیا اور جارج برینکووتچ پھر سرویا پر قابض ہوا، لیکن اسکی عمر نوّے سال سے متجاوز ہو چکی تھی، اور تھوڑے ہی دنوں بعد ۸۶۱ھ (۱۴۵۷ء) میں اس کا انتقال ہو گیا، سرویا کی آزادی بھی اس کے بعد ڈیڑھ ہی دو سال قائم رہی، ۸۶۳ھ (۱۴۵۹ء) میں یہ ملک باقاعدہ طور پر سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا، ہونیاڈے کی وفات کے بعد صدر اعظم محمود پاشا نے سرویا میں داخل ہو کر دو سال کے اندر پورے ملک کو فتح کر لیا، تاہم یہ ممکن تھا کہ سلطان پھر خراج قبول کر کے سرویا کی خود مختاری بدستور قائم رہنے دیتا، لیکن جارج برینکووتچ کے مرنے پر جو خانہ جنگیاں شروع ہوئیں اُن سے ملک کی آزادی کا ہمیشہ کے لئے

خاتمہ ہو گیا، جارج نے حکومت کا انتظام مشترکہ طور پر اپنی بیوہ اور تین لڑکوں کے سپرد کیا تھا، ان میں بہت جلد جھگڑے شروع ہو گئے، سب سے چھوٹے لڑکے لازار نے اپنی ماں کو زہر دیدیا، اور بھائیوں کو حکومت سے نکال دیا، اب وہ سرویا کا تنہا فرمانروا تھا، اُس نے بیس ہزار طلائی سکے سالانہ خراج کا وعدہ کر کے سلطان کی سرپرستی بھی حاصل کر لی، لیکن دوسرے ہی سال اس کا انتقال ہو گیا، اب محمد نے یہ طے کر لیا کہ سرویا کو سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ بنا لے، ہونیاڈے مر چکا تھا، اہل سرویا میں مزاحمت کی ہمت نہ تھی، پچھلے ستر سال کی لڑائیوں کے بعد وہ ہر دام پر امن وصلح کے لئے تیار تھے، لازار کی بیوہ ہیلینا نے اپنے ملک کی سیاسی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے اسے کلیسائے رومہ سے وابستہ کر دینا چاہا، لیکن سرویا والوں نے سخت مخالفت کی اور علانیہ کہدیا کہ وہ ترکوں کو رومن کیتھولک عیسائیوں پر ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ امرائے سرویا نے صدر اعظم محمود پاشا کے بھائی کو بلا کر اپنا سردار مقرر کیا، اور جب ہیلینا نے اسے قید میں ڈالدیا تو انھوں نے سلطان سے مدد کی درخواست کی، ہمندریا نے اپنے پھاٹک عثمانی فوجوں کے لئے کھول دیئے، جس کی تقلید اور شہروں نے بھی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ ۸۶۳ھ (۱۴۵۹ء) میں سرویا کا وجود بحیثیت ایک مستقل مملکت کے فنا ہو گیا[۱]،

بوسنیا کی فتح کلیسائے رومہ کے مظالم سے بوسنیا کے باشندے اہل سرویا سے بھی زیادہ عاجز تھے، اُنھوں نے بھی ترکوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھا، صدیوں سے وہاں لاطینی اور یونانی کلیساؤں کے معرکے گرم تھے، جن سے پریشان ہو کر

---

[۱] "بلقان"، از ملر ص ۲۹۶،

بہت سے لوگ ان دونوں مسلکوں سے علیحدہ ہو گئے تھے، اور اپنی عافیت کے لئے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا تھا، جو "بدعت بوگومل" (Bogumil Heresy) کے نام سے مشہور ہے، لیکن اب اس جدید فرقہ کے لوگوں پر دوہرے مظالم ہونے لگے، وہ کبھی یونانی کلیسا کی شدید تعدیوں کا شکار ہوتے اور کبھی لاطینی کلیسا کی، یہ مظالم دیکھ کر اکثر اہل بوسنیا کو اسلام ہی کے دامنِ رحمت میں پناہ نظر آئی،[1] محمود پاشا کی فوج شاہ بوسنیا کی تنبیہ کے لئے جس نے خراج دینا روک دیا تھا، فاتحانہ بڑھتی آرہی تھی، بہت سے قلعوں نے ترکوں کا خیر مقدم کیا، بادشاہ میں جب مقابلہ کی طاقت نہ رہی تو اس نے جان بخشی کے وعدہ پر ہتھیار ڈال دیئے، مگر محمد نے خلاف معاہدہ اس کو اور اس کے لڑکے کو قتل کرا دیا، یوں بوسنیا بھی ۸۶۷ھ (۱۴۶۲ء) میں سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ بن گیا، اس کے نوجوانوں میں سے تیس ہزار ینی چری فوج کے لئے چن لئے گئے اور اس کے اکثر امراء مشرف باسلام ہوئے،

موریا پر قبضہ

موریا میں خاندان پلیولوگس کی حکومت کا بھی بتدریج خاتمہ ہو رہا تھا، طامس اور دمتریس نے خراج کے وعدہ پر اپنی خود مختاری قائم رکھی تھی، لیکن جب بلغراد کی مہم میں سلطان کو ناکامی ہوئی اور یورپ کے مذہبی جوش نے ترکوں کے بڑھتے ہوئے قدم کو ایک لمحہ کے لئے روک دیا تو موریا کے فرماں رواؤں کو بھی دولت عثمانیہ کی سیادت کا بار محسوس ہونے لگا، پوپ نے بھی ان کے جذبات کو برانگیختہ کیا، چنانچہ جب پوپ کا جنگی بیڑا بحر ایجین میں نمودار ہوا تو طامس نے ہمت کر کے خراج کی رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا، اس سے قبل بھی تین سال سے باوجود متعدد تقاضوں کے سلطان کو موریا سے خراج کی کوئی رقم وصول نہیں ہوئی تھی لیکن ابھی تک علانیہ

[1] جزیرہ نمائے بلقان اور شرق ادنیٰ از شیویل، مطبوعہ لندن ۱۹۲۱ء، ص ۲۰۲،

انکار کی نوبت نہیں آئی تھی، اسی لئے محمد نے کسی قسم کی سختی بھی نہیں کی تھی، اب یہ انکار گویا بغاوت کا اعلان تھا، چنانچہ وہ ۸۶۲ھ (مئی ۱۴۵۸ء) میں ایک بڑی فوج لے کر خود موریا آیا، اور متعدد قلعوں کو فتح کرتا ہوا پتراس پہونچا جو طامس کا مستقر تھا، پتراس کے باشندے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے، قلعہ کے فوجی دستے نے بھی مزاحمت کی جرأت نہ کی، محمد نے پتراس کے باشندوں کے ساتھ بڑی فیاضی اور کشادہ دلی کا برتاؤ کیا، اس کے بعد کورنتھ فتح ہوا، کورنتھ کے باشندوں کے ساتھ بھی اُس نے ویسی ہی مراعات کی اور انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا لیکن وہاں کے بہت سے لوگوں کو اس نے قسطنطنیہ اور اس کے مضافات میں لیجا کر آباد کیا، یہ لوگ کاریگر اور کاشتکار تھے، طامس اور دمتریس کو اب صلح کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، محمد نے ان کی درخواست قبول کی، اور صلحنامہ کے تکملہ کے بعد وہ موریا سے چلا گیا، لیکن اُس کے جاتے ہی ان بھائیوں نے پھر شورش برپا کرنی شروع کی،[۱] محمد کو مجبوراً لوٹنا پڑا، اب کی بار اُس نے تہیہ کر لیا کہ موریا کو سلطنت عثمانیہ کا ایک صوبہ بنا کر رہے گا، دمتریس نے اپنے کو مسٹرا (Mystra) کے قلعہ میں بند کر لیا، اور مدافعت کی کوشش کی، مگر بہت جلد اسے ہتھیار ڈال کر قلعہ ترکوں کے سپرد کر دینا پڑا، محمد نے اس کے اخراجات کے لئے تھریس کا ایک شہر اور اس کے قریب امبروس (Imbros) لمنوس (Lemnos) اور ساموتھریس (Samothrace) کے جزیرے دیکر اُسے ادرنہ بھیجدیا، کچھ دنوں کے بعد یہ جاگیریں بھی ضبط کر لی گئیں اور محمد نے ان کے بجائے پچاس ہزار ایسپر (Asper) بطور پنشن کے مقرر کر دیئے،[۲] لیکن دمتریس نے آخر میں

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، مقالہ "موریا"، ص ۷۴-۵۷۳، [۲] گبن جلد ۴ ص ۵-۴-۵۰۵،

رہبانیت اختیار کرلی اور ۸۷۵ھ (۱۴۷۰ء) میں اُس کا انتقال ہوا، دمتریس کے بعد محمد طامس کی طرف متوجہ ہوا اور اُس کے علاقہ کے شہروں کو یکے بعد دیگرے فتح کرنا شروع کیا، طامس نے اپنے مقبوضات کو بچانے کی ذرا بھی کوشش نہ کی اور اپنے خاندان کیساتھ جہاز پر سوار ہوکر کارفو چلا گیا، لیکن تین ہی مہینے کے بعد اُس نے کارفو کو بھی خیرباد کہا، اور رومہ پہونچ کر پوپ کے دامن میں پناہ لی، وہیں ۸۷۰ھ (۱۲ مئی ۱۴۶۵ء) میں اس کا انتقال ہوگیا، محمد نے موریا کے تمام علاقوں کو فتح کرکے ان پر قبضہ کرلیا، ۸۶۴ھ (۱۴۶۰ء) میں موریا بھی سلطنتِ عثمانیہ کا ایک صوبہ ہوگیا،

کرمانیہ

اسی زمانہ میں ایشیائے کوچک کے بعض حصوں پر بھی جو ابھی تک سلطنتِ عثمانیہ میں شامل نہ تھے قبضہ کیا جارہا تھا، کرمانیہ اور دولت عثمانیہ کی عداوت قدیم سے چلی آرہی تھی، محمد کی تخت نشینی کے چند دنوں بعد کرمانیہ کے امیر ابراہیم نے خراج اداکرنے کا معاہدہ کرکے سلطان سے صلح کرلی تھی، اور وہ آخر دم تک اس معاہدہ پر قائم رہا، اسکے انتقال کے بعد اُس کے لڑکوں میں ریاست کے لئے جنگ چھڑ گئی، محمد نے ان سب کو برطرف کرکے خود کرمانیہ پر قبضہ کرلیا، اور اسے مستقل طور پر سلطنتِ عثمانیہ میں شامل کرلیا،

طرابزون اور سینوپ

ایشیائے کوچک میں سینوپ اور طرابزون پر اب تک دولت عثمانیہ کا قبضہ نہ ہوا تھا، محمد نے پہلے سینوپ کے مضبوط شہر پر حملہ کیا، اسمٰعیل بیگ امیر سینوپ کی چار سو توپیں اور دس بارہ ہزار سپاہی کچھ دیر بھی مقابلہ نہ کرسکے، اور اس نے شہر سلطان کے حوالہ کردیا، اس کے بعد محمد طرابزون کی طرف متوجہ ہوا، طرابزون کا شہر اور ملحق علاقے قدیم بازنطینی سلطنت کا جزو تھے، ۶۰۱ھ (۱۲۰۴ء) کے بعد سے جب کہ قسطنطنیہ پر محاربین صلیبی کا قبضہ ہوگیا طرابزون نے ایک جداگانہ مملکت کی شکل اختیار

کر لی تھی، ۸۶۵ھ (۱۴۶۱ء) میں محمد نے اسے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، اب ایشیائے کوچک کے تمام علاقے سلطنت عثمانیہ کے دائرے میں آگئے، بحر اسود کے ساحل پر جنوا کے جو مقبوضات تھے وہ بھی فتح کر لئے گئے،

یونانی مجمع الجزائر محمد نے یونانی مجمع الجزائر کے بہت سے جزیروں پر بھی جو وینس اور جنوا کے زیر حکومت تھے حملہ کر کے انھیں فتح کر لیا، ان میں سے لسبوس (Lesbos) لمنوس (Lemnos) اور سیفالونیا (Cephalonia) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جزیرہ یوبیا (Euboea) کا بھی یہی حشر ہوا، یہ جمہوریہ وینس کا مقبوضہ تھا جس کے اور مقبوضات بھی جو موریا کے ساحل پر واقع تھے سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لئے گئے،

کریمیا قسطنطنیہ کے بعد محمد کا سب سے اہم کارنامہ کریمیا کی فتح تھی، جس کا سہرا دولت عثمانیہ کے مشہور سپہ سالار صدر اعظم احمد کدک پاشا کے سر ہے، کریمیا کے حملہ کے دو خاص اسباب تھے، ایک سبب تو یہ تھا کہ اس زمانہ میں جنوا سے دولت علیہ کے تعلقات بہت خراب ہو گئے تھے، اور کریمیا میں کافہ کا مضبوط شہر جنوا کے قبضہ میں تھا، دوسرا سبب یہ ہوا کہ خود خان کریمیا نے جسے اُس کے باغی بھائیوں نے تخت سے اتار دیا تھا محمد سے مدد کی درخواست کی، لیکن ان اسباب کے علاوہ کریمیا کا محلِ وقوع بھی قسطنطنیہ کے تخت نشینوں کے لئے حد درجہ اہم تھا، اور محمد جیسے بیدار مغز سلطان کی نظر سے یہ امر پوشیدہ نہ تھا، کہ عثمانی مقبوضات کے تحفظ کے لئے کریمیا کو اپنی سلطنت میں شامل کر لینا کس حد تک ضروری ہے، چنانچہ ۸۸۰ھ (۱۴۷۵ء) میں احمد کدک نے جنگی بیڑے اور چالیس ہزار فوج کے ساتھ پہلے کافہ پر حملہ کیا، اس شہر نے جو اپنی دولت اور

مضبوطی کے لحاظ سے قسطنطنیہ کوچک کہلاتا تھا، چار روز میں ہتھیار ڈالدیئے، بہت زیادہ مال غنیمت ہاتھ آیا، چالیس ہزار باشندے قسطنطنیہ کو منتقل کر دیئے گئے، اور ڈیڑھ ہزار نوجوان جنوبی امرا اپنی جری فوج میں داخل کئے گئے، پھر سرعت کے ساتھ پورے ملک پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا اور کریمیا کی آزادی ختم ہو گئی، اس کے بعد تین سو برس تک کریمیا کے خان دولت عثمانیہ کے محکوم رہے،

ولاچیا | اسی زمانہ میں ولاچیا کے مظلوموں کی دردناک چیخیں قسطنطنیہ پہونچیں، جنگ کسووا (۱۳۸۹ء) کے بعد ولاچیا نے دولت عثمانیہ کی سیادت قبول کر لی تھی، سلطان محمد ثانی کے وقت میں اس ریاست کا امیر ولاد چہارم (Vlad IV) تھا، اس نے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی اور عثمانی تاجروں کو جو ولاچیا میں سکونت پذیر تھے، سخت اذیتوں کے ساتھ قتل کرا دیا، اُس کا دست عقوبت خود اپنے ملک والوں پر بھی دراز تھا، اس کے مظالم اس قدر بڑھ گئے تھے کہ وہ "ڈراکول" (Drakul) یعنی شیطان کے لقب سے مشہور تھا، اُسے لوگوں کے قتل کرنے میں خاص لطف آتا تھا، اور قتل کے عجیب وغریب طریقے ایجاد کرتا رہتا تھا، لیکن سب سے زیادہ لطف اسے جسم میں میخیں ٹھونک کر قتل کرانے میں آتا تھا، اکثر کئی کئی سو آدمیوں کو ایک ساتھ اس طریقہ سے قتل کراتا اور انکی تڑپتی ہوئی لاشوں سے اُسکی شیطانی روح کو ایک خاص لذت حاصل ہوتی تھی، شیویل لکھتا ہے کہ اس کے مہمان بھی جنمیں سے کسی کا دامن مظالم کے دھبوں سے پاک نہ تھا، اس کی تعذیب کے انوکھے طریقوں سے ہیبت زدہ تھے اور اسکو ولاد امپیلر (Vlad the Impaler) (یعنی میخیں ٹھونکوا کر قتل کرنے والا) کہتے تھے، غرض جب اس کے مظالم کی فریاد قسطنطنیہ پہنچی تو سلطان ایک زبردست فوج لے کر اسکی تنبیہ کے لئے روانہ ہوا، لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ آور ہو

ولاد نے اُس کی خدمت میں ایک وفد بھیجا، اور اُس کی سیادت قبول کرکے دس ہزار دوکات سالانہ خراج ادا کرنے کا عہد کیا، اور یہ درخواست کی کہ سلطان کی جانب سے اُس معاہدہ کی از سرِ نو تصدیق کر دی جائے، جو ۷۹۵ھ (۱۳۹۳ء) میں بایزید یلدرم اور امیر ولاچیا کے درمیان ہوا تھا، محمد نے اسے منظور کیا، اور واپس چلا آیا، لیکن یہ معاہدہ ولاد کا محض ایک وقتی حیلہ تھا، وہ اس بہانہ سے سلطان کو ٹال کر ہنگری کی مدد حاصل کرنا چاہتا تھا، چنانچہ عثمانی فوجوں کے واپس ہوتے ہی اُس نے ہنگری سے اتحاد کرکے پھر اپنی سابق معاندانہ روش اختیار کرلی، محمد کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے حالات کی تحقیق کے لئے اپنے نمایندے ولاچیا میں بھیجے، ولاد نے ان نمایندوں کو قتل کرا دیا، اس کے بعد اُس نے بلغاریا کے علاقوں میں جو دولت علیہ کے ماتحت تھے، لوٹ مار شروع کر دی اور بیحد مظالم کئے، وہ بلغاریا کے پچیس ہزار باشندوں کو بھی پکڑ لایا، یہ سن کر محمد نے پھر اُس کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے حدود سے متجاوز نہ ہو، اور ان قیدیوں کو رہا کر دے، ولاد نے اس کے جواب میں سلطانی ایلچیوں کے سر میں میخیں ٹھونکوا کر انھیں فوراً ہلاک کر دیا، اب محمد کے لئے حملہ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، وہ ڈیڑھ لاکھ فوج کے ساتھ اس ظالم کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا، ولاچیا کے شہر یکے بعد دیگرے فتح ہوتے گئے، یہاں تک کہ پایہ تخت بخارسٹ پر بھی عثمانیوں کا قبضہ ہوگیا، لیکن ولاد ہاتھ نہ آیا، اس نے بھاگ کر شاہِ ہنگری کے ہاں پناہ لی، محمد جب بخارسٹ پہونچا، تو اس نے وہاں اُن قیدیوں کی لاشیں دیکھیں، جن کو ولاد بلغاریا سے پکڑ لایا تھا، ان لاشوں کی تعداد بیس[1] ہزار تھی، ان میں بچے اور عورتیں بھی تھیں، بہرحال محمد نے ولاد کو معزول کرکے اس کے بھائی راڈول (Radul) کو جو اس کا معتمد علیہ

تھا، اور جسکی تربیت بھی سلطان ہی کے زیرنگرانی ہوئی تھی، ولاچیا کا امیر مقرر کیا، اور ولاد نے خون کی جو نہر جاری کر رکھی تھی وہ کسی طرح خشک ہوئی، ولاچیا پھر سلطنت عثمانیہ کی ایک اطاعت گذار ریاست ہوگئی، محمد نے اسے مکمل طور پر اپنی سلطنت میں ضم کر لینے پر اصرار نہیں کیا، بلکہ صرف اطاعت اور خراج پر قناعت کی،

البانیا اور ہرزیگووینا

البانیا ابھی تک زیر نہ ہو سکا تھا، اسکندر بک محمد فاتح کا مقابلہ بھی اسیطرح کرتا رہا جس طرح اس نے مراد ثانی کا کیا تھا، محمد چاہتا تھا کہ اگر اسکندر بک خراج دینا منظور کرلے تو لڑائی ختم کر دیجائے، مگر اُس نے یہ شرط قبول کرنے سے انکار کر دیا، عثمانی فوجیں البانیا پر مکمل قبضہ نہ پاسکیں اور آخر کار ۸۶۵ھ (۱۴۶۱ء) میں سلطان نے اسکندر بک کو البانیا اور اپائرس کا فرماں روا تسلیم کرلیا، چھ سال کے بعد اسکندر بک کا انتقال ہوگیا، اب البانیا کی فتح میں کوئی دشواری باقی نہ رہ گئی تھی، محمد نے آسانی کے ساتھ اسے مسخر کرلیا، اور البانیا اور اپائرس کو سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا، اس کے بعد ہرزیگووینا کا علاقہ بھی عثمانی مقبوضات میں شامل کرلیا گیا،

وینس

البانیا کی فتح کے بعد اٹلی ترکوں کی زد میں آیا، جس طرح ہونیاڈے نے شمال میں عثمانی فوجوں کے بڑھتے ہوئے قدم کو چند دنوں تک روک رکھا تھا، اسی طرح اسکندر بک بھی مغرب میں اُن کی راہ روکے ہوئے کھڑا تھا، اُس کے مرنے کے بعد ہی اٹلی کا راستہ کھل گیا، اور وینس پر حملہ کا مسئلہ زیر غور آگیا، جمہوریہ وینس نے فتح قسطنطنیہ کے دوسرے ہی سال سلطان سے بمنت صلح کی درخواست کی تھی، اور اس صلحنامہ کے ذریعہ محمد نے تقریباً وہ تمام تجارتی مراعات جو وینس کو بازنطینی شہنشاہوں کے عہد میں حاصل تھیں اُسے عطا کر دی تھیں، لیکن اسکندر بک کی کامیابیوں نے وینس کے اندر بھی دولت عثمانیہ کے

مقابلہ کا حوصلہ پیدا کیا، اور اس کی نیاز مندی جاتی رہی، وینس کو اپنی بحری طاقت کا غرور تھا، دوسری طرف سلطنتِ عثمانیہ کو بھی بلقانی ریاستوں پر کامل اقتدار رکھنے کے لئے بحرا یڈریاٹک اور بحر ایجین میں اپنے جنگی جہازوں کی تعداد بڑھانی ضروری تھی، البانیا کی تسخیر کے بعد بحرا یڈریاٹک کے تمام ساحلی علاقے اس کے قبضہ میں آگئے تھے، اور اب وینس اور سلطنت عثمانیہ کی جنگ ناگزیر ہو گئی تھی، لڑائی ۸۶۸ھ (۱۴۶۳ء) میں شروع ہوئی اور سولہ سال تک جاری رہی، یکے بعد دیگرے وینس کے ساحلی مقبوضات ترکوں کے قبضہ میں آتے گئے، یہاں تک کہ جزیرہ یوبیا (نگروپونٹ) بھی جمہوریہ کے ہاتھ سے نکل گیا، ۸۸۲ھ (۱۴۷۷ء) میں ایک زبردست ترکی فوج فریولی (Friuli) کے علاقہ میں داخل ہوئی، جو بحرا یڈریاٹک کی شمالی حد پر واقع تھا، اور اس پر تسلط قائم کرنے کے بعد وینس کی طرف بڑھی، وینس نے مزاحمت کے لئے فوج روانہ کی، لیکن عمر پاشا اسے شکست دیتا ہوا آگے بڑھ گیا، اور دریائے پیاوے (Piave) کے ساحل تک کے تمام زرخیز علاقوں پر قابض ہو گیا، جمہوریہ کے لئے اب صلح کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، اگر اب بھی اسے کچھ تامل ہوتا تو اس کے بقیہ مقبوضات بھی نکل جاتے اور خود وینس کے شہر پر عثمانی علم نصب ہو جاتا، ۸۸۴ھ (۱۴۷۹ء) میں صلحنامہ پر دستخط ہو گئے، وینس نے سالانہ خراج ادا کرنے کا معاہدہ کیا اور سلطان نے اُسے دوبارہ مشرق میں تجارت کرنے کی اجازت دی،

روڈس کی ناکام مہم

وینس کی بحری قوت ٹوٹ چکی تھی لیکن بحر ایجین میں روڈس کا جزیرہ عثمانی جہازوں کی راہ کا کانٹا تھا، اس جزیرہ پر ڈیڑھ سو برس سے یروشلم کے مبارزین سینٹ جان کی حکومت تھی جو آسانی کے ساتھ عثمانی جہازوں پر چھاپے مارا کرتے تھے، محمد نے روڈس کی فتح کو ضروری خیال کر کے ۸۸۵ھ (۱۴۸۰ء) میں مسیح پاشا کو اس مہم پر

روانہ کیا، مسیح پاشا نے جزیرہ پر اتر کر متعدد مقامات فتح کئے، اور پھر خود شہر روڈس کا محاصرہ کرلیا، عیسائی مدافعت کے لئے پوری طرح تیار تھے اور محاصرہ طول کھینچ گیا، بالآخر ۸ ربیع الاول ۸۸۵ھ (۲۸ جولائی ۱۴۸۰ء) کو ترکوں نے ایک عام حملہ کیا، یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ عیسائی اپنی انتہائی شجاعت کے باوجود اسے روک نہ سکے اور بعض ترکوں نے دیوار پر چڑھ کر ہلالی جھنڈا گاڑ دیا، لیکن عین اُس وقت جب وہ شہر میں داخل ہوا چاہتے تھے مسیح پاشا کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ تمام مالِ غنیمت سلطان کے حق میں محفوظ سمجھا جائیگا، اس اعلان سے سپاہیوں میں سخت برہمی اور بیزاری پیدا ہوگئی اور جو ابھی تک باہر تھے، انھوں نے اپنی ساتھیوں کی مدد کے لئے جو پہلے پہنچ چکے تھے اندر جانے سے انکار کردیا، عیسائیوں نے عثمانی فوج کی یہ حالت دیکھ کر اپنی پوری قوت کے ساتھ جان توڑ حملہ کیا اور اُن ترکوں کو جو شہر میں داخل ہوگئے تھے شکست دیکر باہر نکال دیا، مسیح پاشا کو اپنی غلطی کا احساس اُس وقت ہوا جب کہ اس کی تلافی ناممکن تھی، اُسے محاصرہ اٹھا لینا پڑا اور روڈس کی تسخیر نصف صدی کے لئے ملتوی ہوگئی،

اوٹرانٹو کی فتح لیکن جس روز مسیح پاشا کو روڈس میں ہزیمت اٹھانی پڑی، اُسی روز احمد کدک پاشا فاتح کریمیا نے سرزمین اٹلی میں قدم رکھا جہاں اُس وقت تک کوئی عثمانی سپاہی نہ پہونچا تھا، اٹلی کی فتح کے لئے اوٹرانٹو پر قبضہ کرنا ضروری تھا، کیونکہ یہ شہر اپنے موقع کے لحاظ سے گویا اٹلی کا دروازہ تھا، احمد پاشا نے فوراً خشکی اور سمندر دونوں جانب سے اس پر حملہ کیا، اہلِ شہر نے مدافعت میں بڑی سرگرمی دکھائی لیکن وہ صرف چند روز مقابلہ کرسکے اور ۴ جمادی الثانی ۸۸۵ھ (۱۱ اگست ۱۴۸۰ء) کو عثمانی فوج فاتحانہ اوٹرانٹو میں داخل ہوگئی،

فاتح کی وفات اٹرانٹو جیسے مضبوط شہر اور بندرگاہ پر قابض ہونے کے بعد محمد کے لئے اٹلی کی فتح کا راستہ کھل گیا، دوسرے سال وہ کسی جدید مہم کے لئے فوجیں اکٹھا کر رہا تھا اور خیال تھا کہ اوٹرانٹو کے بعد غالباً رومہ پر حملہ ہونے والا ہے، لیکن دفعتہً ۴ ربیع الاول ۸۸۶ھ مطابق ۳ مئی ۱۴۸۱ء کو اکیاون سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا، فاتح کی موت سے یورپ کی جان میں جان آئی، تجہیز و تکفین اس مشہور مسجد میں ہوئی جسے اس نے قسطنطنیہ میں تعمیر کرایا تھا، وہ پہلا سلطان تھا جو اس نئے دار السلطنت میں دفن ہوا،

فوجی قابلیت سلطان محمد ثانی کا عہدِ حکومت شروع سے آخر تک میدانِ جنگ میں گذرا، کریمیا، روڈس اور اوٹرانٹو کی مہموں کے علاوہ ہر جنگ میں فوج کی کمان اُسی کے ہاتھ میں تھی، اور بلغراد کے علاوہ کسی معرکہ میں اسے شکست نہیں ہوئی، فاتح کا لقب اسے قسطنطنیہ کی فتح پر حاصل ہوگیا تھا لیکن اس کی ہر جنگ اس لقب کی تصدیق کرتی ہے، ایک سپہ سالار کی حیثیت سے وہ مراد ثانی پر بھی فوقیت لیگیا تھا، فوجی قابلیت میں اُس کا کوئی افسر اس کا ہم پلہ نہ تھا، حالانکہ احمد کدک پاشا، محمود پاشا اور بعض دوسرے عثمانی سپہ سالاروں کا شمار اس وقت دنیا کے بہترین جنرلوں میں ہوتا تھا، وہ اپنے ارادوں کو بالکل راز میں رکھتا اور اُس کے کسی کمانڈر کو بھی پہلے سے معلوم نہ ہوتا کہ حملہ کس سمت ہونیوالا ہے، ایک بار جب کسی مہم کے لئے فوجیں جمع ہونے لگیں اور اس کے خاص افسروں میں سے ایک نے محمد سے پوچھا کہ در اصل کون سا شہر یا ملک پیش نظر ہے، تو اس نے سختی سے جواب دیا کہ "اگر میری داڑھی کے ایک بال کو بھی اس کی اطلاع ہوجائے تو میں اسے توڑ کر آگ میں ڈال دوں" وہ جنگ کی کامیابی کے لئے راز داری اور سرعت عمل کو ضروری شرطیں خیال کرتا تھا، اور اس نے ہمیشہ اسی اصول کی پابندی کی، جب وہ

کسی حملہ کا عزم کر لیتا تو اسے پوری تیاری اور انتہائی شدت کے ساتھ انجام تک پہنچاتا، اسی وجہ سے عموماً اس کی مہمیں تھوڑے عرصہ میں سر ہو جاتی تھیں، البتہ وینس کے ساتھ لڑائیوں کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ سولہ برس تک قائم رہا، اسی طرح البانیا کی فتح میں بھی کئی برس لگ گئے، لیکن یہ استثنائی مثالیں ہیں،

علوم وفنون کی سرپرستی

محمد کی عظمت فتوحات کے وسیع دائرہ میں محدود نہ تھی، اُسکی خداداد قابلیت کے جوہر رزم و بزم دونوں جگہ یکساں طور پر نمایاں تھے، بہترین اساتذہ کے زیر نگرانی اُس نے حیرت انگیز سرعت کے ساتھ علوم وفنون کی تحصیل کی تھی، اپنی مادری زبان کے علاوہ عربی، فارسی، عبرانی، لاطینی اور یونانی زبانوں پر بھی بہت قدرت رکھتا تھا، دنیا کی تاریخ اور جغرافیہ سے اُسے پوری واقفیت تھی، وہ ایک بلند پایہ شاعر اور شعر وسخن کا بہت بڑا سرپرست بھی تھا، اُسکے دربار سے تیس عثمانی شعراء کو وظیفے ملتے تھے، اور وہ ہر سال گراں قدر تحائف خواجہ جہاں (ہندوستان) اور مولانا جامی (ایران) کی خدمت میں بھی بھیجا کرتا تھا[1]، اس کی محفلیں علماء اور اہل کمال سے معمور رہا کرتی تھیں، اُس نے قسطنطنیہ اور سلطنت کے دوسرے شہروں میں نہایت کثرت سے مسجدیں، ہسپتال، مکاتب اور مدارس قائم کئے، اور ان کے اخراجات کے لئے بڑی بڑی جائدادیں وقف کیں، اس کے تعلیمی نظام کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے آتا ہے، اُس کی علم دوستی کا اثر اُس کے اعلیٰ عہدہ داروں پر بھی پڑتا تھا، چنانچہ محمود پاشا نے جو شاعر بھی تھا، کئی مدرسے قائم کئے، مشرق و مغرب کے ناموروں کے کارنامے اُس کے مطالعہ میں رہا کرتے تھے، گبن آخری بازنطینی مورخ فرانزا (Phranza)

۱؎ "ترکی" از لین پول ص ۱۰۲،

کے حوالہ سے جو محمد فاتح کا ہمعصر تھا اور فتح قسطنطنیہ میں گرفتار بھی ہو گیا تھا، لکھتا ہی کہ سلطان سکندر، اغسطس قسطنطین اور تھیوڈوسیس کے سوانح حیات اور کارنامے بڑے انہماک سے پڑھا کرتا تھا، اُس کے حکم سے یونانی سوانح نگار پلوٹارک (Plutarch) کی مشہور و معروف تالیف جو مشاہیرِ یونان و رومہ کے تذکروں پر مشتمل ہے ترکی زبان میں ترجمہ کی گئی،[۱]

اخلاق و سیرت

لیکن علم و مذہب کا جو اثر تہذیبِ نفس پر پڑنا چاہیئے تھا وہ کما حقہٗ ظاہر ہوا، اور محمد کی بیباک فطرت بعض اخلاقی پابندیوں سے عموماً آزاد رہی، وہی مغربی مورخین جو مراد ثانی کے مکارمِ اخلاق اور شریفانہ اوصاف کے مداح ہیں اور اُس کے سی سالہ عہدِ حکومت کے ایک واقعہ کو بھی قابلِ الزام نہیں ٹھہراتے محمد ثانی کی سنگدلی بے اعتمادی، اور عیاشی کی داستان بے تکلف بیان کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ خفیف سے اشتعال پر وہ قتل کا حکم دیدیتا تھا، یہانتک کہ بڑے بڑے پاشاؤں اور وزیروں کو بھی اپنی جان کی طرف سے کبھی اطمینان نہیں رہتا تھا، چنانچہ اسکے عہد میں دو صدر اعظم بغیر کسی سابق تنبیہ یا اطلاع کے اس کے حکم سے دفعۃً قتل کر دیئے گئے، لین پول کا بیان ہے، کہ معاہدوں کے توڑنے میں وہ اہل ہنگری کا حریف تھا، ہیتھویل کہتا ہے کہ اپنے عیسائی ہمعصروں کی طرح محمد اس مفید اصول کا قائل تھا کہ جو عہد کفار کے ساتھ باندھا جائے اس کی پابندی ضروری نہیں، دوسرے مغربی مورخین نے بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے ہیں اور اُن کی تائید واقعات سے کی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جن معاصرین سے محمد کا سابقہ تھا، اُن کا طرزِ عمل اس باب میں کیا تھا، لارڈ ایورسلے محمد کی سنگدلی اور نقضِ عہد کے

---

[۱] گبن جلد ۴ ص ۲۷۵، فٹ نوٹ،

متعدد واقعات بیان کرنے بعد آخر میں لکھتا ہے:۔

"محمد کے مظالم اور غداریوں پر ایک بلند معیار کے لحاظ سے رائے قائم کرنا شاید قرین انصاف نہیں ہے، اُس کے دشمن یعنی ان ملکوں کے فرماں روا جن پر اُس نے چڑھائی کی اور جنھیں اس نے فتح کیا، ان باتوں میں اکثر اس سے کم نہ تھے۔ اسکندر بیگ جس کو البانیا کی وطن پرستانہ مدافعت کے صلہ میں اپنے ملک کے اندر ایک ولی کی شہرت اور تاریخ میں ایک بلند مقام حاصل ہوا، جب کبھی اُسے موقع ملتا، حد درجہ سفاک و انتقام جو ثابت ہوتا، وہ جنگ کے قیدیوں کو عادۃً قتل کرا دیتا تھا، اس معاملہ میں موریا کے دونوں حکمراں بھی پیچھے نہ تھے، ولاچیا کا فرماں روا جس کا نام ولاد تھا تاریخ کے شدید ترین ظالم اور خونخوار بدمعاشوں میں تھا، وہ "امپیلر" (Impaler) یعنی جسم میں میخیں ٹھونک کر ہلاک کرنے والا مشہور تھا، اُسے ان قیدیوں اور دوسرے مظلوموں کی جنھیں وہ اس ظالمانہ طریقہ سے قتل کراتا مرتے وقت کی اذیت اور تڑپ دیکھنے میں خاص لطف آتا تھا، وہ اس غرض سے اس کی ضیافتوں کی رونق کے لئے محفوظ رکھے جاتے تھے، ایک بار جب کسی مہمان نے اس بات پر تعجب ظاہر کیا کہ وہ ایسی موت سے مرنے والوں کے جسم کی بو کیسے برداشت کرتا ہے، تو اس نے اس مہمان کو فوراً سولی پر چڑھوا دیا اور حکم دیا کہ سولی کا کھمبا دوسروں سے زیادہ بلند رکھا جائے تاکہ جس بو کی مہمان نے شکایت کی ہے اُسکی تکلیف اسے نہ پہنچے"۔[1]

اشتعال یا انتقام کے موقع پر محمد ثانی نے جو کچھ بھی کیا ہو تاہم اُس کی فطرت نرم و لطیف جذبات سے محروم نہ تھی، قسطنطنیہ کی فتح کے روز اُس نے جس رحمدلی اور

---

[1] ایور سلے ص ۹۵۔

رقیق القلبی کا ثبوت دیا، اُس کی مثال اُسکے کسی ہمعصر نے کبھی پیش نہ کی، ڈیوک نوٹاراس جو افواجِ قسطنطنیہ کا سپہ سالار اعظم تھا جب گرفتار کر کے اس کے سامنے لایا گیا، تو محمد نے اسے نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اپنی سرپرستی کا بھی یقین دلایا، اس نے ڈیوک کے ساتھ یہاں تک نوازش کی کہ اسکی بیوی کی عیادت کے لئے گیا جو علالت اور تازہ مصیبت کے غم سے پریشان تھی، اور نہایت نرمی اور احترام کے ساتھ جس طرح کوئی لڑکا اپنی ماں کو سمجھائے اسے تسلی وتشفی دی، ایسی ہی نرمی کا برتاؤ اس نے حکومت کے بڑے بڑے افسروں کے ساتھ بھی کیا، اور اُن میں سے کئی ایک کا زرفدیہ اُس نے خود ادا کیا، چند ہی دنوں میں اس کے عفو وکرم کا دامن تمام باشندگانِ شہر تک دراز ہو گیا"[۱]

مگر جلد ہی یہ دامن خون کے دھبوں سے داغدار نظر آنے لگا، نوٹاراس اور اس کے لڑکوں کے قتل کا واقعہ عیسائی مورخوں نے محمد کے نقضِ عہد، سنگدلی اور نفس پرستی کی ایک بیّن مثال کے طور پر لکھا ہے، اور دل کھول کر اسے بُرا بھلا کہا ہے، لیکن گبن کی تحقیق نے حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، اور ایک بازنطینی مورخ کی حق گوئی سے بہتان کی یہ پوری عمارت جو بغض وعناد کی بنیاد پر قائم تھی مسمار ہو گئی ہے عیسائی مؤرخین ڈیوک اور اُس کے لڑکوں کو شہادت کا درجہ دیتے ہیں، اور قتل کا سبب یہ قرار دیتے ہیں کہ اس نے اپنے لڑکوں کو سلطان کی خلوتِ عیش میں بھیجنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن واقعہ یہ تھا کہ یہ قتل ایک سازش کا نتیجہ تھا جو نوٹاراس قسطنطنیہ کی رہائی کے لئے اٹلی سے کر رہا تھا، گبن لکھتا ہے کہ "ایسی باغیانہ سازش قابلِ ستایش ہو سکتی ہے، لیکن جو باغی دلیرانہ جرأت کرتا ہے وہ اس کی یاداش میں اپنی جان کے حق سے بجا طور پر محروم ہو جاتا ہے، اور

---

[۱] گبن جلد ۳ صہ ۱۸۵،

اگر کوئی فاتح اپنے دشمنوں کو قتل کر دے جن پر آیندہ وہ اعتبار نہیں کر سکتا تو ہمیں اسکو ولی نعمت
نہ قرار دینا چاہیے"[1]

محمد ثانی ایک مطلق العنان فرماں روا کی طرح حکومت کرنا چاہتا تھا، اور کسی دوسرے
کی مداخلت کو گوارا نہ کرتا، عثمان سے لیکر مراد ثانی تک تمام سلاطین اپنے وزیروں اور
سپہ سالاروں سے مشورے لیا کرتے تھے، اور انھیں شریک دستر خوان بھی کرتے تھے لیکن
محمد نے اس دستور کو اٹھا دیا، وہ صرف احکام نافذ کرتا اور کسی کو محرم راز نہ بناتا، کھانا بھی وہ تنہا کھایا کرتا تھا،

آئینِ سلطنت ایک واضعِ قانون کی حیثیت سے سلطان محمد ثانی اپنے تمام پیشرووں
سے ممتاز نظر آتا ہے، اورخان کے عہد میں دولت عثمانیہ کے پہلے وزیر علاء الدین نے چند
فوجی اصلاحات جاری کی تھیں جن کی تکمیل مراد اول کے زمانہ میں ہوئی لیکن نظام حکومت
کے لئے کوئی دستور اس وقت تک مرتب نہ ہوا تھا، محمد ثانی پہلا سلطان ہے جس نے
آئینِ سلطنت کو باضابطہ طور پر ترتیب دیا، اس کا "قانون نامہ" سلطنت عثمانیہ کا بنیادی دستور ہے،

ارکانِ حکومت قانون نامہ میں سلطنت کو ایک خیمہ سے تشبیہ دی گئی ہے، جو چار ستونوں
پر قائم ہے یعنی (۱) وزرائے سلطنت، (۲) قضاۃ عسکر (۳) دفتر دار (خازن) اور
(۴) نشانجی (معتمد سلطنت) اس شاہی خیمہ کا بلند دروازہ باب عالی کے نام سے موسوم
ہے جس سے مراد حکومت عثمانیہ ہے،

وزراء حکومت کے سب سے بڑے عہدہ دار تھے، محمد ثانی کے عہد میں ان کی مقررہ
تعداد چار تھی، ان کا صدر، وزیر اعظم، سلطنت کے تمام عہدہ داروں کا افسر اعلیٰ تھا، اسی
کے پاس حکومت کی مہر رہا کرتی تھی جو بلند ترین منصب کا نشان تھا، تفصیلات پر غور و بحث

---

[1] گبن، جلد ۴ صفحہ ۵۰۲،

کرنے کے لئے اُسے اپنے مکان پر بھی مجلسِ وزرار کے منعقد کرنے کا اختیار حاصل تھا،
قضاۃ عسکر کا تقرر علمار کی جماعت سے ہوتا تھا، محمد کے زمانہ میں قاضی عسکر دوؔ تھے،
ایک یورپ کی تمام عثمانی عدالتوں کا صدر تھا، دوسرا ایشیا کی، علمار ہی کی جماعت سے
تین بڑے عہدہ دار اور مقرر کئے جاتے تھے جن کا مرتبہ اُس وقت قضاۃ عسکر کے بعد تھا،
(۱) خواجہ، جو سلطان اور شہزادوں کا اتالیق ہوتا تھا (۲) مفتی اور (۳) قاضی قسطنطنیہ
نشانجی کے سپرد سرکاری دستاویزوں کے تیار کرنے اور ان پر سلطان کا طغرا ثبت کرنے
کی خدمت تھی، یہ منصب بعد کو صرف تعظیمی رہ گیا، اس کے تمام متعلقہ فرائض بتدریج رئیس آفندی
(چیف سکرٹیری) کی طرف منتقل ہو گئے،

دیوان | حکومت کی مجلسِ حل و عقد کا نام دیوان تھا، سلطان کی غیر موجودگی میں وزیر اعظم
اس کا صدر ہوتا تھا، دوسرے وزرار اور قضاۃ عسکر اس کے داہنے بازو پر بیٹھتے تھے،
دفتردار اور نشانجی کی جگہیں بائیں جانب تھیں، ضرورت کے وقت دیوان کا خاص
اجلاس وزیر اعظم کے مکان پر بھی ہوتا تھا،

آغا | ان عمائدین سلطنت کے علاوہ بڑے بڑے آغا بھی تھے جو سلطنت کے دست و بازو
سمجھے جاتے تھے، ان کی دو قسمیں تھیں، خارجی آغا اور داخلی آغا، خارجی آغا کی جماعت سے
وہ فوجی حکام منتخب ہوتے تھے جن کے سپرد صوبوں کی حکومت ہوتی تھی، داخلی آغا دربار کے
عہدوں پر مامور ہوتے تھے، فوجی آغاؤں میں ینی چری کے آغا اور سپاہی اور دوسرے سوار
دستوں کے آغا خاص طور پر ممتاز تھے، ینی چری کا آغا قسطنطنیہ کی پولیس کا افسر اعلیٰ بھی ہوتا
تھا، داخلی آغا قصر سلطانی کے اعلیٰ عہدہ دار ہوتے تھے، مثلاً قاپو آغا (گورے خواجہ سراؤں کا
افسر)، قیزلر آغا (حبشی خواجہ سراؤں کا افسر) بوستانجی باشی (باغبانوں کا افسر)، چاؤش باشی

(حکومت کے قاصدوں کا افسر) وغیرہ، محکمۂ دیوانی کے بہت سے عہدوں پر بھی یہ اغلی آغا مقرر کئے جاتے تھے،

سنجق بے | محمد فاتح کے عہد میں صوبوں کی حکومت بے اور بیلربے کے سپرد ہوتی تھی، بے وہ پاشا کہے جاتے تھے، جن کے نیزے کے سرے پر ایک گھوڑے کی دم باندھی جاتی تھی، یہ عثمانیوں کا فوجی نشان تھا، بیلربے وہ پاشا تھے جن کے علم میں دو گھوڑوں کی دُمیں ہوتی تھیں، یہ اُن جاگیرداروں کے سردار تھے جنکو فوجی خدمات کے صلہ میں زمینیں دی گئی تھیں، اور جن کے فرائض میں داخل تھا کہ جنگ کے موقعوں پر مسلّح ہو کر حاضر ہو جایا کریں، یہ لوگ ایسے وقتوں میں اپنے اپنے سرداروں کے علم کے نیچے جمع ہو جاتے تھے، علم کو ترکی زبان میں سنجق کہتے ہیں، اور چونکہ ہر علاقہ کا سنجق الگ تھا، اس لئے ان علاقوں کا نام ہی سنجق پڑ گیا، اور ان کے سرداروں کو سنجق بے کہنے لگے، پاشا کا لقب جو عموماً صوبوں کے والیوں کو دیا جاتا تھا حقیقۃً کسی حاکمانہ اختیار یا فوجی منصب کا نشان نہ تھا، بلکہ محض ایک اعزازی لقب تھا، ابتداءً عثمانیوں میں پاشا کے لقب کا استعمال صرف اُن افسروں کے لئے نہیں ہوتا تھا جو فوج کی قیادت کرتے تھے یا جن کے ہاتھ میں صوبوں یا شہروں کی حکومت تھی، جن اول پانچ پاشاؤں کا ذکر عثمانی مصنفین نے کیا ہے اُن میں سے تین ادیب تھے[1]، رفتہ رفتہ یہ اعزازی لقب اُن لوگوں کیلئے مخصوص ہو گیا جو سلطان کی طرف سے فوج کے کمانڈر اور علاقوں اور اہم شہروں کے حاکم مقرر کئے جاتے تھے، یہاں تک کہ لفظ پاشا لفظ گورنر کا تقریباً مترادف ہو گیا،

---

[1] فان ہیمر بحوالہ کریسی جلد ا صفحہ ۱۶،

محمد ثانی کے زمانہ میں چھتیس ۳۶ سنجق سلطنت عثمانیہ کے صرف یورپی علاقوں میں تھے، جنمیں سے ہر ایک کے نیچے چار چار سو سوار جمع ہوتے تھے، یورپ اور ایشیا میں سلطنت کے باضابطہ سواروں اور پیادوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی، اس میں وہ سوار اور پیادے شامل نہ تھے جو ہر جنگ کے موقع پر بطور خود اپنی خدمات پیش کرتے تھے، اور جن کا معاوضہ صرف مالِ غنیمت تھا، سلطنت کی سالانہ آمدنی بیس لاکھ دوکات سے زیادہ تھی، آمدنی کی مدوں میں مالگذاری کے علاوہ محصولِ درآمد، معدنیات، جرمانے اور خراج کی رقمیں بھی شامل تھیں،

علمار قانون نامہ کا نہایت اہم حصہ وہ ہے جسمیں مذہب اور عدالت کے عہدہ داروں کا نظام قائم کیا گیا ہے، چونکہ قضاۃ عسکر کا تقرر علمار کی جماعت سے ہوتا تھا اور وہ خیمہ سلطنت کے چار ستونوں میں سے ایک ستون تھے، اس لئے محمد ثانی نے اس جماعت کی تعلیم و تنظیم پر خاص توجہ کی، کریسی لکھتا ہے:-

"محمد ثانی کے پیشیروں، خصوصاً اورخاں کو اسکولوں اور کالجوں کے قائم کرنے کا بہت شوق تھا، لیکن محمد ان سب سے بڑھ گیا، اسی نے "سلسلہ علما" کو قائم کیا اور سلطنت کے مفتیوں اور قاضیوں کی تعلیم و ترقی کا ضابطہ مرتب کیا، فاتح قسطنطنیہ خوب جانتا تھا کہ ایک بڑی سلطنت کے پیدا کرنے اور اسے قائم رکھنے کے لئے جوانمردی اور فوجی مہارت کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ضروری ہیں محمد نے جو خود بھی علوم میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا، اپنی رعایا میں تعلیم پھیلانے کے لئے بڑی عالی حوصلگی سے کام لیا، وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ عدالت کا نظم و نسق جیسا کہ چاہیے درست رکھنے کے لئے ناگزیر ہے کہ قاضیوں کا احترام قائم کیا جائے، اور ان کا احترام قائم کرنے

کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف علم و دیانت سے آراستہ ہوں، بلکہ سلطنت کے اونچے اور باعزت عہدوں پر مامور بھی کئے جائیں، نیز افلاس کے وسوسوں اور پریشانیوں سے محفوظ کر دیئے جائیں۔[۵۱]"

اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر محمد ثانی نے تعلیم کا جو نظام مرتب کیا، وہ مذہبی اور علمی حیثیت کے علاوہ سیاسی حیثیت بھی رکھتا تھا، جیسا کہ مولانا شبلی نے لکھا ہے "پچھلے عہد میں تمام مدرسے محض مذہبی مدرسے ہوتے تھے اگرچہ ان میں اور علوم بھی پڑھائے جاتے تھے، لیکن ترکوں کا سررشتہ تعلیم پولیٹکل حیثیت رکھتا تھا، وہ سلطنت کے لئے لائق لائق عہدہ دار پیدا کرتا تھا۔[۵۲]" علاوہ مکاتب کے جو ہر قصبہ کے ہر محلہ اور تقریباً تمام بڑے بڑے دیہاتوں میں کھول دیئے گئے تھے محمد نے کثرت سے اونچے درجہ کے مدرسے بھی قائم کئے اور ان پر جائدادیں وقف کیں، یہ مدرسے موجودہ زمانہ کے کالجوں کے برابر تھے ان میں دس مضامین کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی یعنی صرف، نحو، منطق، مابعد الطبیعیات، لسانیات، بلاغت، طرز تحریر، فن خطابت، اقلیدس اور ہیئت، جو طلبہ ان تمام مضامین میں پوری دستگاہ حاصل کر لیتے تھے، ان کو دانشمند کی سند ملتی تھی جو موجودہ یونیورسٹیوں کے ایم اے کی سند کے برابر تھی، یہ سند کسی ابتدائی مدرسہ کی اعلیٰ مدرسی کے لئے کافی سمجھی جاتی تھی، لیکن علماء کی جماعت کا رکن بننے کے لئے دانشمند کی سند حاصل کرنے کے بعد فقہ اور اصول فقہ کا ایک طویل نصاب مکمل کرنا پڑتا تھا، اور مختلف امتحانات پاس کرنے پڑتے تھے، اس جماعت میں وہی لوگ داخل کئے جاتے تھے جو علوم کے بلند ترین

---

۵۱ کریسی جلد ا صفحہ ۱۶۹،

۵۲ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" از مولانا شبلی نعمانی،

مراتب پر فائز ہوتے، اور ایسے لوگوں کو حکومت کی طرف سے بڑے بڑے عہدے اور منصب ملتے تھے، اور انھیں خاص رعایتیں اور حقوق حاصل تھے، مدرسوں (کالجوں) کے اساتذہ جو مدرس کہے جاتے تھے، علمار ہی کی جماعت سے مقرر ہوتے تھے، اور اسی جماعت سے تمام حکام عدالت کا انتخاب بھی ہوتا تھا، مثلاً قصبوں اور دیہاتی علاقوں کے قاضی ملّا یعنی بڑے بڑے شہروں کے قاضی، استنبول آفندی یعنی قسطنطنیہ کا قاضی اور ناظر اعلیٰ، قضاۃ عسکر یعنی رومیلیا اور اناطولیہ کے قاضی القضاۃ، اور مفتی، یہ بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ علمار کی جماعت کوئی مخصوص مذہبی جماعت نہ تھی بلکہ ایک علمی جماعت تھی، جس سے بڑے بڑے ملکی عہدہ دار، حکام فوجداری اور مدرسوں کے اساتذہ مقرر کئے جاتے تھے، خالص مذہبی جماعت جس میں مسجدوں کے امام، خطیب اور مبلغین شامل تھے، طبقہ علمار کا محض ایک جزو تھی، عام خیال یہ ہے کہ اس مذہبی گروہ کا اثر عثمانی ترکوں پر بہت زیادہ تھا، اور اکثر مغربی مورخین نے بھی دولت عثمانیہ کے زوال کا ایک بڑا سبب علمائے مذہب ہی کو قرار دیا ہے، جن کا جمود ترقی کی ہر راہ کا پتھر تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس جماعت کا اثر بہت کم تھا، فان ہیمر لکھتا ہے: "نام نہاد مذہبی گروہ یعنی مسجدوں کے اماموں، موذنوں اور خطیبوں کا اثر سلطنت عثمانیہ میں شاید ہر مملکت سے کم ہے، برخلاف اس کے معلمین کی جماعت کا اقتدار اور اہمیت اس قدر ہے کہ اس کی مثال چین کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی"[1] کریسی جس کی تحقیق فان ہیمر کے علاوہ دوسرے قدیم ماخذوں پر بھی مبنی ہے، اس کی تائید کے ذیل میں لکھتا ہے: "عثمانیوں کے شرف و افتخار کا یہ واقعہ بھی ضبط تحریر میں لانا چاہئے، کہ ان مدرسین اور ان تمام اشخاص

---

[1] "ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ" جلد ۲۴ ص ۳۳۴،

کا احترام جو خود علمی فضیلت میں ممتاز ہوں یا اس کے حاصل کرنے میں دوسروں کی رہنمائی کا خاص ملکہ رکھتے ہوں، ہر عیسائی قوم سے زیادہ کیا جاتا ہے۔[1]"

خونین قانون سلطان محمد ثانی نے حکومت کی ابتدا اپنے شیر خوار بھائی کے قتل سے کی تھی، جب اُس نے قانون نامہ کو مرتب کرنا شروع کیا، تو برادر کشی کو بھی سلطنت کے تخت نشین کے لئے ایک قانون بنا دیا، اور یہ دفعہ دستورِ حکومت میں درج کر دی:۔

"میرے فقہا کی اکثریت نے یہ فتویٰ صادر کیا ہے کہ میرے جانشینوں میں سے جو تخت پر بیٹھیں وہ دنیا کے امن و امان کی غرض سے اپنے بھائیوں کو قتل کر سکتے ہیں اُن کا فرض ہوگا کہ اس پر کاربند ہوں[2]"

---

[1] کریسی جلد ۱ صـ۱۰۲ ۔ [2] فان ہیمر بہ حوالہ کریسی جلد ۱ صـ۱۸۲ ۔

بایزید ثانی

سنہ ۸۸۶ھ تا سنہ ۹۱۸ھ مطابق سنہ ۱۴۸۱ء تا سنہ ۱۵۱۲ء

سلطان محمد ثانی نے اپنی وفات پر دو لڑکے چھوڑے، بڑا لڑکا شہزادہ بایزید اماسیا کا حاکم تھا، اور چھوٹا شہزادہ جم (جمشید) کرمانیہ کا، بایزید کا میلان طبع زیادہ تر مذہب اور فلسفہ کی جانب تھا، جس کی وجہ سے لوگ اُسے صوفی کہتے تھے، وہ نہایت سادہ مزاج حلیم، نرم خو اور پابند شرع تھا، شاعری سے بھی خاص ذوق رکھتا تھا، لیکن ان خصوصیات کے باوجود سپاہیانہ شجاعت میں بھی کم نہ تھا، اور میدان جنگ میں پہونچکر یہ صوفی مجاہد بن جاتا تھا، شہزادہ جم میں زیادہ تر سلطان محمد کے اوصاف پائے جاتے تھے، وہ فنون حرب کا ماہر اور شجاعت میں اپنے باپ کا مماثل تھا، حکمرانی کا ملکہ اور ملک گیری کی اہلیت اسے خداداد حاصل تھی، اس کے ساتھ شاعری میں بھی اس کا پایہ بلند تھا،

جس وقت سلطان محمد کے انتقال کی خبر قسطنطنیہ میں مشتہر ہوئی ینی چری نے تمام شہر میں لوٹ مار شروع کردی، اور وزیر اعظم کو جس نے سلطان کی وفات کو مخفی رکھنے کی کوشش کی تھی قتل کردیا، چونکہ وزیر اعظم کے متعلق معلوم تھا کہ وہ شہزادہ جم کا طرفدار ہے، اس لئے شہزادہ بایزید کے حامیوں نے بہ آسانی ینی چری کی حمایت حاصل کرلی اسکے بعد باقی افواج نے بھی

ینی چری کے تتبع میں بایزید کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا، شہزادہ جم کو سلطان کی وفات کی اطلاع دیر میں ہوئی، اس درمیان میں شہزادہ بایزید نے قسطنطنیہ پہنچ کر تخت پر قبضہ کر لیا، ینی چری نے اُس کی حمایت کی، لیکن تخت نشینی کے موقع پر اپنی تنخواہوں میں اضافہ اور بخشش کا مطالبہ بھی پیش کیا، اس رسم کی بنا سلطان محمد کی تقریب تاج پوشی میں پڑ چکی تھی، بایزید کو مجبوراً یہ مطالبہ پورا کرنا پڑا، اسکے بعد تین سو برس تک یہ دستور قائم رہا کہ ہر نئے سلطان کی تخت نشینی کے وقت ینی چری کو بڑی بڑی رقمیں بطور انعام کے دی جاتی تھیں، بقول کریسی یہ رسم جس قدر خزانہ شاہی کے لئے بار تھی اسی قدر سلاطین کے لئے باعث شرم تھی،

شہزادہ جم خاندان عثمانی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اُس کا کوئی شہزادہ تاج و تخت سے کم پر کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا، اسی لئے کسی سلطان کے مرنے پر اس کے لڑکوں میں تخت سلطنت کے لئے جنگ کا شروع ہو جانا لازمی تھا، چنانچہ اس موقع پر بھی اگرچہ بایزید تخت پر قابض ہو چکا تھا، اور تمام فوج اور امرائے دولت نے اس کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا، تاہم شہزادہ جم نے علم بغاوت بلند کر دیا اور جنگ چھڑ گئی، وہ جانتا تھا کہ اُس کے والد نے جو خونیں قانون دستور سلطنت میں داخل کر دیا ہے، اسکی وجہ سے اُس کی جان ہر وقت خطرہ میں ہے، لہذا اطاعت قبول کرنے کے بعد بھی اسے بایزید کی طرف سے اطمینان نہیں ہو سکتا تھا، اعلانِ جنگ سے قبل اُس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ سلطنت ۲ دو حصوں میں تقسیم کر دی جائے، یورپ کے صوبے بایزید کی حکومت میں رہیں، اور ایشیا کے صوبوں پر جم کی حکومت تسلیم کر لی جائے، لیکن بایزید نے اس تجویز کو مسترد کر دیا، اب لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، ۲۰ رجون ۱۴۸۱ء کو احمد کدک پاشا

نے جم کو شکست دی اور وہ بھاگ کر سلطانِ مصر کے دربار میں پناہ گزیں ہوا، دوسرے سال مصر کی فوجی مدد کیساتھ وہ پھر واپس ہوا، اور ایشیائے کوچک کے بعض ترکی سردار اس کی حمایت میں کھڑے ہوئے، لیکن اس مرتبہ بھی اُسے شکست کھا کر وطن چھوڑنا پڑا، اب کی بار وہ بجائے مصر کے روڈس پہنچا، تاکہ وہاں سے مدد لے کر سلطنت عثمانیہ کے یوروپین مقبوضات میں داخل ہو اور از سرِ نو قسمت آزمائی کرے، روڈس مبارزینِ یروشلم کے قبضہ میں تھا، اُن کا سردار ڈی آبوسن (D'Aubusson) ایک نہایت چالاک اور غدار شخص تھا، اُس نے ایک طرف تو شہزادہ جم کو مدد دینے کا وعدہ کیا اور اُس سے یہ معاہدہ کرایا کہ بصورت کامیابی وہ مبارزینِ روڈس کو بعض مخصوص اور اہم مراعات عطا کرے گا، اور دوسری طرف سلطان بایزید سے یہ طے کیا کہ پینتالیس ہزار دوکات سالانہ کے عوض وہ جم کو نظر بند رکھے گا، چنانچہ سات برس تک یہ بدنصیب شہزادہ روڈس اور پھر فرانس کے مختلف مقامات میں جو مبارزینِ روڈس کے قبضہ میں تھے، ظاہری احترام کے باوجود در اصل ایک قیدی کی طرح زندگی بسر کرتا رہا، تمام یوروپ کو جم کے معاملہ سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، اور متعدد بادشاہوں نے شہزادہ کو حاصل کرنے کے لئے ڈی آبوسن سے مراسلت شروع کر دی تھی، وہ چاہتے تھے کہ اسے بایزید کے مقابلہ میں کھڑا کر کے سلطنت عثمانیہ کو نقصان پہنچائیں، لیکن ڈی آبوسن پینتالیس ہزار دوکات سالانہ کی رقم سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھا، وہ معاملہ کو عمداً طول دیتا رہا، اس درمیان میں اُس نے شہزادہ جم کی ماں اور بیوی سے بھی، جو اُس وقت قاہرہ میں مقیم تھیں خط و کتابت شروع کر دی تھی، اور انھیں یقین دلایا تھا کہ اگر بیس ہزار دوکات ادا کر دیئے جائیں تو شہزادہ فوراً قاہرہ پہنچا دیا جائیگا، ڈی آبوسن کے وعدہ پر اعتماد

کر کے ان خواتین نے یہ رقم اُس کے پاس بھیجدی تھی، مگر مبارزین یروشلم کا مقدس پیشوا ایفاے عہد کی پابندی سے بالاتر تھا، عیسائی مورخین بھی اس شرمناک فریب پر اظہار نفرت کرتے ہیں، بالآخر شاہِ فرانس، چارلس ہشتم نے جم کو ڈی آبوسن کے پنجہ سے رہا کر کے پوپ اینوسنٹ ہشتم (Innocent VIII) کے پاس رومہ بھیج دیا، یہاں بھی اسکی حیثیت حقیقۃً ایک قیدی ہی کی تھی، اگرچہ اینوسنٹ نے اُس کے ساتھ بڑی ہمدردی کا اظہار کیا اور اُس کو اپنے محل میں عزت واحترام کے ساتھ رکھا، اب پوپ نے چالیس ہزار دوکات سالانہ کی رقم شہزادہ کی نگرانی کے صلہ میں بایزید سے وصول کرنا شروع کی، چند سال کے بعد اینوسنٹ مرگیا، اور اُس کا جانشین پوپ اسکندر بورجیا (Alexander Borgia) ہوا جو اپنے ہلاکت پاش جرائم کی وجہ سے عالمگیر شہرت کا مالک ہے، اسکندر بورجیا نے اپنا ایک سفیر سلطان بایزید کی خدمت میں بھیجکر شہزادہ جم کی نظربندی سے متعلق سابق معاہدہ کی تجدید کی، اور اس میں ایک اہم دفعہ کا اضافہ یہ کیا کہ اگر وہ سلطان کو شہزادہ کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مطمئن کردے تو بجاے چالیس ہزار دوکات سالانہ وصول کرنے کے تین لاکھ دوکات یکمشت کا مستحق ہوگا، لیکن ابھی سلطان اور سفیرِ پوپ کے درمیان اس معاملہ پر گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ چارلس ہشتم نے اٹلی پر حملہ کردیا اور ۳۱ دسمبر ۱۴۹۵ء کو رومہ میں فاتحانہ داخل ہوا، چند روز کے بعد شاہ چارلس اور پوپ اسکندر کے درمیان صلح کی گفتگو شروع ہوئی، جس کی ایک اہم شرط یہ تھی کہ شہزادہ جم چارلس کے ساتھ فرانس جائیگا، اسکندر کو صلح کی خاطر یہ شرط منظور کرنی پڑی، اور شہزادہ فرانسیسی فوج کے سپہ سالار کے ساتھ رومہ سے روانہ ہوگیا، اسکندر بورجیا کو اگرچہ چالیس ہزار دوکات سالانہ سے محروم ہوجانا پڑا تاہم شہزادہ کے قتل سے تین لاکھ دوکات

کی خطیر رقم کا حاصل کرنا اب بھی ممکن تھا، اور وہ اس غرض میں تدبیر میں کامیاب ہوا، قتل کے طریقہ میں ترک اور اطالوی مورخین کے بیانات باہم مختلف ہیں، اطالوی مورخین کی روایت ہے کہ اسکندر بورجیا نے شہزادہ کے ایک خدمت گار سے سازش کرکے ایک خاص قسم کا سفید زہر شکر میں ملا کر کھلا دیا، ترک مورخین کا بیان ہے کہ مصطفےٰ نامی ایک نائی نے بورجیا کی تحریک سے شہزادہ کا خط بناتے وقت زہر کے بجھے ہوئے استرہ سے ایک خفیف سا زخم لگا دیا، بہرحال تمام مورخین کو اس امر پر اتفاق ہے کہ شہزادہ جم کا قتل پوپ اسکندر بورجیا ہی کی تحریک سے عمل میں آیا،[۱] زہر کا اثر فوراً ہی ظاہر نہ ہوا، بلکہ رفتہ رفتہ نمایاں ہوا، یہاں تک کہ چند دنوں کے بعد فاتح قسطنطنیہ کا وہ جواں سال وجواں ہمت فرزند جس نے اپنی عمر کے ۳۶ سال بھی ہنوز پورے نہ کئے تھے، اور جو تیرہ سال تک اسیری کی صعوبتیں برداشت کرچکا تھا، بیک وقت قید فرنگ وقید حیات سے آزاد ہوگیا، آخر وقت تک اُسے بیوی اور بچوں کے دیکھنے کی حسرت تھی، اُس کی آخری دعا یہ تھی:- "اے میرے رب اگر دین حق کے دشمن یہ چاہتے ہیں کہ میری ذات کو آلۂ کار بنا کر اُن تجویزوں کو تقویت پہنچائیں جو انھوں نے مسلمانوں کی بربادی کے لئے سوچ رکھی ہیں تو آج کے بعد مجھے زندہ نہ رکھ، بلکہ فوراً میری روح کو اپنی طرف اُٹھا لے۔" سلطان بایزید نے اُس کی نعش یورپ سے منگوالی اور اُسے شاہی تزک واحتشام کے ساتھ بروصہ میں سپردِ خاک کر دیا،

شہزادہ جم کے ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لین پول لکھتا ہے:-

"اس تمام غمناک سرگذشت سے یہ حیرت انگیز نتیجہ نکلتا ہے کہ دنیائے مسیحیت میں

---

[۱] کریسی جلد اصفحہ ۱۹۴،

ایک بھی ایمان دار بادشاہ نہ تھا، جو قیدی پر ترس کھاتا، اور نہ کوئی ایسا تھا جو گرینڈ ماسٹر (ڈی آبوسن)، پوپ، اور چارلس ہشتم کی غیر شریفانہ اور ضمیر فروشانہ سازشوں پر نفریں کرتا، ان میں سے ہر ایک غداری اور فضیحت کے انعام کے لئے دوسرے سے مسابقت کی کوشش کر رہا تھا، اپنے بھائی کو محفوظ نگرانی میں رکھنے کی خواہش کرنا بایزید کے لئے قابلِ معافی ہو سکتا ہے لیکن مسیحی کلیسا کے پیشوائے اعظم اور رہبانی نائٹوں کی جماعت کے سردار کی مدافعت میں کیا کہا جا سکتا ہے جنھوں نے کافر کی اشرفیوں کے لئے ایک بیکس و مجبور پناہ لینے والے کو دغا دی"[1]

اوٹرانٹو بایزید ثانی کا عہدِ حکومت فتوحات اور توسیعِ سلطنت کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا، تخت نشینی کے بعد اُس نے احمد کدک پاشا کو شہزادہ جم کی بغاوت فرو کرنے کے لئے اوٹرانٹو سے واپس بلا لیا، اور اُس کی جگہ خیر الدین پاشا کو مقرر کیا، خیر الدین پاشا کو حسبِ ضرورت مدد نہ پہونچ سکی، وہ بہت دنوں تک نہایت بہادری کے ساتھ دشمن کے حملوں کا مقابلہ کرتا رہا، مگر بالآخر شہر ڈیوک آف کلبریا (Calabria.) کو سپرد کر دینا پڑا، اوٹرانٹو کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر کبھی ترکوں کا قدم اٹلی کے کسی حصہ میں نہ جم سکا،

ہرزیگووینا ہرزیگووینا اب تک ایک باجگذار حکومت تھی، بایزید نے اسے مستقل طور پر سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا،

ہنگری ہنگری سے کئی سال تک چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن اس سے کوئی خاص نتیجہ حاصل نہ ہوا، اور آخر میں دونوں سلطنتوں میں صلح ہو گئی،

---

[1] "ترکی" از لین پول ص ۱۵۰،

بحری فتوحات البتہ جمہوریہ وینس سے جو لڑائی ۹۰۴ھ (۱۴۹۸ء) میں چھڑی وہ باعتبار اپنے نتیجہ کے بہت زیادہ اہم تھی، ترکوں نے موریا میں وینس کے تین باقی ماندہ قلعوں یعنی نوارنیو (Navarino) موڈن (Modon) اور کورن (Coron) کو بھی فتح کر لیا، اور اس طرح یونان میں وینس کے اثر کا خاتمہ ہو گیا، ترکی بیڑا محمد فاتح کے عہد ہی میں بحر روم کی تمام بحری طاقتوں پر فوقیت حاصل کر چکا تھا، بایزید ثانی نے اس کو اور زیادہ فروغ دیا، چنانچہ ۹۰۵ھ (۱۴۹۹ء) میں مشہور ترکی امیر البحر کمال رئیس نے وینس کے بیڑے کو زبردست شکست دے کر لیپانٹو (Lepanto) کے بندرگاہ پر قبضہ کر لیا، دوسرے سال وینس، آسٹریا، اسپین اور پوپ کے بیڑوں نے متحدہ طور پر ترکی بیڑے پر حملہ کیا، باوجود اس کے کہ عثمانی جہازوں کی مجموعی تعداد اتحادی بیڑوں سے بہت کم تھی، کمال رئیس نے کامیابی کے ساتھ اُن کا مقابلہ کیا، اور پھر آگے بڑھ کر مسلمانانِ غرناطہ کی درخواست پر جو عیسائیوں کے ظلم و ستم سے عاجز آچکے تھے، سواحلِ اسپین پر حملے کئے، لیکن مظلومین غرناطہ کو ان حملوں سے کوئی فائدہ نہ پہنچا، اور اُن کو آخر کار اپنا وطن چھوڑ کر اسپین سے نکل جانا پڑا،

مصر سے صلح ایشیا میں اب تک سلاطین عثمانی کو جن مخالفین سے سابقہ پڑا تھا وہ صرف ایشیائے کوچک کے امرا تھے، جنھوں نے دولت سلجوقیہ کی تباہی کے بعد خود مختار ریاستیں قائم کر لی تھیں، یہ تمام ریاستیں محمد فاتح کے عہد تک مستقل طور پر سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لی گئی تھیں، اور سلطان کو اپنے ایشیائی مقبوضات کی طرف سے اطمینان حاصل ہو چکا تھا، لیکن بایزید ثانی کے تخت پر آتے ہی عثمانیوں کو ایک نئے دشمن سے معاملہ کرنا پڑا، حکومت مصریہ اب تک سلطنت عثمانیہ کے معاملات سے بالکل

بے تعلق تھی، شہزادہ جم نے پہلی بار اُسکو عثمانی مقبوضات میں قدم رکھنے کی دعوت دی، اگرچہ اُس مہم میں مصری فوج کو شکست کھاکر پسپا ہونا پڑا، تاہم سلطنت عثمانیہ سے قوت آزمائی کی جرأت پیدا ہو گئی، اور مصریوں نے ایشیائے کوچک کے جنوبی مشرقی علاقوں پر دست درازیاں شروع کر دیں، دولت عثمانیہ اور مصر کے مملوک سلطانوں کے درمیان پہلی جنگ ۸۹۰ھ (۱۴۸۵ء) میں شروع ہوئی جسمیں ترکوں کو سخت شکست ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کرمانیہ نے بغاوت کر دی، عثمانی فوجیں اس بغاوت کے فرو کرنے میں تو کامیاب ہوئیں لیکن مصریوں کے مقابلہ میں انھیں پیچھے ہٹنا پڑا، بالآخر پانچ سال کے بعد اس جنگ کا سلسلہ ختم ہوا، اور بایزید ثانی نے اپنے تین قلعے سلطانِ مصر و شام کی نذر کر کے صلح کر لی،

سلیم کی بغاوت اور تخت نشینی بایزید کا عہدِ حکومت جس طرح خانہ جنگی سے شروع ہوا تھا اُسی طرح خانہ جنگی پر ختم بھی ہوا، اُس کے تینوں لڑکے کرکود، احمد اور سلیم ایشیائے کوچک کے مختلف صوبوں کے حکمراں تھے، کرکود بڑا لڑکا تھا، لیکن اس کا ذوق تمامتر علمی تھا اسلئے بایزید احمد کو جسے وہ سب سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اپنا جانشین بنانا چاہتا تھا، لیکن سلیم باوجود سب سے چھوٹا ہونے کے اپنی شجاعت اور فوجی قابلیت کی وجہ سے تمام فوج خصوصًا ینی چری میں نہایت محبوب تھا، یہ دیکھ کر کہ بایزید اپنی عمر اور خرابی صحت کے باعث امورِ سلطنت پر کافی توجہ مبذول کرنے سے معذور ہے سلیم کو خطرہ لاحق ہوا کہ ممکن ہے احمد بایزید کی حیات ہی میں تخت پر قابض ہو جائے لہذا اُس نے سلطان کی اجازت کے بغیر طرابزون سے قسطنطنیہ کی طرف کوچ کر دیا، اور ایک منتخب فوج کے ساتھ ادرنہ پہونچ گیا، بایزید نے اُسکو طرابزون واپس جانے کا حکم دیا، لیکن سلیم جنگ پر آمادہ ہو گیا، اور بایزید کو مجبورًا اُس سے مقابلہ کرنا پڑا، اس جنگ میں سلیم کو شکست ہوئی،

اور وہ بھاگ کر کریمیا پہونچا، کریمیا کا فرماں روا سلیم کا خسر تھا، اُس نے سلیم کی مدد کی، کچھ دنوں کے بعد وہ پھر قسطنطنیہ کی طرف لوٹا اور اب کی بار تمام فوج نے اس کا ساتھ دیا، بایزید نے ینی چری کے ایک وفد کو باریاب کیا، اور اُن سے دریافت کیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ "ہمارا بادشاہ ضعیف العمر اور کمزور ہے، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ سلیم تخت نشین ہو"۔ یہ دیکھ کر کہ فوج قابو سے باہر ہو چکی ہے، بایزید نے اعلان کیا کہ "میں اپنے لڑکے سلیم کے حق میں تختِ سلطنت سے دست بردار ہوتا ہوں، خدا اُسکو ایک خوشحال عہدِ حکومت عطا فرمائے"۔ اس کے بعد وہ تخت سے اُتر آیا، وہ چاہتا تھا کہ اپنی زندگی کے بقیہ ایام ایشیائے کوچک کے شہر ڈیموٹیکا میں گذار دے، جو اُسکی جائے پیدائش تھا، لیکن موت نے اس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا، اور قسطنطنیہ سے روانہ ہونے کے تین ہی روز بعد اُس کا انتقال ہو گیا،

پہلا رُوسی سفیر! سلطنت عثمانیہ اور روس کے درمیان ابتک سفارتی تعلقات قائم نہیں ہوئے تھے، ۹۰۰ھ (۱۴۹۵ء) میں پہلا روسی سفیر مائکل پلے شیف (Michel Pletshiev) قسطنطنیہ آیا اور روسی تاجروں کیلئے تجارتی مراعات کا خواستگار ہوا، زار ایوان سوم (Ivan III) نے اُسے سختی کے ساتھ ہدایت کر دی تھی کہ "نہ تو سلطان کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑا ہو، نہ سلطان کے علاوہ کسی وزیر سے سفارتی معاملات پر کوئی گفتگو کرے، اور نہ یورپ یا ایشیا کی کسی مملکت کے سفیر کو اپنے آگے جگہ دے، لامارٹین (A. de Lamartine) تاریخ ترکی میں لکھتا ہے کہ پلے شیف کی گستاخی اور بدتمیزی اُس کے دربار کے تکبر سے بھی بڑھ گئی، جو قوم اُس کی مہمان نوازی اور تواضع کر رہی تھی، اُسی کے رسم و رواج

کی اُس نے تحقیر کی، وزیر اعظم نے اُس کے استقبال کے لئے جو دعوت کی تھی اُسمیں شریک ہونے سے اُس نے انکار کر دیا، اور دیوان کی طرف سے جو خلعت اور دوسرے تحائف اُسے پیش کئے گئے تھے انھیں واپس کر دیا، عثمانی رسم و رواج کی اس توہین پر مغربی حکومتوں کے سفیروں کو بھی غصہ آیا[1]، اگر یہ روسی سفیر محمد ثانی یا سلیم اول کے عہد میں آیا ہوتا تو اُسے اپنی گستاخیوں کا نتیجہ معلوم ہو جاتا، بایزید نے اپنے غیر معمولی تحمل اور بردباری کی وجہ سے صرف اسی پر اکتفا کیا کہ پلے شیف کو رخصت کر دیا، اور اپنا کوئی سفیر دربارِ روس میں نہیں بھیجا،

---

[1] ڈی لا مارٹین، بحوالہ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ، جلد ۲۴ ص ۳۳۷،

سلیم اوّل

سنہ ۹۱۸ھ تا سنہ ۹۲۶ھ مطابق سنہ ۱۵۱۲ء تا سنہ ۱۵۲۰ء

جس وقت سلیم نے بایزید کو تخت سے اُتار کر زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی وہ (۴۷) سال کی پختہ عمر کو پہنچ چکا تھا، اور اُس کی فوجی اور انتظامی قابلیت پوری طرح مسلّم ہو چکی تھی، اُس نے صرف آٹھ سال حکومت کی، لیکن اس قلیل مدت میں سلطنت عثمانیہ کی وسعت کو دوچند کر دیا، اُس نے یوروپین مقبوضات میں کوئی اضافہ نہیں کیا، مگر ایشیا میں دیار بکر، کردستان، شام، مصر، اور عرب کا ایک بڑا حصہ جس میں حرمین شریفین بھی داخل تھے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، اُس کی فتوحات کی وسعت اعلیٰ فوجی قابلیت، اور انتظامِ سلطنت کی غیر معمولی اہلیت نے اُسکو سلاطین آلِ عثمان کی صفِ اوّل میں ایک ممتاز جگہ دی ہے، ان خصوصیات کے علاوہ علم و فضل میں بھی اُس کا پایہ نہایت بلند تھا، وہ رات کو بہت کم سوتا، اور زیادہ تر وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتا، اُس کو تاریخ اور فارسی شاعری سے خاص دلچسپی تھی، فارسی زبان میں اُس نے کچھ نظمیں خود بھی لکھیں، محمد فاتح کی طرح وہ بھی سیزر اور سکندر کے کارنامے نہایت شوق سے پڑھا کرتا تھا، اُس کو حرم کی زندگی سے بہت کم دلچسپی تھی، دن میں

سلطنت کے کاموں سے جو وقت بچتا، اُس کا بیشتر حصہ وہ علما کی صحبت میں گذارتا، وہ اہلِ علم کو بڑے بڑے عہدوں پر بھی مامور کرتا مثلاً جب کردستان کا صوبہ فتح ہوا تو اس نے مورخ ادریس کو وہاں کا والی مقرر کیا لیکن علم کا شوق اور علمار کی ہم نشینی اُس کے مزاج میں نرمی پیدا نہ کر سکی، اُسکی طبیعت حد درجہ اشتعال پذیر تھی وہ کسی امر میں خفیف سی مخالفت بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا، اور جو لوگ اُسکی رائے سے ذرا بھی اختلاف کرنے کی جرأت کرتے اُن کو فوراً قتل کرا دیتا تھا، اُس کے مختصر عہدِ حکومت میں سات وزیر اعظم اس کے حکم سے قتل ہوئے، ان کے علاوہ متعدد فوجی اور ملکی عہدہ داروں کو بھی اُس کی ناخوشی کی پاداش میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا ، جو لوگ وزیر اعظم کے عہدہ پر مقرر کئے جاتے تھے، اُن کو اپنے انجام کا اتنا یقین ہوتا تھا کہ وہ اس ہلاکت آفریں ذمہ داری کو قبول کرنے سے پہلے ایک وصیت نامہ لکھ کر چھوڑ جاتے تھے، اور اکثر اُن کی پیش بینی صحیح ثابت ہوتی تھی، چنانچہ ایک روز وزیر اعظم پیری پاشا نے سلیم سے عرض کیا کہ "اے میرے بادشاہ میں جانتا ہوں کہ جلد یا بدیر تجھے اپنے اس وفادار غلام کو قتل کرنے کا کوئی نہ کوئی حیلہ مل جائے گا، لہٰذا التجا ہے کہ قتل سے پہلے مجھے تھوڑی مہلت عطا فرما تاکہ میں اس دنیا سے متعلق اپنے کاروبار کا انتظام کر لوں، اور تیرے حکم سے دوسری دنیا میں جانے کے لئے تیار ہو جاؤں" سلیم اس درخواست پر ہنس پڑا اور کہنے لگا "میں کچھ دنوں سے تیرے قتل کی نسبت غور کر رہا ہوں لیکن فی الحال تیرا کوئی جانشین مجھے نظر نہیں آتا، ورنہ تیری یہ درخواست میں بخوشی منظور کر لیتا" لیکن سلیم کی یہ سختی جو عموماً ظلم سے تعبیر کی جاتی ہے، ایک خاص اصول کے ماتحت تھی، وہ جو کچھ کرتا تھا سلطنت کے لئے کرتا تھا، وہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے باپ کے حلم و لینت نے حکومت

کے تمام شعبوں میں بدنظمی پیدا کر دی تھی، فوج میں خودسری آگئی تھی، وزرا اپنے فرائض کو بھولے ہوئے تھے، قاضیوں کے فیصلوں میں جانبداری کی جھلک نمایاں تھی اس حالت کو سدھارنے کے لئے سختی ناگزیر تھی، اور گو بعض اوقات سزا کی شدت جرم کی شدت سے بڑھ جاتی تھی تاہم اس سخت گیری کا عام اثر نہایت مفید ثابت ہوا، اور وہ تمام خرابیاں دور ہوگئیں جو حکومت کی بنیاد کو متزلزل کر دینے کے لئے کافی ہیں، مورخین نے سلیم کو ظالم لکھا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان مظالم کے باوجود وہ رعایا میں نہایت مقبول تھا، جو طرز عمل افراد کے لئے ظلم کا حکم رکھتا تھا، وہی رعایا کے حق میں رحمت بن گیا تھا،

بھائیوں کی بغاوت سلیم نے جس وقت بایزید کو تخت سے اُتار کر سلطنت پر قبضہ کیا تھا اس کے دونوں بڑے بھائی کُرکود اور احمد ایشیائے کوچک کے دو صوبوں کے حاکم تھے، ابتدا میں ان دونوں نے اطاعت کا اظہار کیا، لیکن سلیم اُن کی طرف سے مطمئن نہ ہوا، اُس کو تخت پر بیٹھے چند ہی روز گذرے تھے کہ شہزادہ احمد نے جو اماسیا کا حاکم تھا علم بغاوت بلند کر کے بروصہ پر قبضہ کر لیا، سلیم فوراً ایشیائے کوچک پہنچا، احمد بروصہ چھوڑ کر بھاگا، اور اپنے دو لڑکوں کو شاہ اسمٰعیل کے پاس مدد حاصل کرنے کے لئے ایران روانہ کیا، سلیم نے بروصہ پر قبضہ کر لیا، لیکن اُس کی فوج کے بعض افسر شہزادہ احمد سے جا ملے اور لڑائی پھر چھڑ گئی، ابتدا میں احمد کو چند معمولی فتوحات حاصل ہوئیں، لیکن بالآخر اُسے اپنی جان لے کر بھاگنا پڑا، سلیم نے وزیر اعظم مصطفےٰ پاشا کو جو احمد سے مل گیا تھا، پھانسی دیدی اور اُس کے بعد اپنے پانچ بھتیجوں کو جو بروصہ کے بعض امرا کے گھروں میں چھپے ہوئے تھے گرفتار کر کے مروا ڈالا، یہ شہزادے اُس کے مرحوم بھائیوں شہنشاہ، عالم شاہ، اور محمود (جو بایزید کی حیات ہی میں وفات پا چکے تھے) کی اولاد تھے،

شہزادہ کرکود اس وقت تک اپنے علاقہ صاروخاں میں خاموش بیٹھا تھا لیکن ان شہزادوں کے قتل کی خبر سنکر اُس نے سمجھ لیا کہ اُس کی باری بھی اب آیا چاہتی ہے، اس لئے وہ بھی اب اپنی جان کی حفاظت کا سامان کرنے لگا، اور ینی چری کو اپنا طرفدار بنانے کی کوشش شروع کی، سلیم کو اُس کی تیاریوں کی اطلاع ہوگئی، وہ نہایت خاموشی سے شکار کا بہانہ کرکے دس ہزار سواروں کے ساتھ کرکود کی حکومت میں داخل ہوا، اور اُسے گرفتار کرلینا چاہا، کرکود بھاگا، لیکن جلد پکڑ لیا گیا، سلیم نے سنان نامی ایک افسر کو اُس کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ مرنے کے لئے فوراً تیار ہوجاؤ، رات کا وقت تھا، اور کرکود سو رہا تھا، سنان نے اُس کو بیدار کرکے سلیم کا حکم سنایا، کرکود نے صرف ایک گھنٹہ کی مہلت مانگی، اس فرصت میں اُس نے اپنی بےکسی کی موت پر ایک منظوم خط سلیم کے نام لکھا، جس میں اُس کی بےدردی کی شکایت کی، اس کے بعد اُس نے اپنی گردن جلاد کے حوالہ کردی، سلیم یہ خط پڑھکر جو حقیقۃً ایک نہایت دردناک مرثیہ تھا، بہت رویا، اُسے اس قدر صدمہ ہوا کہ تین روز تک خود بھی ماتم کرتا رہا اور تمام سلطنت میں بھی ماتم کا حکم دیا، جن ترکمانوں نے کرکود کے چھپنے کی جگہ کا پتہ بتایا تھا وہ اب انعام کے لئے حاضر ہوئے تھے، سلیم نے اُن سب کو قتل کرادیا، اس درمیان میں احمد نے پھر ایک فوج اکٹھا کرکے سلیم کا مقابلہ کیا، اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوا، لیکن ۱۷ صفر ۹۱۹ھ (۲۴ اپریل ۱۵۱۳ء) کی جنگ میں اُسے شکست ہوئی، اور وہ قید کرلیا گیا، اُسے بھی گلا گھونٹ کر قتل کردیا گیا،

ایران سے جنگ | سلیم اب تخت سلطنت کی طرف سے مطمئن ہوگیا، وہ ایشیائے کوچک سے یورپ کو واپس ہوا، اور یورپ کی مختلف حکومتوں سے صلحناموں کی تجدید کرکے

اپنی سلطنت کے مغربی حصہ کو ہر طرح کے بیرونی خطرات سے محفوظ کر لیا، اور پھر مشرق کی جانب متوجہ ہوا، ایران کے تخت پر اُس وقت شاہ اسمٰعیل صفوی متمکن تھا، جس نے چند سال قبل عراق عرب، خراسان اور دیار بکر پر قبضہ کر لیا تھا، اور اُس کا ایک فوجی افسر بغداد میں بھی داخل ہو گیا تھا، ۹۱۶ھ (۱۵۱۰ء) میں فارستان اور آذربیجان بھی سلطنت ایران میں شامل کر لئے گئے تھے، جو خلیج فارس سے بحر کاسپین اور فرات سے دریائے آمو تک پھیلی ہوئی تھی، اس طرح ایران کی سرحد سلطنت عثمانیہ کی سرحد سے مل گئی تھی، اتفاق یہ کہ دونوں سلطنتوں کے فرماں روا بھی شجاعت عظمت اور ملک گیری کی ہوس میں ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے، ایسی صورت میں دونوں کا تصادم ناگزیر تھا، تصادم کے متعدد اسباب موجود تھے، سب سے بڑا سبب مذہب کا اختلاف تھا، شاہ اسمٰعیل ایک غالی شیعہ اور سلیم ایک متشدد سنی تھا، سلطنت عثمانیہ کے ایشیائی مقبوضات میں شیعوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، شاہ اسمٰعیل کے گماشتے اناطولیہ میں شیعیت کی تلقین کرتے پھرتے تھے، اور اندر اندر لوگوں کو سلیم کے خلاف اُبھارتے رہتے تھے، سلیم شیعیت کا سخت دشمن تھا، وہ اسے سلطنت کے لئے ایک بڑا فتنہ خیال کرتا تھا، وہ دیکھ چکا تھا کہ اُس کی تخت نشینی سے ایک ہی سال قبل اسمٰعیل کے اعوان میں سے شاہ قلی نامی ایک شخص نے کس طرح تشیع کی تبلیغ کر کے اناطولیہ کے باشندوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا تھا، اور اس فتنہ کے فرو کرنے میں کس قدر دشواری پیش آئی تھی، چنانچہ جب اُسے اس قسم کا خطرہ پھر محسوس ہوا تو اُس نے اپنی سلطنت سے شیعیت کا استیصال کر دینا چاہا اور جاسوسوں کے ذریعہ سے سلطنت کے تمام شیعوں کو شمار کرایا، اُن کی تعداد ستر ہزار نکلی، پھر ایک روز دفعۃً اُن میں سے چالیس ہزار

کو قتل کرا دیا، اور باقی تیس ہزار کو جنمیں عورتیں اور بچے شامل تھے قید میں ڈال دیا
اس واقعہ سے تمام ایران میں ایک آگ سی لگ گئی لیکن سلیم کی قوت وسطوت کے
مقابلہ میں اُس وقت شاہ اسمٰعیل کو اقدام کی جرأت نہ ہوئی، بہرحال ایران اور دولت
عثمانیہ کی جنگ کا یہی ایک سبب نہ تھا، اس قتل عام سے قبل بھی دونوں سلطنتوں کے
تعلقات کشیدہ ہو چکے تھے، مثلاً بایزید ثانی کے عہد میں چھوٹی چھوٹی سرحدی لڑائیاں
پیش آچکی تھیں جن میں شاہ اسمٰعیل نے بعض ترک سرداروں کو جو ایشیائے کوچک کے
سرحدی علاقوں کے حاکم تھے شکست دی تھی علاوہ بریں اُس نے
دولت عثمانیہ کے مقابلہ میں سلطان مصر سے اتحاد کر لیا تھا وہ سلطنت عثمانیہ کی ترقی
کو روکنا چاہتا تھا۔ ان میں سے ہر سبب سلیم جیسے تند مزاج سلطان کو جنگ پر آمادہ کرنے
کے لئے کافی تھا، لیکن جس چیز نے اُس کو سب سے زیادہ برانگیختہ کیا وہ یہ تھی کہ شاہ اسمٰعیل نے
مرحوم شہزادہ احمد کے لڑکے شہزادہ مراد کو پناہ دی، اور علانیہ اُس کی حمایت کر رہا تھا،
نہ صرف یہ بلکہ سلیم کو تخت سے اُتار کر مراد کو اُسکی جگہ بٹھانے کے لئے وہ اب فوجیں بھی
جمع کر رہا تھا، سلیم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے ایران پر حملہ کا تہیہ کر لیا اور
شاہ اسمٰعیل کو میدان جنگ میں مقابلہ کی دعوت دی،

عثمانی فوجیں ینی شہر کے میدان میں جمع ہوئیں اور سلیم ۲۳ صفر ۹۲۰ھ (۲۰ اپریل ۱۵۱۴ء)
کو ایک لاکھ چالیس ہزار فوج اور تین سو توپوں کے ساتھ ایران کے پایہ تخت تبریز کی
طرف روانہ ہو گیا، ینی شہر سے تبریز کا فاصلہ ایک ہزار میل سے زیادہ تھا، راستہ بھی
پہاڑی تھا، اور درمیان میں کوئی سڑک نہ تھی، سب سے بڑی دشواری سامان رسد کی فراہمی
کی تھی، جب سلیم ایران کی سرحد پر پہنچا تو شاہ اسمٰعیل نے بجائے مقابلہ کرنے کے تمام علاقے

ویران کرادیئے، اور خود پایہ تخت کی طرف لوٹ گیا، اس سے سلیم کی مشکلات اور بڑھ گئیں، رسد کے ملنے میں سخت دشواری پیش آنے لگی، فوج میں جو اتنے طویل سفر سے بالکل خستہ ہوگئی تھی بے دلی کے آثار نمایاں ہونے لگے، اور اُس نے آگے بڑھنے میں تامل کیا، لیکن سلیم کی مستقل مزاجی بدستور قائم رہی، اور باوجود اس کے کہ رسد کی فراہمی روز بروز زیادہ دشوار ہوتی جاتی تھی اُس کے قدم نہ رکے، بالآخر فوج نے علانیہ طور پر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، سلیم کے لئے یہ موقع نہایت نازک تھا، مگر اُس کی غیر معمولی شجاعت نے فوج کو قابو سے باہر نہ ہونے دیا، وہ دلیری کے ساتھ اس کے سامنے گیا اور یوں کہنے لگا، "کیا اسی طرح تم اپنے سلطان کی خدمت کرتے ہو؟ کیا تمہارا ادعاے وفا محض زبانی تھا؟ جو لوگ واپس جانا چاہتے ہیں وہ فوج سے علٰحدہ ہو جائیں اور چلے جائیں، لیکن میں نے تو اتنی دور کا سفر اس لئے نہیں کیا ہے کہ یہاں سے لوٹ جاؤں، تم میں سے جو بزدل ہیں وہ فوراً اُن بہادروں سے علٰحدہ ہو جائیں جنھوں نے تیغ و تفنگ اور جسم و روح کے ساتھ ہماری مہم کے لئے اپنی جانیں وقف کر دی ہیں"، یہ کہہ کر اُس نے دستہ قائم کر کے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، اور کسی ایک سپاہی کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ اپنا دستہ چھوڑ کر علٰحدہ ہو جائے،

ایرانیوں کی شکست عثمانی فوج جب تبریز کے قریب پہنچی تو شاہ اسمٰعیل کو مجبوراً مقابلہ کے لئے نکلنا پڑا، دونوں فوجیں ۲ر رجب ۹۲۰ھ (۲۴ر اگست ۱۵۱۴ء) کو وادی چالدیران میں صف آرا ہوئیں، ترکی لشکر کی تعداد جس نے بارہ سو میل کی سخت دشوار گذار راہ صرف ایک سو چھبیس ۱۲۶ روز کی قلیل مدت میں طے کی تھی، اب ایک لاکھ چالیس ہزار سے گھٹ کر ایک لاکھ بیس ہزار رہ گئی تھی، جسمیں اسی ہزار سوار تھے، ایرانی فوج کی

مجموعی تعداد اسّی ہزار تھی، یہ سب سوار تھے اور اپنی شجاعت اور سپہ گری کے لحاظ سے نہایت ممتاز تھے، عثمانی بالکل خستہ ہو رہے تھے، برخلاف اس کے ایرانی سوار تازہ دم تھے، جنگ کی ابتدا ایرانیوں کے موافق ہوئی، ایرانی سواروں کا جو دستہ شاہ اسمٰعیل کی سرکردگی میں تھا، اُس نے اپنے مقابل ترکی دستہ کو پسپا کر دیا، لیکن ترک فوراً ہی سنبھل گئے، اور اُنھوں نے پلٹ کر نہایت دلیری سے مقابلہ کیا، اس درمیان میں عثمانی توپوں نے گولے برسانا شروع کر دیئے، ایرانیوں کے پاس توپ خانے نہ تھے، وہ اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور پچیس ہزار لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر بھاگے، شاہ اسمٰعیل بھی زخمی ہو گیا تھا اور بمشکل اپنی جان بچا کر بھاگ سکا،

۱۴ رجب ۹۲۰ھ (۴ ستمبر ۱۵۱۴ء) کو سلیم تبریز میں فاتحانہ داخل ہوا، وہاں سے اُس نے علاوہ شاہی خزانے کے ایک ہزار بہترین صناع اور کاریگر قسطنطنیہ روانہ کئے قسطنطنیہ میں ان لوگوں کو رہنے کے لئے مکانات اور اپنے پیشوں کے جاری رکھنے کے لئے تمام ضروری سامان دیئے گئے، تبریز میں آٹھ روز قیام کرنے کے بعد وہ شمال میں قرہ باغ کی جانب بڑھا، اُس کا ارادہ تھا کہ موسم سرما آذربیجان کے میدانوں میں گذارنے کے بعد بہار شروع ہونے پر پھر فتوحات کا سلسلہ شروع کرے، لیکن فوج اب بالکل خستہ ہو چکی تھی، اور آگے بڑھنے کے لئے تیار نہ تھی، سلیم کو اندیشہ ہوا کہ سختی کرنے سے ممکن ہے بغاوت برپا ہو جائے، اس لئے مجبوراً وہ قسطنطنیہ کی طرف واپس ہوا، شاہ اسمٰعیل سے کوئی صلحنامہ نہ ہوا، اور دونوں سلطنتوں کی جنگ کا سلسلہ کسی نہ کسی حد تک سلیم کی حیات تک قائم رہا، لیکن چالدیران کی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیار بکر اور کردستان کے صوبے مکمل طور پر فتح کر لئے گئے اور ایران سے

نکل کر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو گئے، سلیم نے ان صوبوں کا حاکم مشہور مورخ ادریس کو مقرر کیا، سلیم کے لئے پورے ایران کو عثمانی مقبوضات میں داخل کر لینا دشوار نہ تھا لیکن کسی مصلحت سے اُس نے ایسا کرنا مناسب نہ خیال کیا، جیساکہ ایورسلے کا خیال ہے شیعیت سے اُسے اس درجہ نفرت تھی کہ ممکن ہو اُسنے ایران کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کی بجائے علیحدہ رکھنا ہی بہتر سمجھا ہو، اسی تشدد کے تحت اُس نے ایک فرمان نافذ کر کے ایران سے تجارت کرنا ممنوع قرار دیا، اور جب اُسے معلوم ہوا کہ چند تاجروں نے اس فرمان کی حکم عدولی کی ہے تو اُس نے اُن سب کے قتل کا حکم دیدیا، مفتی جمالی نے بمشکل اُس سے یہ حکم منسوخ کرایا،

شام ومصر ایران کے بعد سلیم شام اور مصر کی طرف متوجہ ہوا، یہ ممالک ڈھائی سو برس سے سلاطینِ مملوک کے زیر حکومت تھے، سلیم کے زمانہ میں اُن کا حکمراں قانصوہ غوری تھا، سلطان مصر کو حجاز کی فرماں روائی بھی حاصل تھی، دولت عثمانیہ اور سلطنت مصر کے تعلقات بایزید ثانی ہی کے وقت سے غیر خوشگوار تھے، جو لڑائیاں ان کے درمیان ہوئی تھیں اُن میں عثمانیوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی تھی، لیکن سلیم کی تخت نشینی کے بعد قانصوہ غوری کو معلوم ہو گیا کہ اب سلطنت عثمانیہ کی عنان حکومت ایک ایسے فرمانروا کے ہاتھ میں ہے، جو بایزید ثانی سے بالکل مختلف ہے، یہی وجہ تھی کہ اُس نے شاہ اسمٰعیل کی دعوت پر دولت عثمانیہ کے خلاف ایران سے اتحاد کر لیا تھا، کردستان اور دیار بکر کی فتح کے بعد عثمانی اور شامی مقبوضات ایک دوسرے سے بالکل قریب ہو گئے تھے، قانصوہ غوری نے سنہ ۹۲۲ھ (۱۵۱۶ء) میں ایک زبردست فوج شام کے شمالی علاقہ میں متعین کر دی تاکہ افواجِ عثمانی کی نقل وحرکت کی نگرانی ہوتی رہے، سنان پاشا نے جو ایشیائے کوچک

کے جنوب مشرق میں ترکی لشکر کا سپہ سالار تھا اس واقعہ کی اطلاع سلیم کو دی اور لکھ بھیجا کہ کہ ایسی صورت میں سلطان کے حسب ہدایت دادی فرات کی طرف کوچ کرنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا، سلیم نے قسطنطینیہ میں دیوان منعقد کر کے اس مسئلہ کو غور و بحث کے لئے پیش کیا،

دنیاے اسلام کا انتشار

یہ مسئلہ محض سلطنت مملوکیہ اور دولت عثمانیہ کی قوت آزمائی کا نہ تھا بلکہ حقیقۃً اس کا تعلق دنیائے اسلام کے عام انتشار اور پراگندگی سے تھا، خلافت عباسیہ کے مصر میں منتقل ہونے کے بعد اسلام کی متحدہ سیاسی قوت پارہ پارہ ہوگئی تھی اور خلیفہ کا اقتدار صرف مذہبی اور رسمی رہ گیا تھا، سلطان سلیم کے ابتدائے عہد میں دنیاے اسلام کے ضعف و انتشار کی جو حالت تھی اُس کا اندازہ مولانا سید سلیمان ندوی کے محققانہ رسالہ "خلافت عثمانیہ" کے حسب ذیل اقتباسات سے ہو سکتا ہے،

"نویں صدی کے اواخر میں دنیاے اسلام کے نقشہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ اس عظیم الشان جمہوریت کا قالب بیجان ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے، اس کے دل و دماغ (خلافت مصر) کی کمزوری اور ضعف کا یہ حال پہونچا ہے کہ وہ دور کے اجزاے بدن کی تو کیا، آس پاس کے اعضا، کی قوت کا سہارا ابھی نہیں رہے ہیں، بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں چھوٹی چھوٹی ریاستوں، امارتوں اور ٹکریوں میں بٹ گئی ہیں، ہندوستان سے لے کر اسپین تک تم کو یہی کیفیت اور یہی نقشہ نظر آئیگا، ہندوستان کی طاقت سندھ، گجرات، مالوہ، احمد نگر، بیجاپور، برہان پور، بیدر، کشمیر، جون پور، بنگال، دہلی وغیرہ صوبہ وار حکومتوں میں منقسم ہوگئی ہے، ترکستان میں بخارا، بلخ، خوارزم، مرو اور کاشغر میں بیسیوں خان چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر حکمراں ہیں، روس کا علاقہ کریمیا، قازان، استراخان میں بٹ گیا ہے علاقہ قفقاز میں آذربائیجان، داغستان، گرجستان، سب بکھرے ہوے اجزا ہیں،

افغانستان وخراسان میں مختلف تیموری شہزادے اور ترکمانی امرا ادھر اُدھر قسمت آزمائی کر رہے ہیں، عراق ایک مستقل حکومت ہے مصر و شام میں مملوک سلطانوں کی سلطنت ہے، عرب چھوٹے چھوٹے شیوخ میں بٹا ہوا ہے، یہاں تک کہ یمن میں تو ایک ایک شہر کا الگ الگ امیر ہے، حجاز شرفا کے ایک خاندان کے ماتحت تھا جو کبھی مصر کے زیر اثر بنجاتے تھے، اور جب کبھی موقع ملتا تھا، امام یمن سے ساز باز کر لیتے تھے، امام یمن اور سلطان مصر میں ایک سلسلہ جنگ برپا تھا، مصر کے پار سوڈان، طرابلس، تونس، الجزائر، فاس کتنی ہی ریاستیں تھیں اسپین کی ایک سلطنت کے غرناطہ، قرطبہ، طلیطلہ، شاطبہ، حمص، بطلیوس، کتنے ٹکڑے ہو گئے تھے، جن میں سے اب صرف ایک یا دو باقی تھے، غرض خانوادۂ اسلام کا ایک ایک گھر اُجڑ گیا تھا، اور جامۂ خلافت کا تار تار الگ ہو گیا تھا"

یہ تو دنیائے اسلام کے انتشار کا نقشہ تھا، اس انتشار سے جو نتائج پیدا ہوئے انکی تصویر بھی مولانائے موصوف کے قلم نے کھینچ دی ہے:-

"یورپ کے مسیحی سپاہیوں نے ایک ہی دفعہ اس پر چار گوشوں سے حملہ کیا، ۸۹۳ھ سے روس نے ایشیائے وسطی کے صحرا سے اسلام پر اپنا حملہ شروع کیا، یہ قازان کی اسلامی ریاست تھی، اور ایک طویل سلسلہ جنگ کے بعد ۹۹۳ھ میں اُس کا خاتمہ ہو گیا اس کے بعد استراخان اور کریمیا وغیرہ کی باری آئی، یہاں تک کہ اس کے ڈانڈے بحر اسود اور سرحد ایران سے آکر مل گئے، اسپین اور پرتگال ملک اندلس میں اسلام کا ۸۹۷ھ میں خاتمہ کر کے آگے کو بڑھے، اسپین نے دوستی کے پردہ میں تونس و الجزائر پر قبضہ کیا، پرتگال نے پورے افریقہ کو ناپ کر بحر عرب اور بحر ہند میں آکر اپنے ڈیرے ڈالے، اور عرب اور ہندوستان کے اسلامی سواحل پر قتل و غارت گری کا آغاز کیا،

دوسری طرف مراکش کے سواحل پر آکر وطاسی خاندان پر حملہ آور ہوئے، جو مغرب میں ایک نئی اسلامی حکومت کی بنیاد ڈال رہا تھا، اور آسفی، ازمور اور معمورہ پر قبضہ کر لیا،

صلیبی سپاہیوں کی چوتھی کمین گاہ بحر روم کے جزائر تھے، قبرص (سائپرس) روڈس، مالٹا اور وینس کے صلیبی دستے، مصر و شام کی ناکہ بندی میں مصروف تھے خصوصاً قبرص، روڈس اور مالٹا تو سینٹ جان کے صلیبی مجاہدین کے بڑے بڑے مستحکم قلعے تھے جو دن رات صرف مسلمانوں کے خون کے پیاسے رہتے تھے، اور یہی اُن کی زندگی کا مذہبی فرض تھا، یہ درحقیقت گذشتہ صلیبی سپاہیوں کی یادگار اور فلسطین کی مسیحی نود سالہ حکومت کی شکست خوردہ فوج کی نسل تھے، یہ بحر روم کے دربان تھے جن کے سامنے سے کوئی اسلامی جہاز مسلمان ملکوں کو روانہ نہیں ہو سکتا تھا، قبچاق، کریمیا، اور روم کے مسلمان حج نہیں کر سکتے تھے، وینس کا بازار مسلمان عورتوں کی ناموس اور مسلمان مردوں کی آزادی کی خرید و فروخت کی بڑی منڈی بن گئی تھی، جو قیدی کسی حال میں اسلام سے پھرنا گوارا نہیں کرتے تھے، اگر مرد ہوتے تو وہ مصر لا کر بیچ ڈالے جاتے تھے، جہاں وہ مملوک سپاہیوں میں بھرتی کر لئے جاتے تھے، اور اگر لڑکیاں ہوتیں تو وہ اٹلی کے امرا اور دولتمندوں کے عیش خانوں میں بھیج دی جاتی تھیں، اور جب کبھی موقع ملتا، وہ اسکندریہ تک دھاوا کرتے چلے آتے،

اس سے زیادہ بدقسمتی یہ کہ اسی زمانہ میں ۹۰۵ھ میں ایران و خراسان میں صفوی خاندان کا ظہور ہوا جس نے تنگ نظری سے اسلام کے بجائے شیعیت کو اپنے سیاسی کارناموں کا مرکز قرار دیا، اہل سنت یا تو اس ملک سے جلاوطن ہونے پر مجبور ہوئے یا ہنگاموں میں قتل ہوئے، یا وہ شیعہ بنا ڈالے گئے، اُس سے بڑھکر یہ کہ صفویوں نے سلطنت عثمانیہ کے باغی شہزادوں کو اپنے ہاں پناہ دی، اور سلطان مصر سے خط و کتابت

کرکے سلطنت عثمانیہ کے خلاف ایک متحدہ حملہ کا سامان کیا، اس کا نتیجہ باہمی ہنگامہ آرائیاں ہوئیں، اور مجموعی حیثیت سے اسلام کی تباہی"۔

دیوان کا فیصلہ، دنیائے اسلام کی یہ حالت سلیم سے پوشیدہ نہ تھی، وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس ضعف و انتشار کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ خلافت اور سلطنت دو علیحدہ علیحدہ شخصیتوں میں تقسیم کردی گئی ہے، اسلام کے گذشتہ اقتدار کو از سر نو قائم کرنے کے لئے اُس کے نزدیک ان دونوں شخصیتوں کو ایک ہی ہستی میں مدغم کردینا نہایت ضروری تھا، اور چونکہ دولت عثمانیہ سے زیادہ طاقتور اُس وقت کوئی دوسری اسلامی سلطنت نہ تھی، اور دفاع و جہاد کا فرض جو منصب خلافت کا پہلا مقصد ہے، ڈیڑھ سو برس سے وہی ادا کررہی تھی، اس لئے دنیائے اسلام کی امامت کا حقدار بھی اُس سے زیادہ کوئی دوسرا نہ تھا، لیکن حجاز و مصر و شام پر جو اسلامی دنیا کے اصلی عناصر تھے، مصر کے مملوک سلاطین کی حکومت تھی، اور ان اجزار کو شامل کئے بغیر خلافت کا دائرہ اقتدار مکمل نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ جب سلیم نے سنان پاشا کی تحریر دیوان کے سامنے پیش کی تو نہ صرف قانصوہ غوری کی معاندانہ روش پر غور کیا گیا جو اسمٰعیل سے ملا ہوا تھا، اور جس نے ایران کی جنگ کے موقع پر سامان رسد کے قافلہ کو عثمانی لشکر میں جانے سے روک دیا تھا[۱]، بلکہ خلافت و امامت کے مسئلہ پر بھی مذکورہ بالا حالات کی روشنی میں بہت دیر تک بحث ہوتی رہی، بالآخر یہ طے پایا کہ حرمین شریفین کی خدمت کا حق سلطان عثمانی سے زیادہ کسی دوسرے مسلمان حکمراں کو نہیں پہنچتا، اور اس کے لئے جنگ ناگزیر ہے، رئیس آفندی محمد پاشا نے اس رائے کی موافقت میں ایک نہایت

---

[۱] "فتوحات اسلامیہ" از مفتی دحلان مکی۔ جلد ۲ صہ ۱۲۲، مطبوعہ مصر ۱۳۳۰ھ۔

پر زور تقریر کی، اور کہا کہ دولت علیہ کا فرض ہے کہ اس حق کو بذریعہ فتح حاصل کرے سلیم محمد پاشا کی تقریر سے اس قدر خوش ہوا کہ اُسی وقت اُس کو وزیر اعظم مقرر کر دیا، غرض دیوان نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے قانصوہ غوری سے اطاعت کا مطالبہ کرنا چاہیے اور اگر وہ انکار کرے تو لڑائی شروع کر دی جائے،

شام کی فتح قانصوہ غوری اُس وقت حلب میں مقیم تھا، سلیم کے ایلچی جب یہ پیغام لیکر اُس کے پاس پہنچے، تو اُس نے برافروختہ ہو کر اُن کو قید میں ڈال دیا، لیکن سلیم لڑائی کا عزم پہلے ہی کر چکا تھا، ایلچیوں کے روانہ کرنے کے فوراً ہی بعد وہ خود بھی فوج کے ساتھ قسطنطنیہ سے شام کی طرف روانہ ہو گیا تھا، جب عثمانی لشکر شام کی سرحد میں داخل ہوا، تو قانصوہ غوری کو اپنی غلطی کی اہمیت معلوم ہوئی، اُس نے سلیم کے ایلچیوں کو فوراً رہا کر دیا، اور صلح کی گفتگو شروع کی، مگر سلیم صلح کے لئے قسطنطنیہ سے نہیں روانہ ہوا تھا ۲۵ رجب سنہ ۹۲۲ھ (۲۴ اگست سنہ ۱۵۱۶ء) کو حلب سے قریب مرج دابق کے میدان میں پہلا معرکہ پیش آیا، جس نے شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، مملوک نہایت بہادری سے لڑے، لیکن آپس کے اختلافات سے ان کی قوت پہلے ہی کمزور ہو گئی تھی، علاوہ بریں قانصوہ غوری کے دو فوجی سرداروں یعنی خیر بے اور غزالی نے لڑائی شروع ہونے سے قبل سلیم سے سازباز کر لیا تھا، خیر بے حلب کا گورنر تھا، اور غزالی فوج کا ایک بڑا افسر تھا، ان دونوں نے عین موقع پر غداری کی، اور جلبانوں کے دستوں کو لے کر جو جرکسی ملوکوں سے نیچے درجہ کے مملوک تھے اور جرکسوں سے حریفانہ رقابت رکھتے تھے، میدانِ جنگ سے بھاگ گئے، قانصوہ غوری کے پاس توپیں نہ تھیں، عثمانی توپوں کی گولہ باری نے مصری فوج کو جس کی قوت خیر بے اور غزالی کی

غداری سے ٹوٹ چکی تھی، زیادہ دیر تک میدان میں ٹھہرنے نہ دیا، صرف ایک گھنٹہ کے اندر لڑائی ختم ہوگئی، بوڑھا سلطان قانصوہ غوری بھی یہ دیکھ کر کہ اب مقابلہ بے سود ہے، بھاگا، لیکن شاید اپنے ہی سپاہیوں کی بھیڑ میں دب کر مارا گیا،

حلب کا خیر مقدم سلیم فاتح کی حیثیت سے حلب میں داخل ہوا، خیر بے نے شہر کی کنجیاں پیش کیں، باشندگانِ شہر نے حاضر ہو کر وفاداری کا حلف لیا، مفتی دحلان مکی لکھتے ہیں کہ حلب کے باشندے اپنے علماء اور صلحاء کے ساتھ سروں پر قرآن رکھے ہوئے سلطان کے استقبال کو آئے، فتح کی تہنیت پیش کی اور رحم و درگذر کے خواستگار ہوئے، سلیم ان سب سے مہربانی کے ساتھ پیش آیا، پھر جب وہ جامع مسجد میں گیا تو اُس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، پہلے سلاطین مصر کے القاب میں "خادم الحرمین الشریفین" کا لقب شامل کیا جاتا تھا، لیکن حلب کی فتح کے بعد جامع مسجد کا خطیب جب خطبہ دینے کھڑا ہوا تو سلطان سلیم خاں کے نام کے ساتھ اس لقب کا اضافہ کیا، سلیم نے اسے آیندہ کامیابی کی بشارت خیال کیا اور اس قدر خوش ہوا کہ جو حلہ پہنے ہوئے تھا، اتار کر اُسی وقت خطیب کو دیدیا[۱]

دیگر فتوحات حلب میں چند دنوں قیام کرنے کے بعد سلیم شام کے دوسرے شہروں کی فتح کے لئے روانہ ہوا، ہر شہر نے بغیر کسی مزاحمت کے اپنے دروازے کھول دیئے، اور وہاں کے لوگوں نے آگے بڑھکر اس کا خیر مقدم کیا، سلیم نے ان کے ساتھ بہت نرمی کا سلوک کیا، اور اپنے الطاف و اکرام سے انھیں بالکل مطمئن کر دیا، چنانچہ دمشق، بیت المقدس، حمص اور متعدد دوسرے شہر نہایت آسانی سے فتح ہوگئے، اور ہر جگہ سلیم کے نام کا خطبہ پڑھا گیا، دمشق میں اُس نے شیخ محی الدین بن عربیؒ کے مزار پر ایک

[۱] فتوحات اسلامیہ، جلد ۲ ص ۱۲۳،

مقبرہ تعمیر کرنے کا حکم دیا، اور وہاں فقراء کے لئے ایک مطبخ بھی قائم کیا، اور اس کے اخراجات کے لئے کافی جائداد وقف کر دی[1]،

طومان بے شام کے اس آسانی سے فتح ہو جانے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ قانصوہ غوری کی وفات پر اُس کے جانشین کے انتخاب کے لئے مملوکوں کے تمام بڑے بڑے فوجی سردار فوراً قاہرہ روانہ ہو گئے اور میدان عثمانیوں کے لئے خالی ہو گیا، مملوکوں میں دستور یہ تھا کہ سلطان کا انتخاب چوبیس بلند پایہ امراء کیا کرتے تھے جو فوج و حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مامور ہوتے تھے، چنانچہ اس موقع پر بھی یہ امراء قاہرہ میں جمع ہوئے اور انھوں نے طومان بے کو جو اپنی حیرت انگیز شجاعت، فوجی قابلیت اور شریفانہ اوصاف و خصائل کی وجہ سے خاص طور پر ممتاز تھا، سلطان منتخب کیا، طومان بے کے انتخاب سے مملوکوں میں ایک تازہ روح پیدا ہو گئی،

معرکہ ردانیہ شام کی فتح کے بعد سلیم نے مصر کی طرف کوچ کی تیاری کی، اُدھر طومان بے بھی مدافعت کا سامان کر رہا تھا، سب سے پہلے اُس نے ایک فوج غزہ روانہ کی تاکہ عثمانی لشکر کو مصر کی طرف بڑھنے سے روکے، اور خود قاہرہ کے قریب مصری افواج کے بڑے حصہ کو جمع کرنا شروع کیا، غزہ میں مملوکوں اور عثمانیوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا، لیکن صدر اعظم سنان پاشا کی سپہ سالاری اور ترکی توپوں کی گولہ باری نے مملوکوں کے قدم اکھاڑ دیئے، اس کے بعد مصر کی سرحد تک پھر کوئی مزاحمت نہیں ہوئی اور سلیم کی فوج نے دس روز کے اندر ریگستان کو عبور کر لیا، سلیم نے اس مہم کے لئے کئی ہزار اونٹ خرید لئے تھے، ان پر فوج کے لئے پانی کے مشکیزے لدے ہوئے

[1] الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام، برحاشیہ خلاصۃ الکلام، ص ۱۸۵، مطبوعہ مصر، ۱۳۰۵ھ،

تھے، مصری فوجیں قاہرہ سے تھوڑے فاصلہ پر ردانیہ میں خیمہ زن تھیں، وہیں ۲۹ ذی الحجہ ۹۲۲ھ (۲۲ جنوری ۱۵۱۷ء) کو مقابلہ ہوا، اس معرکہ میں بھی اگرچہ پہلی جنگوں کی طرح توپخانوں کی وجہ سے میدان ترکوں کے ہی ہاتھ رہا تاہم مملوکوں نے جیسی غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کا ثبوت دیا، اُس کی مثال تاریخ کے صفحات میں کم ملتی ہے، لڑائی کے شروع میں ہی سواروں کا ایک دستہ جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا، عثمانی فوج کے قلب پر جہاں سلطانی علم لہرا رہا تھا حملہ آور ہوا، اس دستہ کی قیادت خود طومان بے اور اس کے دو بہترین افسر الان بے اور قرط بے کر رہے تھے، ان لوگوں نے قسم کھائی تھی کہ یا تو سلیم کو زندہ گرفتار کریں گے یا اُسے قتل کر کے چھوڑیں گے، یہ قسم پوری ہو کر رہتی، مگر حسنِ اتفاق سے اس وقت بجائے سلیم کے صدر اعظم سنان پاشا وہاں چند خاص خاص فوجی افسروں کے حلقہ میں کھڑا ہوا تھا، طومان بے نے اُسی کو سلیم سمجھ کر ایک نیزہ ایسا مارا کہ سینہ کے پار ہوگیا، الان بے اور قرط بے نے بھی ایک ایک پاشا کو قتل کیا، اور پھر گھوڑے موڑ کر یہ تینوں بحفاظت اپنی فوج میں واپس آگئے، البتہ الان بے کو بندوق کی گولی سے ایک زخم لگ گیا تھا، یہ سب کچھ دیکھتے دیکھتے ہوگیا، طومان بے سمجھتا تھا کہ سلیم کے قتل کے بعد ترکوں کی ہمت چھوٹ جائے گی، دوسرے مملوکوں نے بھی اپنے سرداروں کی طرح سپہ گری اور جانبازی کا حق ادا کر دیا، لیکن اُن کی بے مثل شجاعت اور سرفروشی ترکی توپوں کے مقابلہ میں بے سود ثابت ہوئی، پچیس ہزار مملوک سواروں کی لاشیں تحفظِ وطن کی قیمت نہ ادا کر سکیں، اور طومان بے کو بالآخر اپنے بقیہ سواروں کے ساتھ میدان چھوڑنا پڑا،

قاہرہ میں قتل عام جنگ ردانیہ کے ایک ہفتہ بعد عثمانی فوج کا ایک دستہ بلا مزاحمت

قاہرہ میں داخل ہوا، لیکن طومان بے نے آکر دفعۃً اس پر چھاپا مارا، اور پورے دستہ کو ته تیغ کر دیا، اب سلیم نے اپنی بہترین فوجیں قاہرہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیں، شہر کے گرد باقاعدہ استحکامات نہ تھے، لیکن مملوکوں نے گویا ہر سڑک کو میدان جنگ اور ہر مکان کو قلعہ بنا دیا تھا، عثمانیوں کو ہر ہر قدم پر مزاحمت کا سامنا تھا، تین دن تک نہایت سخت لڑائی ہوتی رہی، آخر کار خیر بے کے مشورے سے سلیم نے یہ اعلان کرایا کہ جو مملوک ہتھیار ڈال دیں گے، اُن کی جانیں بخش دی جائیں گی، اس اعلان پر اعتبار کر کے مملوکوں نے لڑائی موقوف کر دی، اور اُن میں سے آٹھ سو ممتاز آدمیوں نے اپنے کو سلیم کے حوالہ کر دیا، سلیم نے خلاف عہد اُن سب کو قتل کرا دیا، اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ شہر کے تمام باشندے تہ تیغ کر دیئے جائیں، کریسی کا بیان ہے کہ پچاس ہزار آدمی اس قتل عام میں مارے گئے،[1]

قرط بے قرط بے کچھ دنوں تک قاہرہ میں چھپا رہا، لیکن پھر سلیم کے وعدوں پر اعتماد کر کے اُس نے بھی اپنے کو پیش کر دیا، اس موقع پر سلیم اور قرط بے کے درمیان جو گفتگو ہوئی اُسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں، کریسی نے ان دونوں کی ملاقات کا حال اور اُن کی گفتگو فان ہیمر کے حوالہ سے نقل کی ہے، اور فان ہیمر نے منجملہ اور اسناد کے ایک ایسے شخص کی سند بھی پیش کی ہے، جو طومان بے کے دربار کا ایک عہدہ دار تھا، قرط بے جب سلیم کے سامنے آیا تو وہ فوج کے تمام بڑے بڑے افسروں کے حلقہ میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا، لیکن فاتح سلطان کی یہ شان اس بہادر مملوک کو مطلق متاثر نہ کر سکی، سلیم نے اس کے بیخوف چہرے پر نظر ڈالی اور پوچھا "تو ایک نامور شہسوار تھا، تیری شجاعت اب کہاں ہے؟" قرط بے نے جواب دیا کہ وہ ہمیشہ میرے

[1] کریسی جلد ۱ ص ۲۳۳، فٹ نوٹ ۔

ساتھ ہے"۔ سلیم نے کہا:۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ تو نے میری فوج کے ساتھ کیا کیا ہی؟"
"مجھے خوب معلوم ہے"۔ یہ جواب بھی پہلے جواب کا سا مختصر اور مسکت تھا، اس کے بعد
سلیم نے اس دلیرانہ حملہ پر اظہارِ تعجب کیا، جو قرط بے نے ردانیہ کے میدان میں طومان
بے اور الان بے کے ساتھ اس پر کرنا چاہا تھا، اور جو سنان پاشا کے لئے اس قدر مہلک
ثابت ہوا، قرط بے اپنی خوش بیانی کے لئے بھی اُسی قدر مشہور تھا جس قدر اپنی بہادری
کے لئے، اُس نے اس کے جواب میں مملوکوں کی شجاعت پر ایک پرزور تقریر کی جس میں
توپ اور بندوق کا ذکر نفرت و حقارت کے ساتھ کیا، کیونکہ اُن کا وار بہادرانہ
نہیں ہوتا، بلکہ وہ بزدلانہ طریقہ پر مارتی ہیں، اُس نے سلیم کو بتایا کہ بندوقیں مصر میں سب سے
پہلے اشرف قانصوہ کے عہد میں لائی گئی تھیں، جبکہ مارتنیس کے ایک شخص نے مملوکوں
کو بندوق سے مسلح کر دینے کے لئے آمادگی ظاہر کی تھی لیکن سلطان اور اس کے فوجی
افسروں نے جنگ میں اس بدعت کے جاری کرنے سے انکار کر دیا تھا، کیونکہ ایک تو
یہ حقیقی شجاعت کے شایانِ شان نہیں، دوسرے آنحضرت صلعم کے طریقہ کے بھی خلاف
ہے، قرط بے نے کہا کہ جب اُس شخص سے انکار کیا گیا تو وہ چلا اُٹھا، اور کہنے لگا کہ "تم
میں سے کچھ لوگ اُس وقت تک زندہ رہیں گے، اور دیکھیں گے کہ یہ سلطنت انہی گولیوں
سے ختم ہو کر رہے گی"۔ یہ بیان کر کے قرط بے نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا کہ افسوس
وہ پیشین گوئی پوری ہوئی، لیکن تمام قدرت اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھوں میں ہی"۔ سلیم نے
پوچھا کہ "اگر تم خدا پر بھروسہ رکھتے ہو تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم نے تمھیں شکست دی
اور تمھارے قلعوں سے تم کو مار بھگایا، اور خود تو اس وقت میرے سامنے ایک قیدی
کی حیثیت سے کھڑا ہوا ہے، ہ" قرط بے نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم ہمیں شکست اس وجہ

سے نہیں ہوئی کہ تم لڑائی میں ہم سے زیادہ بہادر یا ہم سے بہتر شہ سوار تھے، بلکہ ہم اسلئے ہارے کہ یہی ہماری تقدیر میں تھا، کیونکہ ہر وہ شے جو ابتدا رکھتی ہے، ایک روز ختم ہو کر رہے گی، اور سلطنت کی مدت بھی محدود ہے، خلفا یعنی اسلام کے وہ زبردست حامی آج کہاں ہیں؟ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتور سلطنتیں کہاں ہیں؟ اے آلِ عثمان تمہارا وقت بھی آنے والا ہے، اور تمہاری حکومت بھی اپنے وقت پر ختم ہو کر رہے گی، جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے اے سلطان سلیم میں تیرا قیدی نہیں ہوں، بلکہ تیرے وعدوں اور عہد و پیمان کی بنا پر یہاں آزاد اور بے خطر کھڑا ہوں۔" اس کے بعد قرط بے خیر بے کی طرف متوجہ ہوا جو سلیم کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا، اور اُس پر نہایت سخت لعن طعن کرنے کے بعد سلیم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ "اُس غدار کا سر اڑا دے، ورنہ کہیں تجھے بھی یہ اپنے ساتھ جہنم میں گھسیٹ نہ لیجائے۔" اس پر سلیم نے غضبناک ہو کر کہا: "مَیں نے سوچا تھا کہ تجھے آزاد کر دوں گا، بلکہ اپنے اعلیٰ فوجی عہدہ داروں میں بھی شامل کر لوں گا، لیکن تو نے بے ادبی کے ساتھ گفتگو کی ہے اور میری موجودگی کا احترام ملحوظ نہیں رکھا ہے، جو شخص بادشاہوں کے حضور میں خلافِ ادب طریقہ اختیار کرتا ہے، وہ فضیحت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔" قرط بے نے دلیری کے ساتھ جواب دیا: "خدا مجھے تیرا عہدہ دار ہونے سے بچائے۔" یہ سنکر سلیم کا غصہ ناقابلِ برداشت ہو گیا، اور اُس نے جلادوں کو طلب کیا، قرط بے نے سلیم سے کہا: "تنہا میرے قتل سے تجھے کیا فائدہ پہونچے گا، جب کہ بہت سے بہادر خود تیرے سر کی فکر میں ہیں، اور طومان بے اب بھی اپنی کامیابی کے لئے خدا پر بھروسہ رکھتا ہے۔" سلیم نے جلادوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا، جلاد نے جوں ہی تلوار اُٹھائی، قرط بے نے ایکبار

پھر خیر بے کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "اے غدار میرے خون آلود سر کو لیجا اور اپنی بیوی کی گود میں ڈال دے، خدا غدار کو اُس کے فعل کا ویسا ہی بدلہ دے" یہ آخری الفاظ تھے جو اس بہادر مملوک کی زبان سے ادا ہوئے،

طومان بے کا قتل قاہرہ کے مفتوح ہو جانے کے بعد بھی طومان بے مایوس نہیں ہوا تھا، چونکہ مملوکوں کی بہت بڑی تعداد قتل ہو چکی تھی، اس لئے اُس نے مملوک سلاطین کی سابق روایات کے برخلاف عربوں کو اپنی فوج میں داخل کیا، اور چند دنوں تک کامیابی کے ساتھ عثمانی دستوں کا مقابلہ کرتا رہا، سلیم نے اس کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر دولت عثمانیہ کی سیادت قبول کر لو تو مصر کا تخت تمھارے لئے چھوڑ دیا جائے، لیکن قاہرہ کے عذارانہ قتل عام اور قرط بے کے قتل سے نہ صرف سلیم کے وعدوں کا اعتبار اُٹھ گیا تھا، بلکہ مملوکوں کی آتش غضب بھڑک اُٹھی تھی چنانچہ جب سلیم کا ایلچی یہ پیغام لے کر طومان بے کے دربار میں پہونچا تو انھوں نے اسے اور اُس کے تمام ہمراہیوں کو قتل کر دیا، سلیم نے اس کے جواب میں تین ہزار مملوک قیدیوں کو تہ تیغ کرا دیا، ان واقعات سے یہ صاف ظاہر تھا کہ صلح کی کوئی اُمید نہیں کچھ عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، مگر بدقسمتی سے اسی زمانہ میں جب عثمانی فوج حملے کر رہی تھی، خود عربوں اور مملوکوں میں باہم جھگڑے شروع ہو گئے، جس سے طومان بے کی قوت کو سخت نقصان پہنچا، آخر میں اسکی تمام فوج منتشر ہو گئی، اور اسے بھاگ کر روپوش ہونا پڑا، لیکن بعض ساتھیوں نے اس کے ساتھ دغا کی، اور اسے عثمانیوں کے حوالہ کر دیا، سلیم کو جب اُس کی گرفتاری کی اطلاع ہوئی تو وہ جوشِ مسرت میں چلا اُٹھا کہ "الحمد للہ، مصر اب فتح ہوا" بہرحال اُس نے شروع میں طومان بے کے ساتھ مناسب عزت و احترام کا سلوک کیا، لیکن چند دنوں کے بعد غزالی اور خیر بے نے طومان بے

کے خلاف اس کے کان بھرنا شروع کئے، اور اُسے یقین دلایا کہ طومان بے کو آزاد کرانے کے لئے ایک زبردست سازش کی جارہی ہے، سلیم نے ان غداروں کے فریب میں آکر طومان بے کو قتل کرادیا، سلاطینِ مصر کے ملوکی سلسلہ کی یہ آخری کڑی تھی، جو ۱۴ اپریل ۱۵۱۷ء کو ٹوٹ گئی،

مصر کا نظامِ حکومت مصر فتح ہو گیا لیکن اُس کے نظم و نسق کا مسئلہ بہت مشکل تھا، باوجود اس کے کہ مملوکوں کی قوت ٹوٹ چکی تھی، سلیم کو اُن کی طرف سے اطمینان نہ تھا، اور چونکہ مصر قسطنطنیہ سے بہت زیادہ فاصلہ پر واقع تھا، اس لئے مملوکوں کی بغاوت کا اندیشہ اور بھی زیادہ قوی تھا، اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے سلیم نے مصر کا دستورِ حکومت مرتب کرتے وقت جو چیز خاص طور پر پیشِ نظر رکھی، وہ یہ تھی کہ حکومت ملک کے مختلف طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دی جائے کہ دولتِ عثمانیہ کے خلاف اُن کے باہم متحد ہونے کا امکان کم سے کم رہ جائے، چنانچہ اسی غرض سے اُس نے نہ تو مملوکوں کا بالکل قلع قمع کیا، اور نہ اُن کے سرداروں کو سرکیشیا سے نئے غلام بھرتی کرنے سے روکا، مملوک سلاطین کے عہد میں مصر و شام کی حکومت چوبیس اضلاع میں تقسیم تھی، اور ہر ضلع پر ایک مملوک امیر حاکم تھا، سلیم نے اس نظام کو برقرار رکھا، اور دونوں ملکوں کو بارہ بارہ سنجقوں میں تقسیم کر کے ہر سنجق پر ایک مملوک سردار کو مقرر کیا، مرکزی حکومت کے لئے اُس نے ایک مجلس مقرر کی جو دیوان کبیر کے نام سے موسوم تھی، اس کا صدر پورے ملک کا والی بنایا گیا، سلیم نے اس عہدہ پر خیر بے کو مقرر کیا، لیکن چونکہ وہ اپنے سابق آقا قانصوہ غوری کے ساتھ غداری کر چکا تھا، اس لئے سلیم نے اُس کی بیویوں اور بچوں کو ضمانت کے طور پر یورپ بھیج دیا، اسی طرح غزالی شام کا والی مقرر ہوا، دیوان کبیر کے ارکان کو یہ

اختیار دیا گیا کہ معقول اسباب کی بنا پر والی کے احکام کو منسوخ کر سکتے ہیں، اور اگر ضرورت سمجھیں تو اسے معزول کر کے دوسرا والی منتخب کر سکتے ہیں، لیکن اس انتخاب کے لئے باب عالی کی منظوری لازمی قرار دی گئی، ان اختیارات کے عطا کرنے سے سلیم کا مقصد یہ تھا، کہ کوئی والی اتنی قوت حاصل نہ کر سکے کہ آگے چل کر اس کے اندر خود مختاری کا حوصلہ پیدا ہو، والی کو قابو میں رکھنے کے لئے سلیم نے پانچہزار سواروں اور پانچ سو ینی چری سپاہیوں کی ایک مستقل فوج بھی قاہرہ میں متعین کر دی، اور آغا خیر الدین کو اس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا، اُسے خاص طور پر حکم تھا کہ کسی حالت میں بھی قلعہ کے باہر نہ جائے، تقسیمِ اقتدار کے اسی اُصول کے ماتحت سلیم نے اکثر عدالتی اور مذہبی عہدوں پر عرب شیوخ کو مامور کیا، جن کا اثر مصر کی عربی النسل آبادی پر بہت زیادہ تھا، یہ لوگ مملوکوں سے زیادہ عثمانیوں کی جانب مائل تھے، محاصل کی تحصیل وصول کا کام عموماً قبطیوں اور یہودیوں کے سپرد کیا گیا،

خادم الحرمین الشریفین

مصر کی فتح کے بعد حجاز پر بھی جو اس وقت تک مملوک سلاطین کے زیر حکومت تھا، دولتِ عثمانیہ کا اقتدار قائم ہو گیا، لیکن شروع میں سلیم کو امید نہ تھی، کہ حرمین شریفین کی خدمت کا شرف بغیر جنگ کے حاصل ہو سکے گا، کیونکہ حجاز کی حکومت سابق سلطان مصر کے عمال کے ہاتھوں میں تھی، چنانچہ ان عمال کو برطرف کرنے کیلئے اُس نے ایک فوج حجاز میں بھیجنا چاہی، لیکن قاضی صلاح الدین کے مشورہ سے جو ایک مشہور عالم تھے اور جنھیں سلیم نے سلطان غوری کی قید سے رہا کیا تھا، اصل مقصد بغیر کسی جنگ کے حاصل ہو گیا، مفتی دحلان لکھتے ہیں کہ قاضی موصوف نے سلطان سلیم کے وزیر کو یہ مشورہ دیا کہ حجاز میں فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ شریف برکات بن حسن بن عجلان جو اس وقت

مکہ معظمہ کے امیر تھے) سلطان کی اطاعت کے لئے آمادہ ہیں، اور اُن کے اثر سے اہل حرمین اور باشندگان حجاز بھی سلطان کی بیعت کے لئے تیار ہو جائیں گے، اس لئے بجائے فوج کے شریف کے نام صرف ایک فرمان بھیج دینا کافی ہوگا، سلیم نے اس تجویز کو بہت پسند کیا اور امیر مصلح بیگ کی معرفت فرمان ہمایونی مع ۲ دو بیش قیمت خلعتوں کے ایک خود شریف برکات کے لئے اور دوسرا اُن کے بیٹے ابونمی کے لئے جو مکہ کی امارت میں اپنے باپ کا شریک تھا بھیجا اور دونوں کو بدستور ان کے عہدوں پر قائم رکھا، حج کا زمانہ قریب تھا، اس لئے سلیم نے مصلح بیگ کے ساتھ محمل شریف کو بھی روانہ کیا، چنانچہ جب مصلح بیگ مکہ کے قریب پہنچا تو شریف برکات اپنے بیٹے اور دیگر معززین کو لے کر اُس کے استقبال کے لئے نکلے، باپ بیٹوں نے خلعت سلطانی کو پہنا اور مکہ معظمہ واپس آکر لوگوں سے سلطان کی بیعت لی، اور سلیم کے نام کا خطبہ پڑھا[1] "خادم الحرمین الشریفین" کا لقب جو ایک مسلمان فرماں روا کے لئے سب سے زیادہ معزز لقب ہے، سلطان سلیم کے نام کے ساتھ شامل کیا گیا، اور اس کا اعلان اس مقدس سرزمین میں ایسے وقت ہوا، جب تمام دنیا کے مسلمان حج کے لئے اکٹھا ہوئے تھے، حرمین شریفین کی خدمت کا شرف سلیم کے بعد اُس کے جانشینوں کو چار سو برس تک حاصل رہا، اس طویل مدت میں اُنھوں نے باشندگانِ حجاز اور خصوصاً اہلِ حرمین کی خدمت کا حق جس طرح ادا کیا، اُس کی تفصیلات سے تاریخ کے صفحات پر ہیں، اور اُس کی یاد اب اُن عربوں کو خون کے آنسو رُلا رہی ہے، جنھوں نے جنگ عمومی میں اپنی آزادی کی پیاس ترکوں کے خون سے بجھانی چاہی، مگر طلسمِ فرنگ کے پیدا کردہ

---

[1] فتوحات اسلامیہ، جلد ۲ صـ۱۲۵،

سراب سے حقیقی حریت کی موجیں آج تک نہ اُٹھ سکیں،

سلیم کو اہل حرمین کی خدمت کا موقع صرف تین سال کے لئے حاصل ہوا، اس قلیل مدت میں اس نے جو کچھ کیا اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعات سے ہو سکتا ہے، جو مفتی دحلان کی مستند تالیف "فتوحات اسلامیہ" سے ماخوذ ہیں:۔

سلاطین مملوک کی طرف سے شریف مکہ کو جو وظیفہ ملتا تھا سلیم نے اُسیں پانچسو دینار کا اضافہ کر دیا، اُس نے ایک دفتر قائم کیا جس میں حرم محترم کے مجاوروں کے نام لکھے گئے، ان میں سے ہر ایک کا وظیفہ سو۱۰۰ دینار مقرر کیا گیا، جو مصر کے خزانہ سے ادا کیا جاتا تھا، اس نے تیس آدمیوں کی ایک جماعت بھی مقرر کی جو روزانہ قرآن پاک کا ایک ختم پڑھتی تھی اور ان میں سے ہر ایک کی تنخواہ بارہ دینار مقرر کی، سلاطین مصر ہر سال بدووں اور فقرائے مکہ کے لئے غلہ بھیجا کرتے تھے، سلیم نے اس دستور کو جاری رکھا اور حکم دیا کہ ہر سال سات ہزار اردب (کم وبیش من) غلہ اہل حرمین کے لئے بھیجا جائے، اس میں سے پانچہزار اردب مکہ معظمہ کے لئے اور دو۲ ہزار اردب مدینہ منورہ کے لئے مقرر ہوا، مفتی دحلان لکھتے ہیں کہ سلیم کے بعد دوسرے سلاطین عثمانی غلہ کی مقدار میں اضافہ کرتے گئے، یہاں تک کہ مکہ معظمہ کے لئے بارہ ہزار اردب اور مدینہ منورہ کے لئے سات ہزار اردب غلہ آنے لگا، سلیم نے مکہ معظمہ میں مقام حنفی کو از سر نو تعمیر کرایا، اور مدینہ منورہ میں امیر مصلح بیگ کو بھیج کر بہت سے رفاہی کام انجام دیئے، اُس کی داد و دہش اور امور خیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں حرمین شریفین میں فارغ البالی پھیل گئی، شیخ قطبی جو مکہ کے ایک مشہور عالم اور سلیم کے معاصر تھے بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے بچپن میں مطاف کو اکثر خالی پاتا تھا، اور تنہا طواف

کرتا تھا، بازار مصر کو بھی چاشت کے وقت تک سنسان دیکھتا تھا، اور اکثر یہ دیکھتا تھا کہ غلہ فروشوں کے قافلے آئے ہوئے ہیں، مگر خریدنے والے بہت کم ہیں، لیکن اب دولت عثمانیہ کے عہد میں لوگوں کی کثرت ہے، رزق وسیع ہے، خوشحالی اور رفارغ البالی ہے، اور لوگ اس سلطنت کے زیر سایہ امن و اطمینان میں ہیں، اور اس کے انعام و اکرام کے دریا میں غوطے لگا رہے ہیں[1]"۔

خلافت | غرض حرمین شریفین کی خدمت کا شرف جب سلیم کو حاصل ہو گیا تو آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے جو قاہرہ میں سلاطین مملوک کے زیر سایہ ظاہری شان و شوکت کیساتھ مگر حقیقۃً بغیر کسی اختیار و اقتدار کے زندگی بسر کر رہا تھا، خلافت کے تمام حقوق و امتیازات بھی اسے تفویض کر دیئے، اور مقامات مقدسہ و حرمین شریفین کی کنجیاں نیز بعض آثار نبویہ مثلاً آنحضرت صلعم کی تلوار، علم اور چادر بطور سند خلافت اس کے حوالہ کر دیئے اس تاریخ سے سلاطین عثمانی خلیفہ کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے، اور خطبوں میں ان کا ذکر بحیثیت امیر المومنین کے ہونے لگا، اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت دنیائے اسلام کی خلافت کا حق بھی انہی کو پہنچتا تھا، کوئی دوسری اسلامی سلطنت طاقت اور وسعت میں دولت عثمانیہ کے برابر نہ تھی، یہی سلطنت تمام دوسری سلطنتوں سے زیادہ شرع و ملت کی حفاظت کی طاقت رکھتی تھی، اور قریباً ڈیڑھ صدی سے جہاد کا فرض ادا کرتی آرہی تھی، چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سلطان سلیم کی خلافت کا اعلان کیا گیا تو دنیائے اسلام کے کسی گوشہ سے اس کی مخالفت نہیں ہوئی، اس منصب کے لئے سلاطین عثمانی کا حق اس قدر مسلّم سمجھا گیا کہ سلیم کے عہد سے لے کر گذشتہ جنگ

---

[1] "فتوحات اسلامیہ" جلد ۲ صفحہ ۱۳۰-۱۲۶،

عمومی تک پوری چار صدیوں میں ایک مدعی خلافت بھی اُن کے مقابلہ میں نہیں اٹھا

بنو امیہ اور عباسیہ کے عہدوں میں خلافت کے بہت سے دعویدار نظر آتے ہیں لیکن خلفاے عثمانیہ کی پوری تاریخ میں کسی ایک حریف کو بھی سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوئی،

منصبِ خلافت پر فائز ہو جانے سے سلطان کا اثر و اقتدار بہت بڑھ گیا، حکومت کے علاوہ اب اسے اپنی مسلمان رعایا کی مذہبی پیشوائی بھی حاصل ہو گئی، اور اس دینی اقتدار کا دائرہ صرف سلطنت عثمانیہ کے مسلمان باشندوں تک محدود نہ رہا، بلکہ اس کے اندر تمام دنیاے اسلام کے باشندے آگئے، خواہ وہ کسی قوم یا ملک کے ہوں، علاوہ ایرانیوں اور بعض دوسری شیعی جماعتوں کے جو بمقابلہ اہلِ سنت والجماعۃ کے تعداد میں بہت کم ہیں،

واپسی | مصر اور حجاز کے ضروری انتظامات سے فارغ ہو کر شعبان ۹۲۳ھ (ستمبر ۱۵۱۷ء) میں سلیم شام کی طرف واپس ہوا، ہزار اونٹ سونے اور چاندی سے لدے ہوئے ساتھ تھے، مالِ غنیمت کا زیادہ قیمتی حصہ جہازوں کے ذریعہ اس سے پہلے قسطنطنیہ بھیجا جا چکا تھا، انہی جہازوں پر قاہرہ کے بہترین صنّاع اور کاریگر بھی روانہ کئے گئے تھے جو قسطنطنیہ لیجا کر آباد کئے گئے، ۲۰ رمضان ۹۲۳ھ کو سلیم دمشق پہنچا اور وہاں ۲۲ صفر ۹۲۴ھ تک قیام کیا، دمشق سے حلب گیا، اور وہاں بھی دو مہینے قیام کیا، اس مدت میں اُس نے شام کی حکومت کے انتظامات کئے، ۷ رجب ۹۲۴ھ (۲۵ جولائی ۱۵۱۸ء) کو وہ قسطنطنیہ پہنچا، اس کو وہاں سے روانہ ہوئے صرف دو سال گذرے تھے، اس تھوڑی مدت میں اُس نے شام، مصر، اور حجاز کو فتح کر کے سلطنت مملوکیہ کا

خاتمہ کر دیا، اور سلطنت عثمانیہ کے رقبہ کو تقریباً دو چند کر دیا،

اسپین سے معاہدہ۔ سلیم جب قسطنطنیہ واپس آیا تو اسپین کا سفیر عیسائیوں کے لئے بیت المقدس کی زیارت کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے اس کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُس کے معاوضہ میں وہ رقم جو پہلے سلاطینِ مصر کو دی جاتی تھی دولت عثمانیہ کو ادا کرتے رہنے کا وعدہ کیا، سلیم نے اس درخواست کو منظور کر لیا، مگر یہ تصریح کر دی کہ باضابطہ طور پر اس معاہدہ کا تکملہ ہونا چاہئے،

روڈس پر حملہ کی تیاریاں۔ اس کے بعد سلیم دولت عثمانیہ کی بحری طاقت کو ترقی دینے کی طرف متوجہ ہوا، اُس نے مختلف سائز کے ڈیڑھ سو نئے جہاز تعمیر کرائے، ان کے علاوہ سو جہاز اور بھی بنوائے اور حکم دیا کہ وہ کسی مہم پر روانہ ہونے کے لئے ہر وقت پوری طرح مسلح اور تیار رکھے جائیں، ساٹھ ہزار فوج بھی مع ایک بڑے توپخانہ کے ایشیائے کوچک میں اکٹھا کی گئی، بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ یہ تیاریاں ایران پر حملہ کی غرض سے کیجا رہی ہیں، لیکن عام رائے یہ تھی کہ حملہ روڈس پر ہونے والا ہے، جہازوں بندرگاہوں، اور سلاح خانوں کی تعمیر سے اسی رائے کی تائید ہوتی تھی، سلیم نہایت انہماک کے ساتھ ان تیاریوں میں مصروف تھا، اور اس مہم کو اس وقت تک ملتوی رکھنا چاہتا تھا جب تک روڈس جیسے مضبوط قلعہ پر کامیابی کے ساتھ حملہ کرنے کے لئے کافی سامان فراہم نہ ہو جائے، چنانچہ ایک روز اُس نے اپنے وزیروں کو بلا کر کہا کہ تم روڈس کی فتح کے لئے مجھ سے عجلت کرانا چاہتے ہو، مگر تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایسی مہم کے لئے کتنے سامان کی ضرورت ہے؟ تم بتا سکتے ہو کہ اس وقت کس قدر بارود تمھارے پاس موجود ہے"؟ وزراء اس سوال کے جواب کے لئے تیار نہ تھے

لیکن دوسرے روز انھوں نے آکر سلیم سے کہا کہ" ہمارے پاس چار مہینے کی محاصرہ کے لئے کافی سامان موجود ہے"، سلیم یہ سنکر برافروختہ ہوا اور کہنے لگا کہ"چار ماہ کے سامان جنگ سے کیا ہوتا ہے جب کہ اس کی دوچند مقدار بھی کافی نہ ہوگی، کیا تم چاہتے ہو، کہ سلطان محمد ثانی کی سی رسوائی مجھے بھی نصیب ہو، میں اس وقت لڑائی نہیں شروع کروں گا، اور نہ ایسی ناکافی تیاریوں کے ساتھ روڈس کا سفر کروں گا، علاوہ بریں میرا خیال ہے کہ اب مجھے صرف ایک ہی سفر اختیار کرنا ہے، یعنی سفر آخرت"

وفات

اُس کا یہ خیال صحیح ثابت ہوا، وہ ادرنہ کے لئے قسطنطنیہ سے روانہ ہوا مزاج پہلے ہی سے ناساز تھا، مگر اطبار کی ممانعت کے باوجود اُس نے گھوڑے کی سواری نہ چھوڑی، راستہ میں مرض کی شدت اتنی بڑھی کہ اسے ایک چھوٹے سے گاؤں میں اُتر جانا پڑا، اور وہیں ۹ شوال ۹۲۶ھ (۲۲ ستمبر ۱۵۲۰ء) کو اپنی حکومت کے نویں اور عمر کے چونویں سال میں اُس کا انتقال ہوگیا،

سلیمان اعظم قانونی

۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ مطابق ۱۵۲۰ء تا ۱۵۶۶ء

سلیمان اعظم کا عہدِ حکومت نہ صرف تاریخ عثمانیہ بلکہ تاریخ عالم کا ایک نہایت اہم دور ہے، مغربی یورپ کی سلطنتیں قرونِ وسطیٰ کے خلفشار سے نکل کر عہد جدید کی معرکہ آرائیوں کے لئے تیار ہو رہی تھیں، سلطنت عثمانیہ اور اُن کے درمیان چالیس سال سے کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی تھی، یورپ میں بایزید ثانی کی لڑائیاں چھوٹی چھوٹی مسیحی حکومتوں کے ساتھ محدود تھیں، سلیم کی توجہ تمام تر اسلامی سلطنتوں کی جانب مبذول رہی، اس مدت میں یورپ کی سلطنتوں نے بہت نمایاں طور پر ترقی کر لی تھی، اسپین سے مورس کا اخراج ہو چکا تھا، اور وہاں کی مختلف مسیحی ریاستیں متحد ہو کر ایک فرماں روا کے زیر حکومت آ چکی تھیں، فرانس اپنی خانہ جنگیوں کو ختم کر کے دوسرے ملکوں کی فتوحات کے لئے نکل چکا تھا، انگلستان اور سلطنت آسٹریا میں بھی قوت و استحکام کی علامتیں ظاہر تھیں، منجملہ دیگر فنون کے فن حرب میں خصوصیت کے ساتھ بہت زیادہ ترقی ہو گئی تھی، باقاعدہ تنخواہ دار پیدل فوجیں بڑی تعداد میں رکھی گئی تھیں، آتشیں اسلحوں کا استعمال کثرت سے کیا جا رہا تھا، عیسائی سلطنتوں میں اپنی قوت کی ترقی کا احساس اور مسلمانوں سے تازہ مقابلہ کا حوصلہ شدت سے پیدا تھا، یورپ مذہبی

جوش سے لبریز تھا، اور باہمی عداوتوں کے باوجود تمام مسیحی سلطنتیں دولت عثمانیہ کے مقابلہ کے لئے آمادہ و مستعد تھیں، شہنشاہ چارلس پنجم جس کی وسیع سلطنت یورپ کے نصف سے زیادہ حصہ پر پھیلی ہوئی تھی، خاص طور پر اس مسیحی اتحاد میں پیش پیش تھا، دولت عثمانیہ کے لئے چارلس، اور اس کے معاونین سے قوت آزمائی کرنا آسان نہ تھا، خصوصاً ایسی حالت میں کہ ایران کی وسیع سلطنت دشمنی پر آمادہ تھی، اور شام و مصر میں ہر وقت بغاوت کا خطرہ تھا، تاہم وہ نہ صرف ان بیرونی اور اندرونی خطرات سے محفوظ رہی، بلکہ سولھویں صدی کی پوری مدت میں اس کی قوت و سطوت میں اضافہ ہی ہوتا گیا، اور عیسائی سلطنتوں کے بہتیرے صوبے اُس کے مقبوضات میں شامل ہو گئے، اس میں شبہ نہیں کہ سولھویں صدی میں ترکوں کی عظیم الشان کامیابی کا سبب اُن کی زبردست فوجی قوت اور اپنی قومی عظمت کا احساس تھا، لیکن اس کامیابی کا اصلی سبب یہ تھا کہ عنانِ سلطنت ایک ایسے فرماں روا کے ہاتھ میں تھی جو دولت عثمانیہ کا سب سے بڑا تاجدار اور اُس وقت تمام دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ تھا،

ذاتی اوصاف و اخلاق سلطان سلیمان چھبیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا، بایزید ثانی کے زمانہ میں جب کہ اس کی عمر بہت کم تھی وہ مختلف صوبوں کا حاکم رہ چکا تھا، پھر جب سلیم نے ایران پر حملہ کیا تو سلیمان کو نائب سلطنت کی حیثیت سے قسطنطنیہ میں چھوڑ گیا، اس کے بعد جنگ مصر کے دوران میں وہ ادرنہ کا حاکم تھا، اور پھر سلیم کے عہد کے آخری دو سالوں میں ولایت صاروخاں کا انتظام اسی کے سپرد تھا، چنانچہ جب سلیم کی وفات کے بعد وہ تخت پر آیا تو ایک کامیاب مدبر اور لائق فرماں روا کی شہرت حاصل کر چکا تھا، ذاتی عظمت میں وہ اپنے تمام پیشروؤں سے بڑھا ہوا تھا، اور فتوحات اور وسعتِ سلطنت کے

لحاظ سے اُن سب پر فوقیت لے گیا، اُس کے عہد میں سلطنتِ عثمانیہ اپنی انتہائی حدِ کمال تک پہونچ گئی، اس کی خانگی زندگی بالکل بے داغ تھی، وہ اپنے رحم وکرم کے لئے خاص طور پر مشہور تھا، انصاف اُس کا مخصوص شیوہ تھا، اور اس کی عدالت میں نسل، رنگ، اور مذہب کی کوئی تفریق نہ تھی، رعایا کی فلاح و بہبود اس کا مطمحِ نظر تھا، چنانچہ جب وہ تخت نشین ہوا تو تمام رعایا نے اس نوجوان سلطان کا جو اپنے اخلاق، شجاعت، انصاف، رحمدلی، اور دانشمندی کی بنا پر صد درجہ ہر دلعزیز تھا، نہایت مسرت کے ساتھ استقبال کیا، اپنی حکومت کے پہلے ہی سال میں اُس نے انصاف اور رحمدلی کی ایسی مثالیں پیش کیں جن سے اُس کے آیندہ طرزِ عمل سے متعلق نہایت خوش آیند توقعات قائم کی جانے لگیں، سلطان سلیم نے چھ سو مصریوں کو بجبر مصر سے قسطنطنیہ میں منتقل کر دیا تھا، سلیمان نے اُن سب کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دیدی، سلیم نے بعض تاجروں کا سامانِ تجارت ایران سے تجارت کرنے کی پاداش میں ضبط کر لیا تھا، سلیمان نے نقد روپیہ دے کر اُن کے نقصان کی تلافی کر دی، اُس کے حکم سے سلطنت کے بعض اعلیٰ حکام بددیانتی اور ظلم کے جرم میں گرفتار کئے گئے، اور اون کو سخت سزائیں دی گئیں، ان واقعات کی خبریں تمام سلطنت میں پہونچیں اور رعایا کو اپنی جان و مال کی طرف سے اطمینان ہو گیا، سلیمان نے تمام صوبہ داروں کے پاس احکام بھیجے کہ رعایا کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی روا نہ رکھی جائے اور امیر وغریب مسلم وغیر مسلم سب کے ساتھ یکساں طور پر انصاف کیا جائے، ان احکام کے نفاذ سے ہر طرف امن وامان قائم ہو گیا، البتہ غزالی نے جسے سلطان سلیم نے مصری حکومت سے غداری کے صلہ میں شام کا حاکم بنایا تھا سرکشی کا اظہار کیا، اور خودمختار ہو جانا چاہا، سلیمان نے فوراً اُس کی سرکوبی کے لئے ایک فوج روانہ کی، غزالی کو شکست ہوئی،

اور وہ قتل کر دیا گیا، اس کے قتل سے نہ صرف شام کا فتنہ فرو ہو گیا، بلکہ شاہ اسمٰعیل کے معاندانہ ارادوں کا خاتمہ بھی ہو گیا جس نے غزالی کی بغاوت سے فائدہ اُٹھانے کی غرض سے شام کی سرحد پر اپنی فوجیں تیار رکھی تھیں،

بلغراد کی فتح

سلیم کے آخری دور حکومت میں سلطنت عثمانیہ اور سلطنت ہنگری کے درمیان آویزش پیدا ہو گئی تھی، اور سرحدی علاقہ میں برابر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں، اس خلش کو دور کرنے کے لئے سلیمان کو بلغراد اور زاباگز (Szabacz) کے سرحدی قلعوں کو فتح کر لینا ضروری ہو گیا، ان قلعوں کی فتح سرحد کے استحکام کے لئے بھی ضروری تھی، اور یورپ میں مزید فتوحات حاصل کرنے کے لئے بھی، چنانچہ سلیمان نے ہنگری کے بادشاہ لوئی ثانی کے پاس اپنے سفیر بھیجے، اور اُس سے خراج کا مطالبہ کیا، لوئی نے اس مطالبہ کے جواب میں عثمانی سفراء کو قتل کرا دیا[1] سلیمان کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ فوراً ہنگری کی فتح کے لئے روانہ ہو گیا، اس کے فوجی سرداروں نے زاباگز اور دوسرے قلعوں کا محاصرہ کر کے قبضہ کر لیا، اس کے بعد سلیمان خود بلغراد کی طرف بڑھا، اور اس شہر کے گرد جس نے محمد فاتح جیسے سلطان کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا، اپنے خیمے نصب کر دیئے، سات روز کی گولہ باری کے بعد ۲۵ رمضان ۹۲۷ھ (۲۹ اگست ۱۵۲۱ء) کو بلغراد فتح ہو گیا، فتح کے بعد نہ تو قلعہ کے فوجی دستہ کا قتل عام ہوا، اور نہ شہر کے باشندے قتل کئے گئے[2]، سلیمان نے وہاں کے سب سے بڑے گرجا میں نماز ادا کی، اور تثلیث کے اس عظیم الشان معبد کو خدائے واحد کی پرستش کے لئے مخصوص کر دیا، اس کے بعد اُس نے بلغراد میں ایک ترکی دستہ متعین کیا اور قلعہ کو از سر نو مضبوط و مستحکم کر کے قسطنطنیہ واپس ہوا، بلغراد کے علاوہ سرحد کے دوسرے قلعوں پر بھی عثمانیوں نے قبضہ کر لیا، اور ہنگری میں

داخل ہونے کے تمام دروازے اُن کے لئے کھل گئے، سلیمان اب ہنگری کے دارالسلطنت بوڈا کی طرف بڑھ سکتا تھا، لیکن روڈس کی فتح اُس کے نزدیک زیادہ ضروری تھی، اور بلغراد کے بعد اُس نے اُسی جانب رخ کیا،

جمہوریہ وینیس کا باجگذار ہونا

بلغراد کی فتح کا ایک اثر یہ ہوا کہ جمہوریہ وینس نے از سر نو اپنے کو سلطنت عثمانیہ کا باجگذار تسلیم کر لیا، اور جزائر قبرص (سائپرس) وزانطہ کا خراج دوچند کر دیا،

روڈس کی فتح

روڈس کی فتح مختلف وجوہ سے ضروری تھی، بلغراد اور روڈس ہی دو معرکے تھے جنمیں سلطان محمد فاتح نے شکست کھائی تھی، بلغراد کی فتح نے سلطنت عثمانیہ کے دامن سے ایک شکست کا داغ تو دھو دیا، سلیمان کی عالی حوصلگی دوسرے دھبہ کے دھونے کے لئے بھی بے قرار تھی، علاوہ بریں، روڈس کے جہاز بحر روم کے مشرقی حصہ میں اور مجمع الجزائر اور اناطولیہ کے ساحلوں پر لوٹ مار مچاتے رہتے تھے[1]، روڈس کی فتح اس وجہ سے بھی ضروری تھی کہ قسطنطنیہ اور شام و مصر کے درمیان جو تعلقات اب قائم ہو گئے تھے انہیں مبارزین روڈس اپنے جہازوں کے ذریعہ رخنہ انداز ہوتے رہتے تھے، ان اسباب کی بنا پر سلیمان نے اس جزیرہ پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا، اور تین سو جہازوں کا عثمانی بیڑا قسطنطنیہ سے روڈس کی جانب روانہ کیا، ساتھ ہی وہ خود بھی ایک لاکھ فوج لے کر ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کی طرف بڑھا، بحری اور برّی فوجوں کے جمع ہونے کی جگہ خلیج مارمرس قرار پائی، جو روڈس کے محاذ میں واقع ہے، ۲۸ جولائی ۱۵۲۲ء کو سلیمان روڈس کے ساحل پر اترا، اور یکم اگست ۱۵۲۲ء کو محاصرہ شروع ہوا، جو تقریباً پانچ مہینہ

---

[1] کیمبرج ماڈرن ہسٹری ج ۱ ص ۹۳،

تک جاری رہا، روڈس کے راہب مبارزوں نے نہایت شجاعت کے ساتھ مدافعت کی لیکن محاصرین کی قوت سے مجبور ہو کر بالآخر انھیں ۶ صفر ۹۲۹ھ (۲۵ دسمبر ۱۵۲۲ء) کو ہتھیار ڈال دینے پڑے سلیمان نے ان کے ساتھ جو مراعات برتیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن کی شجاعت کا کس درجہ قدردان تھا، اُس نے مبارزین کو اجازت دیدی کہ بارہ روز کے اندر اپنے تمام اسلحوں اور سامانوں کو لے کر اپنے ہی جہازوں پر روڈس سے چلے جائیں اور اگر ضرورت سمجھیں تو عثمانی جہازوں کو بھی کام میں لائیں، روڈس کے باشندوں کو سلطان کی رعایا بننے کے بعد پوری مذہبی آزادی دیدی گئی، سلیمان نے صراحت کے ساتھ وعدہ کیا کہ ان کے کلیساؤں سے کوئی تعرض نہ کیا جائیگا، اُن کے بچے والدین سے چھینے نہ جائیں گے، اور پانچ سال تک ان سے کسی قسم کے ٹیکس یا محصول کا مطالبہ نہ ہوگا[۱]، سلیمان نے اپنی فوجیں قلعہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہٹالیں تاکہ مبارزین امن وسکون کے ساتھ قلعہ سے نکل جائیں لیکن ینی چری باوجود سخت روک تھام کے بے قابو ہوگئے، اور شہر میں داخل ہو کر تھوڑی دیر تک لوٹ مار کرتے رہے، تاہم اور تمام شرائط سلیمان کی طرف سے نہایت دیانت داری کے ساتھ پورے کئے گئے، مبارزین روڈس نے وہاں سے نکلنے کے بعد آٹھ سال تک جزیرہ کریٹ میں قیام کیا، اور پھر مستقل طور پر جزیرہ مالٹا میں جاکر آباد ہوگئے،

مصر اور ینی چری کی بغاوت بلغراد اور روڈس کی فتح کے بعد ہنگری، سسلی، اور اٹلی کے راستے سلیمان کے لئے کھل گئے لیکن مصر کی بغاوت اور ایشیائے کوچک کی شورش کے باعث اسے پہلے مشرق کی جانب متوجہ ہونا پڑا اور یورپین سلطنتوں کو دو سال کی مہلت مل گئی، احمد پاشا

---

[۱] کریسی جلد ا صفحہ ۲۶۲،

نے جو خیر بے کے انتقال کے بعد ۹۲۸ھ (۱۵۲۲ء) میں مصر کا حاکم مقرر ہوا تھا، علم بغاوت بلند کیا، اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے سلیمان نے ایک فوج مصر روانہ کی، احمد پاشا کو شکست ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا، اس کے بعد سلیمان نے صدر اعظم ابراہیم پاشا کو حکومت مصر کے انتظام و استحکام کے لئے ما...ر کیا، اور خود سلطنت کے داخلی انتظامات کی جانب متوجہ ہوا، ۹۳۱ھ (۱۵۲۵ء) کے اوائل سرما میں وہ شکار کی غرض سے قسطنطنیہ سے ادرنہ چلا گیا، روڈس کی فتح کو ڈیڑھ سال کی مدت گذر چکی تھی، اس درمیان میں کوئی دوسری جنگ پیش نہیں آئی تھی، ینی چری کو امن کا یہ زمانہ نہایت گراں گذر رہا تھا، چنانچہ سلیمان کی عدم موجودگی میں انھوں نے قسطنطنیہ میں بغاوت برپا کر دی، اور وزراء اور دوسرے بڑے بڑے عہدہ داروں کے مکانات لوٹ لئے، یہ خبر سنکر سلیمان ادرنہ سے قسطنطنیہ کو لوٹا، اور اس شورش کو فرو کرنے کی کوشش کی، اس نے باغیوں کے بعض سرداروں کو قتل کرا دیا، دو کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا، اور پھر عام سپاہیوں کو انعام و اکرام دیکر بغاوت کا خاتمہ کیا،

ہنگری کی فتح وزیر اعظم ابراہیم پاشا اس وقت مصر میں تھا، سلیمان نے اسے واپس بلا لیا، اور ہنگری کی مہم کی تیاری شروع کر دی، ینی چری کی بغاوت سے اس کو تجربہ ہو گیا تھا، کہ سلطنت کے امن کے لئے اس فوج کو جنگ میں مصروف رکھنا ضروری ہی، بلغراد کی فتح کے بعد سے اگرچہ کوئی بڑی جنگ ہنگری کے ساتھ پیش نہیں آئی تھی، تاہم چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کا سلسلہ قائم تھا، علاوہ بریں فرانسس اول شاہ فرانس نے جسے شہنشاہ چارلس پنجم نے پیویا کی جنگ (۱۵۲۵ء) میں شکست دیکر قید کر لیا تھا، سلیمان سے ہنگری پر حملہ کرنے کی بمنت استدعا کی، تاکہ چارلس کو اپنی توجہ فرانس سے ہٹا کر ہنگری کی جانب

مبذول کرنی پڑے، جس کی سرحد سلطنت آسٹریا سے ملی ہوئی تھی، پھر اسی زمانہ میں شاہ ایران نے شہنشاہ چارلس اور شاہ ہنگری کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کے خلاف ایک جارحانہ اور مدافعانہ اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی، ان وجوہ سے سلیمان نے ہنگری پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور ایک لاکھ فوج اور تین سو توپوں کے ساتھ روانہ ہوا قسطنطینیہ سے روانہ ہونے کے پانچ ماہ بعد ۲۰ ذیقعدہ سنہ ۹۳۲ھ (۲۸ اگست سنہ ۱۵۲۶ء) کو موہاکز کے میدان میں ہنگری کی فوج سے مقابلہ ہوا عثمانی لشکر کو اپنی کثرت تعداد اور توپخانوں کی بنا پر بہت کچھ فوقیت حاصل تھی، دو گھنٹے سے کم ہی میں جنگ اور ساتھ ہی ہنگری کی قسمت کا بھی فیصلہ ہوگیا، شاہ لوئی، اس کے آٹھ اسقف، اعیان ہنگری کی ایک بڑی تعداد اور چوبیس ہزار سپاہی مارے گئے، لوئی بھاگتا ہوا دریا میں ڈوب کر مرا، ۳ ذی الحجہ سنہ ۹۳۲ھ (۱۰ ستمبر سنہ ۱۵۲۶ء) کو سلیمان ہنگری کے پایہ تخت بودا میں پہنچا، باشندگان شہر نے ہتھیار ڈال کر دروازے کھول دیئے، ہنگری کے جو امرا موہاکز کی تباہی سے بچ گئے تھے انھوں نے سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوکر اطاعت کا حلف لیا، چونکہ شاہ لوئی لاولد مرگیا تھا، اس لئے سلیمان کی تحریک سے ان امرا نے ہنگری کے تخت کے لئے کونٹ زاپولیا (Count Zapolya) کا انتخاب کیا جو ٹرانسلوینیا کا امیر اور ہنگری کے اکابر میں سے تھا، اس کے چند دنوں بعد سلیمان کو اطلاع ملی کہ ایشیائے کوچک میں کچھ بغاوت کی صورتیں رونما ہو رہی ہیں چنانچہ وہ فوراً بودا سے قسطنطینیہ کی طرف روانہ ہوگیا، ہنگری کے بعض سرحدی قلعوں میں ترکی دستے متعین کردیئے گئے،

ہنگری میں خانہ جنگی، ہنگری کے تخت کے لئے زاپولیا کا انتخاب خانہ جنگی کا باعث ثابت ہوا، آرک ڈیوک فرڈیننڈ جو شہنشاہ چارلس پنجم کا بھائی تھا، اور جسے چارلس نے آسٹریا کی

آرچ ڈیوک منتقل کر دی تھی، ایک صلحنامہ کے روسے جو چارلس اور سابق شاہ لوئی کے درمیان ہو چکا تھا، ہنگری کے تخت کا دعویدار ہوا، دوسری طرف زاپولیا اور اُس کے حامیوں نے اپنی موافقت میں ہنگری کا ایک قدیم قانون پیش کیا جس کے روسے ہنگری کے باشندے کے علاوہ کوئی دوسرا شخص وہاں کا بادشاہ منتخب نہیں ہو سکتا تھا، لیکن باوجود اس قانون کے مغربی ہنگری کے امرار نے فرڈیننڈ کو منتخب کر لیا، اس کے بعد جنگ ناگزیر ہو گئی، فرڈیننڈ کے ساتھ آسٹریا کی مدد شامل تھی، اُس نے زاپولیا کو شکست دیکر ملک کے باہر بھگا دیا، زاپولیا نے پولینڈ میں پناہ لی، اور وہاں سے سلطان کی خدمت میں مدد کی درخواست بھیجی، یہ سنکر فرڈیننڈ نے بھی اپنا ایک سفیر سلیمان کے دربار میں بھیجا، اور نہ صرف ہنگری کے تخت کے لئے حمایت کی استدعا کی، بلکہ بلغراد اور ہنگری کے دوسرے شہروں کی واپسی کا بھی جو سلطنتِ عثمانیہ میں شامل ہو چکے تھے مطالبہ کیا، سلیمان نے فرڈیننڈ کے مطالبہ سے برافروختہ ہو کر اُس کے سفیر کو رخصت کر دیا، اور زاپولیا کے سفیر کو اطمینان دلایا کہ وہ ضرور اُس کی مدد کریگا،

فرڈیننڈ کی شکست ۱۰ / مئی ۱۵۲۹ء کو سلیمان قسطنطنیہ سے روانہ ہوا، اور ڈھائی لاکھ فوج اور تین سو توپوں کے ساتھ ہنگری میں داخل ہو کر ۳ ستمبر کو پایہ تخت بودا پہنچا، اور اُس کا محاصرہ کر لیا، چھ روز میں بودا فتح ہو گیا، اور زاپولیا دوبارہ تخت پر بٹھا دیا گیا، اس کے بعد سلیمان آسٹریا کے مشہور دار السلطنت ویانا کی طرف بڑھا،

ویانا کا محاصرہ آسٹریا کا شہنشاہ چارلس پنجم اُس وقت یورپ کا سب سے بڑا فرماں روا تھا، وہ اسپین، نیدرلینڈ، سسلی اور جرمنی کی مملکتوں کا تنہا مالک تھا، محاصرہ ویانا کے وقت وہ اٹلی میں فرانسس اوّل، شاہِ فرانس سے جنگ میں مصروف تھا، اس لئے

ترکوں کے مقابلہ کے لئے کوئی فوج نہ بھیج سکا، اور آسٹریا کو صرف اپنی ذاتی قوت پر بھروسہ کرنا پڑا، چنانچہ محاصرہ سے قبل ہر دس آدمیوں میں سے ایک آدمی فوج میں بھرتی کیا گیا ہمسایہ ریاستوں نے فوجی دستوں سے مدد کی، پھر بھی یہ فوج ترکوں کے مقابلہ کے لئے بالکل ناکافی تھی، فرڈینینڈ نے مجلس سلطنت سے مدد کی درخواست کی، جس نے صرف بارہ ہزار پیدل اور چار ہزار سوار فوج بھیجنا منظور کیا، مجلس کو بمشکل یقین دلایا جا سکا کہ سلیمان ویانا کی طرف بڑھتا آرہا ہے، بہر حال جلد ہی یہ معلوم ہو گیا کہ آسٹریا اتنی فوجیں جمع کرنے سے قاصر ہے جو ترکوں کو آگے بڑھنے سے روک سکیں، اس لئے عیسائیوں نے اب صرف دار السلطنت کی حفاظت کی تیاریاں شروع کیں، فرڈینینڈ خود تو سلیمان کے خوف سے ویانا سے بھاگ گیا تھا، لیکن خوش قسمتی سے چند جانباز افسر اور اسپین و جرمنی کے آزمودہ کار دستے محاصرہ کے مکمل ہونے سے قبل شہر میں پہنچ گئے تھے، اور اُن کی مدد حد درجہ اہم ثابت ہوئی، ویانا کے فوجی دستوں کا سپہ سالار کونٹ ڈی سام (Count de Salm) تھا، اور مدافعت کی اصلی نگرانی اسی کے ہاتھ میں تھی، ترکوں کے ویانا پہنچنے سے پہلے ہی تمام امکانی تیاریاں کر لی گئی تھیں، شہر کے استحکامات زیادہ تر بوسیدہ حالت میں تھے فصیل بھی ایک ہی تھی، جو بمشکل چھ فٹ موٹی تھی، چنانچہ وہ تمام مکانات جو فصیل سے بہت قریب واقع تھے، گرا کر زمین کے برابر کر دیئے گئے، شہر کے اندر مٹی کی ایک نئی دھس تیار کی گئی، دریا کے ساحل پر خندق کھود کر لکڑی کے بڑے بڑے مضبوط لٹھوں سے باڑ لگا دی گئی، آتشزدگی کے خیال سے چوبی کھپریلیں جن سے عام طور پر مکانات چھائے ہوئے تھے شہر کے ہر مکان سے نکال لی گئیں، سڑک کی سنگی پٹریاں بھی اکھاڑ لی گئیں، تاکہ دشمن کے گولوں

کا اثر زائل ہو جائے، سامانِ رسد اور گھوڑوں کے لئے چارہ فراہم کرنے کی غرض سے متعدد ٹولیاں گرد و نواح میں بھیجی گئیں، پھر اس خطرہ سے کہ محاصرہ زیادہ دنوں تک قائم رہ جائے، ایسے تمام لوگوں کو جو مدافعت کے کام کے نہ تھے، بلکہ جن کی ذات پر فوجی نقطۂ نظر سے بیکار صرف ہو رہا تھا، مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، اور پادری لوگ، شہر چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور کیا گیا[۱]، اور جب ترک ویانا کے قریب پہنچ گئے تو نواحِ شہر کو بھی مسمار کر دیا گیا، تاکہ محاصرین اس سے روک اور پناہ کا کام نہ لے سکیں، وہاں کے باشندوں کو ایسے وقت میں بے خانماں ہونا پڑا، جب انھیں بھاگ جانے کا بھی موقع نہ تھا، اُن میں سے اکثر ترکوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے،

۲۷ ستمبر کو سلیمان ویانا پہنچا، اور محاصرہ شروع ہوا، کثرتِ بارش کی وجہ سے سڑکیں اس قدر خراب ہو گئی تھیں کہ ترکوں کو اپنی بڑی بڑی توپیں ہنگری میں چھوڑ دینی پڑی تھیں، اور اب انھیں زیادہ تر سرنگیں کھود کر دیواروں کو گرانے کی کوشش کرنی پڑی، لیکن محصورین بھی ہر مقام پر نگاہ رکھتے تھے، اور ۹ ر اکتوبر تک ترکوں کی تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں، بالآخر ۱۰ ر اکتوبر کو سرنگ کے ذریعہ سے شہر پناہ میں ایک چوڑا رخنہ پیدا ہو گیا، جس کے بعد ترکوں نے فوراً پے در پے تین حملے کئے مگر ہر بار انھیں پسپا ہونا پڑا، اور وہ رخنہ پر کر دیا گیا، اسی طرح ۱۱ ر اور ۱۲ ر اکتوبر کو بھی ترکوں نے اُن مقامات پر جہاں سرنگوں نے بڑے بڑے رخنے کر دیئے تھے، سخت حملے کئے، لیکن عیسائی ایسی جانبازی سے لڑے کہ ترک شہر کے اندر داخل نہ ہو سکے، سلیمان یہ حالات دیکھ دیکھ کر بہت پیچ و تاب

---

[۱] "ترک اور ویانا کے دو محاصرے" از شمر، بحوالہ لین پول، صـــ ۱۰۴،

"Two Sieges of Vienna by the Turks" by Schimmer.

کھا رہا تھا، ترک بھی موسم کی شدت، سامان رسد کی قلت اور سب سے بڑھ کر ان مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے روز بروز زیادہ دل شکستہ ہو رہے تھے، آخر کار یہ طے پایا کہ ۱۴ اکتوبر (۲۰ صفر ۹۳۶ھ) کو ایک آخری حملہ کیا جائے، سلیمان نے سپاہیوں کا دل بڑھانے کیلئے بہت فیاضی سے روپیہ تقسیم کیا، اور وعدہ کیا کہ جو شخص سب سے پہلے دیوار پر چڑھ جائیگا اُسے دولت سے مالا مال کر دیا جائیگا، اور ایک بہت بڑا منصب عطا کیا جائے گا' چنانچہ نو بجے صبح کو ینی چری اور عثمانی فوج کے بہترین دستے حملہ کے لئے بڑھے، صدر اعظم ابراہیم پاشا اور فوج کے تمام بڑے بڑے افسر بھی ساتھ تھے، لیکن عیسائیوں کی سرفروشی نے ترکوں کے قدم شہر کے اندر نہ آنے دیئے، حالانکہ سہ پہر میں عثمانی انجینیروں نے سرنگوں کے ذریعہ سے شہر پناہ کا ایک بڑا حصہ گرا دیا تھا، مغربی مورخین کا بیان ہو کہ ترکوں کی ہمتیں ٹوٹ چکی تھیں، یہاں تک کہ ینی چری نے بھی دل برداشتہ ہو کر حملہ کرنے سے انکار کر دیا، برخلاف اس کے عیسائیوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے، آخر کار مایوس ہو کر سلیمان کو محاصرہ اٹھا لینا پڑا، اور اُس نے فوج کو واپسی کا حکم دیا، ویانا کو اس کے مدافعین کی سرفروشی نے بچا لیا، لیکن جیسا کہ کریسی نے لکھا ہو، محاصرہ کی ناکامی میں موسم کی شدت جس کے ایشیائی ترک عادی نہ تھے اور ینی چری کی سرکشی کو بھی بہت زیادہ دخل تھا، وسط یورپ میں عثمانی فتوحات کی موج ویانا کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آگئی،

اسٹائریا کی فتح تین سال کے بعد سلیمان پھر ایک زبردست فوج کے ساتھ ہنگری پر حملہ آور ہوا، اور وہاں سے ویانا کا رُخ کیا، اب کی بار شہنشاہ چارلس نے آسٹریا کی فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی، لیکن قلعہ گنش (Guns) کی فتح میں جو رستہ

میں واقع تھا، تین ہفتہ کی مدت صرف ہوگئی، اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد سلیمان نے ویانا کی طرف بڑھنے کا ارادہ فسخ کر دیا، بجائے اس کے وہ اسٹائریا کی طرف متوجہ ہوا اور اسے فتح کرتا ہوا قسطنطنیہ کو لوٹ گیا، چارلس نے بھی سلیمان سے مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کی، اور ویانا کے قریب اپنی فوجیں لئے پڑا رہا،

ہنگری میں ترکی حکومت سلیمان کے قسطنطنیہ لوٹ جانے کے بعد بھی چند سالوں تک زاپولیا اور فرڈینینڈ میں لڑائی کا سلسلہ کم و بیش جاری رہا، بالآخر سنہ ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) میں ان دونوں کے درمیان ایک صلحنامہ ہوگیا، جس کے رو سے ہنگری کے دو حصے کر دیئے گئے مشرقی حصہ کا بادشاہ زاپولیا کو تسلیم کیا گیا، اور مغربی حصہ فرڈینینڈ کی فرماں روائی میں دیدیا گیا، مگر دوسرے ہی سال زاپولیا کا انتقال ہوگیا، اور اسکی بیوہ اور فرڈینینڈ کے درمیان جنگ پھر چھڑ گئی، فرڈینینڈ پورے ہنگری کا دعویدار ہوا، اور زاپولیا کی بیوہ نے اپنے بچہ کے لئے سلیمان سے مدد کی درخواست کی، چنانچہ سنہ ۹۴۸ھ (۱۵۴۱ء) میں سلیمان پھر ہنگری میں داخل ہوا، اور فرڈینینڈ کو شکست دیکر بوڈا اور دوسرے بڑے بڑے شہروں پر قبضہ کر لیا، اور ان میں ترکی دستے متعین کر دیئے، اگرچہ ساتھ ہی اس نے اس امر کا بھی اعلان کر دیا کہ زاپولیا کے بچہ کے بالغ ہونے کے بعد وہ اسے ٹرانسلونیا اور ہنگری کے تخت پر بٹھا دیگا، بہر حال اس وقت سلیمان نے ہنگری کو سنجقوں میں تقسیم کر دیا، اور ان میں ترکی گورنر مقرر کر دیئے، اس جنگ میں گو عثمانیوں کو کہیں کہیں شکستیں بھی ہوئیں لیکن مجموعی طور پر سلیمان کی طاقت اتنی زیادہ تھی کہ سنہ ۹۵۱ھ (۱۵۴۴ء) میں شہنشاہ چارلس اور فرڈینینڈ نے صلح کی گفتگو شروع کر دی اور سنہ ۹۵۴ھ (۱۵۴۷ء) میں پانچ سال کے لئے صلح کر لی گئی، اس صلحنامہ کے رو سے تقریباً تمام ہنگری اور ٹرانسلوینیا پر سلیمان کا قبضہ بدستور قائم رہا، اور فرڈینینڈ نے

باب عالی کو تیس ہزار دوکات سالانہ خراج دینا منظور کیا،

سلیمان "صاحبقراں" یہ صلحنامہ جس میں شہنشاہ چارلس پنجم، پوپ، جمہوریہ وینس اور شاہ فرانس شریک تھے اس بات کا ثبوت ہے کہ مسیحی یورپ نے سلیمان کا "صاحبقراں" ہونا تسلیم کر لیا تھا، آسٹریا کو سلطنت عثمانیہ کے سامنے اس حد تک جھکنا پڑا کہ اس سے قبل صلح کے متعلق جو مراسلت ہوئی تھی، اس میں فرڈ نینڈ نے اپنے کو صدر اعظم ابراہیم پاشا کا بھائی لکھنا منظور کیا، اور اس طرح اپنا مرتبہ ایک ترکی وزیر کے مرتبہ کے برابر قرار دیا، فرانسس اول نے بھی کئی بار نہایت ادب اور عاجزی کے ساتھ سلیمان سے مدد کی درخواست کی تھی، اور سلیمان نے اُس کی درخواست پر ہنگری اور جرمنی پر حملہ کر کے چارلس کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی فوجیں فرانس سے ہٹا لے، نیز فرانس کے دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے اُس نے ایک جنگی بیڑہ بحر روم میں بھی روانہ کیا تھا[1]، یورپ کی خوش قسمتی تھی کہ اسی دوران میں سلیمان کو ایران کی جانب بھی متوجہ ہونا پڑا، اور دولت عثمانیہ کی عسکری قوت دو محاذوں میں تقسیم ہو گئی، فرڈ نینڈ کا سفیر بوس بکیئس (Busbequius)، جو سلیمان کے دربار میں مامور تھا، لکھتا ہے:- "ہمارے اور تباہی و بربادی کے درمیان اہل ایران ہی صرف ایک روک ہیں، ترک ہمیں ضرور آدباتے، مگر ایرانی انھیں روکے ہوئے ہیں، ایرانیوں کے ساتھ ترکوں کی اس جنگ سے ہمیں صرف مہلت مل گئی ہے مخلصی اور نجات نہیں حاصل ہوئی ہے[2]"

ایران کی مہم سنہ ۹۴۱ھ (۱۵۳۴ء) میں سلیمان ایران کی مہم پر روانہ ہوا، چند ماہ قبل اُس نے ابراہیم پاشا کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بھیج دیا تھا، ابراہیم سیدھا تبریز پہنچا، اور اُس پر

۱ کریسی جلد ا صفحہ ۲۷۸، ۲ ایضاً صفحہ ۲۷۶ (فٹ نوٹ)

بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کر لیا، تبریز ہی میں سلیمان بھی اُس سے آکر مل گیا، اور وہ دونوں وہاں سے موصل اور بغداد کی طرف روانہ ہوئے، راستہ اور موسم کی خرابی کی وجہ سے ترکی فوج کو بہت کچھ نقصان برداشت کرنا پڑا، بالآخر سلیمان بغداد پہنچا اور ۲۴ جمادی الآخر سنہ ۹۴۱ھ (۳۱ دسمبر سنہ ۱۵۳۴ء) کو وہاں کے حاکم نے شہر اُس کے حوالہ کر دیا، کیونکہ شاہ طہماسپ نے ترکوں سے مقابلہ کرنے کی زحمت ہی نہیں گوارا کی، اس طرح موصل اور بغداد کے دو بڑے صوبے آسانی کے ساتھ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لئے گئے، پھر سنہ ۹۵۵ھ (سنہ ۱۵۴۸ء) سنہ ۹۶۰ھ (سنہ ۱۵۵۳ء) اور سنہ ۹۶۱ھ (سنہ ۱۵۵۴ء) میں بھی سلیمان نے ایران پر حملے کئے اور اریوان و وان کے مضبوط شہروں کے علاوہ آرمینیا اور مسوپوٹامیا کے بعض بڑے علاقے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے ایرانیوں نے متفرق طور پر ترکی فوج کا مقابلہ کیا، اور ترکوں کو موسم کی سختی اور سامان رسد کی عدم فراہمی کے باعث کافی نقصان پہنچا، لیکن خود شاہ ایران کی طرف سے کوئی مدافعت نہیں ہوئی اور ترک اپنے مفتوحات پر بدستور قابض رہے، ان علاقوں کے علاوہ سلیمان نے اپنی بحری قوت کے زور سے عدن پر بھی مستقل طور پر قبضہ کر لیا، اور سواحل عرب و ایران نیز شمالی مغربی ہند پر اُس کا اثر قائم ہو گیا،

بحری طاقت بری قوت کے لحاظ سے ایشیا یا یورپ کی کوئی سلطنت دولت عثمانیہ کی ہمسر نہ تھی، بحری طاقت کے اعتبار سے بھی اُس کی فوقیت تمام دوسری سلطنتوں پر مسلّم تھی، اُس وقت اسپین اور وینس کے بحری بیڑے سارے یورپ پر حاوی تھے لیکن ترکی بیڑے نے متعدد معرکوں میں اون کو شکست دی، بحری قوت کے اعتبار سے اسپین اور سلطنت عثمانیہ میں زیادہ فرق نہ تھا لیکن اسپین کے ساتھ وینس اور پوپ کے بیڑوں کے شامل ہو جانے کے بعد اتحادیوں کے بیڑے جہازوں کی کثرت تعداد اور

سائز کے لحاظ سے ترکی بیڑے سے بہت زیادہ بڑھ جاتے تھے، تاہم دو بڑے معرکوں میں جب کہ یہ زبردست اتحاد اُن کے خلاف تھا، ترک کامیاب رہے، اور سلیمان کے عہدِ حکومت میں برابر ترکی بیڑے کا اقتدار بحرِ روم میں قائم رہا، جس کی وجہ سے سلیمان نے الجزائر، ادرن اور طرابلس کے صوبے اور بحرِ ایجین کے متعدد جزیرے جو وینس کے قبضہ میں تھے، فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے،

بحری قزاق

سلیمان کے ابتدائی عہد میں شمالی افریقہ کے مسلمان فرماں روا اس قدر کمزور تھے کہ وہ ساحلی علاقوں کے علاوہ اپنی مملکت کے جنوبی حصوں پر اپنا تسلط قائم نہیں رکھ سکتے تھے، اور خود ساحل کے شہر بھی بحری قزاقوں کی آماجگاہ تھے، جن میں سے بعض ان فرماں رواؤں کی اطاعت برائے نام تسلیم کرتے تھے، لیکن اکثر بطور خود بحرِ روم میں لوٹ مار مچاتے رہتے تھے، یہ بحری قزاق دس دس اور بیس بیس جہازوں کے بیڑے بنا کر اپنے جری اور نہایت تجربہ کار سرداروں کی قیادت میں مالِ غنیمت کے لئے بحرِ روم میں پھرا کرتے تھے، اور اسپین، اٹلی اور فرانس، اور کبھی کبھی انگلینڈ اور آئرلینڈ کے ساحلوں پر بھی حملے کیا کرتے تھے،

سلطان سلیم نے بحری قوت پر خاص توجہ کی تھی اور جہازوں کی تعداد اور سائز میں بہت کچھ اضافہ کیا تھا، سلیمان نے بھی اس کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھا اور بحری قوت کو پہلے سے بہت زیادہ ترقی دی، لیکن اس کے بحری سردار بے خوفی اور مہارتِ فن میں بحری قزاقوں کے ہم پلہ نہ تھے، یہ دیکھکر اُس نے اُن قزاقوں کو جو اپنی قابلیت اور تجربہ میں دوسروں سے ممتاز تھے، سلطنت عثمانیہ کی خدمت کے لئے مدعو کیا اور انھیں اُن کے جہازوں اور آدمیوں کے ساتھ بلا کر ترکی بیڑے کے اعلیٰ عہدوں

پر مقرر کیا،

خیر الدین پاشا بحری | ان میں سب سے پہلا اور اپنی غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے سب سے زیادہ مشہور بحری سردار خیر الدین باربروسہ (سرخ داڑھی والا) تھا، یہ شخص پہلے چند جہازوں کو ساتھ لے کر بحرِ روم کے تجارتی جہازوں پر چھاپے مارا کرتا تھا، اور پھر ساحلی علاقوں پر حملہ آور ہونے لگا، چنانچہ اُس نے بطور خود الجزائر پر حملہ کیا اور شہر اور گرد و نواح کے علاقوں پر قبضہ کر لیا، لیکن یہ دیکھکر کہ وہ اپنی خود مختار حکومت قائم نہ رکھ سکے گا، اُس نے سلطان سلیم کی فرمانروائی قبول کر لی، یہ وہ زمانہ تھا جب اُندلس کے مسلمانوں پر اسپین کی عیسائی حکومت انتہائی مظالم کر رہی تھی، خیر الدین نے ان مظلوموں میں سے ستر ہزار کو اپنے جہازوں کے ذریعہ اندلس سے الجزائر پہنچا دیا، پھر جب سلیمان تخت پر آیا تو اُس نے خیر الدین کو عثمانی بحریہ کا امیر اعظم مقرر کیا، چنانچہ ۹۴۱ھ (۱۵۳۴ء) میں اُس نے شہنشاہ چارلس کے زبردست بیڑے پر حملہ کیا، اور کورن، پٹراس اور دوسرے ساحلی شہروں کو جن پر چارلس کے مشہور امیر البحر اینڈریا ڈوریا (Andrea Doria) نے قبضہ کر لیا تھا واپس لے کر سواحل اٹلی پر حملہ آور ہوا، اس کے بعد سلیمان کی تحریک سے اُس نے تونس پر قبضہ کر کے اُسے الجزائر کی ریاست میں شامل کر لیا، تونس کے حفصی سلطان حسن نے شہنشاہ چارلس سے فریاد کی، چارلس خود پانچ سو جہازوں کا بیڑا اور تیس ہزار فوج لے کر تونس پر حملہ آور ہوا، خیر الدین کو شکست ہوئی اور اُسے تونس چھوڑنا پڑا، چارلس فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہوا، اور گو وہاں کے باشندوں نے اسپینی حملہ کے خلاف خیر الدین کو کسی طرح کی مدد نہ دی تھی، تاہم چارلس نے اپنے سپاہیوں کو شہر لوٹ لینے کی اجازت دیدی، اس موقع پر ایورسلے کا بیان ہے کہ "مظالم اور غارت گری کا جو منظر پیش آیا وہ ناقابلِ یقین ہے، شہر کے تیس ہزار بے قصور باشندے

قتل کر دیئے گئے، اور دس ہزار غلاموں کے طور پر فروخت کئے گئے، مسجدیں اور تمام خاص خاص عمارتیں جلا کر برباد کر دی گئیں[1]، مسجدیں گرجوں کی شکل میں تبدیل کر دی گئیں، کتب خانے برباد کر دیئے گئے، اتنی کتابیں راستہ میں پڑی ہوئی تھیں کہ ان کے ڈھیروں کو روندے بغیر کوئی جامع مسجد تک پہنچ نہیں سکتا تھا، لوگوں کو جبراً عیسائی بنایا گیا، مسلمانوں کی جائدادیں اور مکانات چھین چھین کر عیسائیوں کو دیئے جانے لگے[2]، بہر حال اس تمام قتل و غارت گری کا نتیجہ یہ ہوا کہ تونس سلطنت عثمانیہ کے قبضہ سے نکل کر پھر سلطان حسن کے زیر حکومت آگیا، لیکن حسن کو سلطنت اسپین کی اطاعت قبول کرنی پڑی، اور اُس کی خود مختاری کا خاتمہ ہو گیا، اس کے بعد تونس پر ترکوں کا مستقل قبضہ ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) تک نہ ہو سکا،

فرانس کے ساتھ مخصوص مراعات

۹۴۲ھ (۱۵۳۵ء) میں شہنشاہ چارلس اور فرانسس اول میں پھر جنگ چھڑ گئی، اور فرانسس نے سلیمان سے مدد کی درخواست کی، اس درخواست کی بنا پر سلیمان اور فرانسس کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت عثمانیہ کی سطوت و اقتدار یورپ میں کس حد تک تسلیم کر لیا گیا تھا، فرانسیسی مصنف البین (Albin) اس معاہدہ کو "رعایت سلطانی" سے تعبیر کرتا ہے، سلیمان نے اہل فرانس کے لئے سلطنت عثمانیہ کے ہر حصہ میں وہ حقوق عام کر دیئے جو ۱۵۲۸ء میں انھیں مصر میں عطا ہوئے تھے، فرانسیسیوں کو پانچ فیصدی محصول کے معاوضہ میں تمام ترکی بندرگاہوں سے تجارت کرنے کی اجازت دی گئی، کوئی غیر ملکی جہاز جس پر فرانس کا نشان نہ ہو سلطنت عثمانیہ

۱؎ "ترکی سلطنت" از لارڈ ایورسلے ص ۱۲۵ ۲؎ المونس فی اخبار افریقہ و تونس لابن ابی دینار بحوالہ خلافت عثمانیہ، از مولانا سید سلیمان ندوی،

کے زیر اثر سمندروں میں داخل ہونے کا مجاز نہ تھا، فرانسیسی تاجروں کے مقدمات، دیوانی اور فوجداری دونوں صیغوں کے، خود انہی کے قنصلوں کے سپرد کر دیئے گئے، اور ترکی عہدہ داروں کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا گیا کہ وہ ان قنصلوں کے فیصلوں کی تعمیل کراتے رہیں گے، سلطنت عثمانیہ کے فرانسیسی باشندوں کو انتقال جائداد کے متعلق وصیت کرنے کے مخصوص حقوق عطا کئے گئے، انھیں نہ صرف اپنے لئے کامل مذہبی آزادی بخشی گئی بلکہ مقامات مقدسہ کی نگہبانی بھی تفویض ہوئی، اور اس طرح گویا سلطان کی تمام عیسائی رعایا کی حمایت کا حق انھیں حاصل ہو گیا، یورپ کے تمام فرماں رواؤں میں صرف فرانس کے بادشاہ کو سلطان نے بجائے بے کے پادشاہ کے لقب سے سرفراز کیا، اور اس معاہدہ کے بعد اس کے ساتھ ہمسری کا برتاؤ روا رکھا[1]

جزائر ایجین پر قبضہ

چنانچہ ۹۴۲ھ (۱۵۳۵ء) میں فرانسیس اور چارلس کے درمیان جو جنگ چھڑی اس میں معاہدۂ مذکور کی بنا پر سلیمان نے فرانس کا ساتھ دیا، بحر روم میں خیر الدین پاشا کا اقتدار بدستور قائم تھا، اس نے جزیرہ مائنرکا پر حملہ کر کے وہاں سے بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا، اور کورن پر دوبارہ قبضہ کر لیا، ۹۴۴ھ (۱۵۳۷ء) میں سلیمان نے فرانس کی درخواست پر جمہوریۂ وینس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا جو چارلس کی مستقل حلیف تھی، خیر الدین پاشا نے سلیمان کی معیت میں جزیرہ کارفو پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا، لیکن اہل وینس نے جانبازی کے ساتھ مدافعت کی اور سلیمان کو محاصرہ اٹھا لینا پڑا، تاہم خیر الدین نے موقع پا کر بحر ایجین کے تقریباً تمام جزائر پر جو وینس کے زیر حکومت تھے قبضہ کر لیا، اور یہ سب سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لئے گئے، ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) میں پوپ اور فرڈیننڈ

---

[1] مسئلہ شرقیہ (The Eastern Question) از جے، آر، میریٹ (J. A. R. Marriot) ص ۹۳-۹۴

شاہ ہنگری نے چارلس اور جمہوریہ وینس سے مل کر ترکوں کے خلاف ایک "اتحاد مقدس" قائم کیا اور
ستمبر ۱۵۳۸ء میں اتحادیوں کا زبردست بیڑا جو اپنے جہازوں کی تعداد اور قوت کے لحاظ سے
ترکی بیڑے سے کہیں بڑھا ہوا تھا، شہنشاہ چارلس کے مشہور امیر البحر انڈریا ڈوریا کی سرکردگی
میں پریویسا (Prevesa) کے سامنے عثمانی بیڑے سے مقابل ہوا، ڈوریا کی شہرت
اور اتحادی بیڑے کی مجموعی طاقت عیسائیوں کی فتح کی کافی ضمانت سمجھی جاتی تھی، مگر خیر الدین
پاشا نے اتحادیوں کو زبردست شکست دیکر انکے شیرازہ کو درہم برہم کر دیا، اسی دوران میں فرانسس نے نیس کے مقام
پر چارلس سے ایک عارضی صلح کرلی پھر (۹۴۶ھ ۱۵۳۹ء) میں جمہوریہ وینس اور سلطنت عثمانیہ کے درمیان صلح کی گفتگو شروع
ہوئی اور تین ماہ کیلئے ایک صلحنامہ مرتب کیا گیا، لیکن دوسرے ہی سال مستقل طور پر صلح ہو گئی،
جمہوریہ وینس نے تین لاکھ دوکات تاوان جنگ دینا منظور کیا، اور وہ ساحل ڈلماشیا
کے متعدد مقامات سلطان کے حوالہ کرکے بحر ایجین کے ان جزائر سے دست بردار ہو گئی
جن پر خیر الدین نے قبضہ کر لیا تھا،

چارلس سے جنگ کا سلسلہ

لیکن اس صلح کا کوئی اثر سلیمان اور چارلس کی جنگ پر نہ پڑا،
الجزائر پر خیر الدین پاشا کا قبضہ چارلس کے اسپینی اور اطالوی مقبوضات کے لئے ایک مستقل
خطرہ کا باعث تھا، لہذا (۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء) میں چارلس نے الجزائر کو فتح کرنے کے لئے
ایک بیڑا روانہ کیا، مگر یہ بیڑا اپنے مقصد میں بالکل ناکام رہا، دوسرے سال فرانسس نے
صلحنامہ نیس (۱۵۳۸ء) کا خاتمہ کرکے چارلس سے پھر جنگ شروع کر دی، اور ترکی بیڑے
کی مدد سے شہر نیس پر حملہ کیا، اور اسے فتح کر لیا، فرانسس نے اپنے حلیف کی مدد کا اعتراف
کیا، اور اس کے معاوضہ میں ٹولون کی بندرگاہ ترکوں کے حوالہ کر دی (۹۵۱ھ ۱۵۴۴ء)
میں فرانسس اور چارلس کے درمیان پھر صلح ہو گئی (صلحنامہ کریپی)، لیکن سلیمان اور چارلس

کی جنگ بحرِ روم اور ہنگری میں بدستور جاری رہی، فرانس اگرچہ دولتِ عثمانیہ کا حلیف تھا اور ۱۵۳۵ء کے معاہدہ کے بعد ہر جنگ میں سلیمان نے پوری وفاداری کے ساتھ فرانس کا ساتھ دیا تھا، مگر فرانس کو جب بھی اپنا فائدہ نظر آیا، اُس نے سلیمان کی اجازت کے بغیر چارلس سے صلح کر لی، چنانچہ صلحنامہ نیس (۱۵۳۸ء) اور صلحنامہ کریسپی (۱۵۴۴ء) کا تکملہ عین اُس حالت میں ہوا جب سلیمان فرانس کے حلیف کی حیثیت سے چارلس سے جنگ میں مصروف تھا، فرانس کے اس طرزِ عمل کو میریٹ نے مندرجۂ ذیل الفاظ میں مناسب طریقہ پر واضح کر دیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

"فرانس اور خاندان ہیبس برگ (The Habsburgs) (یعنی فرماں روایان آسٹریا و ہنگری) کے درمیان جنگ کا سلسلہ بہت قلیل تفنون کے ساتھ ۱۵۳۵ء سے ۱۵۵۹ء تک قائم رہا، اور مکمل طور پر صلح تو ۱۵۹۸ء تک نہ ہو سکی، اس پوری مدت میں اور اس کے بعد بھی فرانس ترکوں کے وفادارانہ تعاون پر اعتماد کر سکتا تھا، اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ترکوں نے فرانسیسیوں کی بہ نسبت بہت زیادہ مستقل اور مسلسل طور پر اس اتحاد کے ساتھ وفاداری برتی، برخلاف اس کے موخر الذکر کے مقاصد کے لئے یہ اتحاد جب اور جتنے دنوں تک مفید ثابت ہوا اُنھوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا، لیکن جب اُن کے ذاتی اغراض کا تقاضا یہ ہوا کہ ترکوں کے دشمنوں سے صلح کر لی جائے تو اُنھوں نے اس میں کوئی تامل نہیں کیا[1]"

خیرالدین پاشا کی وفات

۹۵۳ھ (۱۵۴۶ء) میں خیرالدین پاشا کا انتقال ہو گیا، اُس نے اپنی حیرت انگیز شجاعت اور قابلیت سے نہ صرف سلطنت عثمانیہ کے مقبوضات میں بہت کچھ اضافہ کیا، بلکہ بحرِ روم، بحرِ احمر اور بحرِ ہند میں اُسکی بحری قوت کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا،

۱؎ میریٹ ص۹۴،

یہاں تک کہ یورپ کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ طاقتور شہنشاہ چارلس پنجم بھی تنہا اُس کے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، گو وہ محض ایک سپاہی تھا تاہم علوم و فنون کی سرپرستی کا شوق اسے اتنا زیادہ تھا کہ اُس نے اپنی دولت کا بڑا حصہ ایک کالج قائم کرنے میں صرف کر دیا،

طورغوت | خیرالدین پاشا کے علاوہ سلیمان کو اسی قسم کے دو اور مشہور بحری کپتانوں کی خدمات بھی حاصل ہو گئی تھیں جن کی غیر معمولی شجاعت اور قابلیت کا سکہ بحر روم اور اُس کے ساحلی علاقوں پر بیٹھا ہوا تھا، ان میں سے ایک طورغوت اور دوسرا پیالے تھا طورغوت بھی ابتدا میں ایک بحری قزاق رہ چکا تھا چنانچہ ایک بار اُس نے تیس جہازوں کا بیڑا تیار کر کے جزیرہ کارسیکا پر حملہ کر دیا لیکن ڈوریا نے اُسے شکست دیکر گرفتار کر لیا، اور زنجیروں میں ڈال دیا، آخر کار مہینوں کے بعد خیرالدین باربروسہ کی دھمکی سے کہ اگر طورغوت رہا نہ کیا گیا تو جنوا (ڈوریا کا وطن) برباد کر دیا جائیگا، ڈوریا نے اُسے آزاد کیا، طورغوت اپنی مہارت فن اور شجاعت میں خیرالدین سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا، اٹلی اور اسپین کے ساحلی علاقے اس کے نام سے کانپتے تھے، عثمانی رعایا ہونے کے باوجود اس کو سلطان کے حلیفوں کے جہاز گرفتار کر لینے میں بھی کوئی تامل نہ ہوتا، چنانچہ ایک بار اُس نے وینس کے چند تجارتی جہاز گرفتار کر لئے، اور جب سلیمان نے بازپرس کر نیکے لئے اس کو قسطنطنیہ میں طلب کیا تو اُس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا، اور اپنے بیڑے کو لے کر مراکش چلا گیا، اور وہاں کے سلطان کی ملازمت اختیار کر لی، پھر خیرالدین پاشا کی وفات کے بعد سلیمان نے معافی اور اعلیٰ منصب کا وعدہ کر کے اسے بلا لیا اور چند دنوں کے بعد طرابلس کی فتح کے لئے روانہ کیا، طرابلس اُس وقت مبارزین مالٹا کا مقبوضہ تھا طورغوت نے حملہ کر کے اُسے

فتح کرلیا، اور سلطنت عثمانیہ میں شامل کر دیا، اس کے بعد طرابلس کا حاکم مقرر ہوا، ۹۷۳ھ (۱۵۶۵ء) میں جب ترکوں نے مالٹا پر حملہ کیا تو وہ بھی اپنا بیڑا لیکر دولت عثمانیہ کی مدد کو آیا لیکن اسی معرکہ میں وہ مارا گیا،

پیالے | پیالے بھی ایک مدت تک بحری قزاق رہ چکا تھا، پھر اُس نے سلیمان کی ملازمت اختیار کرلی اور رفتہ رفتہ عثمانی بیڑے کا امیر البحر مقرر ہو گیا، ۹۶۷ھ (۱۵۶۰ء) میں دو سو جہازوں کا ایک عظیم الشان عیسائی بیڑا طرابلس کو ترکوں سے واپس لینے کے لئے ڈوریا کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا تھا، پیالے اس کے مقابلہ کے لئے دردانیال سے نکلا، اور عثمانی جزیرہ جربہ کے قریب جس پر عیسائیوں نے اپنی فوجیں اُتار دی تھیں اور ایک قلعہ بھی تعمیر کرلیا تھا، ۱۴ رمئی ۱۵۶۰ء کو ڈوریا کے بیڑے پر حملہ آور ہوکر اُسے نہایت سخت شکست دی، عیسائیوں کے تقریباً پچاس جہاز برباد ہو گئے، اور بہت گرفتار کرلئے گئے، جزیرہ پر جو عیسائی فوجیں پہنچ چکی تھیں اُنھیں بھی قلعہ کا محاصرہ کرکے پیالے نے گرفتار کرلیا، اور جربہ پر عثمانی علم پھر لہرانے لگا، اُس کے بعد اُس نے اورن کے صوبہ پر جو الجزائر کے مغرب میں واقع ہے حملہ کرکے اُسے سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا، ۹۷۳ھ (۱۵۶۵ء) میں جب مالٹا پر حملہ ہوا تو وہی عثمانی بیڑے کا امیر البحر تھا،

پرتگال سے بحری جنگ | پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں اسپین کے بعد جس ملک سے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا وہ پرتگال تھا، اُندلس میں جب اسلامی حکومت قائم تھی تو پرتگال بھی اُسی کے زیر سایہ تھا، لیکن جب اُس سرزمین میں مسلمانوں کا آفتاب اقبال غروب ہوا، اور اسپین کی عیسائی حکومت نے اسلام کشی کا عمل شروع کیا تو پرتگال نے بھی اخوت دینی کا حق پوری طرح ادا کیا، تفصیل آگے آتی ہے، ہندوستان، چین، سیام، جاوا، سماترا

جزائر ہند، سیلون، ملیبار، ممباسہ، زنجبار، حبش، مصر و عرب وغیرہ مشرقی ممالک کی بحری تجارتیں عرب تاجروں کے ہاتھوں میں تھیں، ان کے جہاز بحر ہند، بحر عرب، خلیج فارس اور بحر احمر کے تجارتی راستوں پر قابض تھے، یہ لوگ چین، ہندوستان اور ایران وغیرہ سے مال لیجا کر مصر پہنچاتے تھے، اور وہاں سے وینس اور جنوا کے سوداگر اُسے یورپ لیجاتے تھے، پھر اسی طریقہ سے یورپ کا مال عربوں کے جہازوں پر ہندوستان، ایران، اور چین وغیرہ مشرقی ملکوں میں پہنچتا تھا، اس تجارت سے مسلمانوں اور خصوصاً عربوں کو بہت فائدہ تھا، لیکن جب واسکوڈی گاما نے راس اُمید کی راہ سے ہندوستان تک پہنچنے کا راستہ دریافت کیا تو پرتگال نے اس بات کی کوشش شروع کی کہ جس طرح ممکن ہو یہ تجارت عربوں کے ہاتھوں سے چھین لیجائے اور مشرقی ممالک سے تجارت کرنے کے لئے بجائے قدیم راستہ کے وہ جدید راستہ اختیار کیا جائے جس کو واسکوڈی گاما نے دریافت کیا تھا، اس مقصد کے حصول کے لئے پرتگیزوں نے جو طریقہ اختیار کیا، اُس کی نوعیت مولانا سید سلیمان ندوی کے مستند رسالہ خلافت عثمانیہ سے واضح ہوتی ہے، مولانا فرماتے ہیں:-

"اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عرب جہازوں پر تاخت شروع کی، عرب، حبش، ہندوستان اور فارس کے ساحلی مقامات پر حملے کئے، اور نامسلموں کو مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں اور عربوں کے ہاتھ اپنا اسباب تجارت فروخت نہ کریں، ملیبار کے موپلہ تاجروں پر بڑی زیادتیاں کیں، یمن اور حجاز کے ساحلی شہروں پر قبضہ جمایا، اور ہندوستان میں سندھ سے لے کر مدراس و گجرات و بمبئی تک کے بندرگاہوں پر دھاوے کئے، ساحلوں اور جزیروں میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا، مسجدیں توڑ توڑ کر کلیسا بنائی جا رہی تھیں، کالی کٹ کے راجہ کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو عرب آنے جانے سے روک دے، کوچین ساحل ہند

پر قبضہ کرکے مسلمانوں کو قتل کیا اور مسجد کو کلیسا بنالیا، اور پھر رفتہ رفتہ عرب کے سواحل پر عدن، ہرمز، پریم وغیرہ کو اور ہندوستان کے سواحل میں سے گوا، جیول، دابل، دیپ، دمن مہائم وغیرہ کو تاخت وتاراج کیا، ۹۱۵ھ میں کالی کٹ پر حملہ کرکے شہر کو لوٹ لیا، اور وہاں کی جامع مسجد کو جلا کر خاک سیاہ کردیا، یہی حال انھوں نے عرب کے ساحلی مقامات کا کردیا، حج کے بحری مسافران قزاقوں کے ہاتھوں سے بمشکل جانبر ہوسکتے تھے، گوا کا مشہور بندرگاہ سلطنت بیجاپور سے چھین لیا، اور سلطان گجرات کے تمام بندرگاہوں پر غارتگری شروع کردی، جدّہ اور عدن پر کئی حملے کئے، کبھی کامیابی ہوئی اور کبھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، انتہا یہ ہے کہ پرتگالی یہ خواب دیکھنے لگے کہ جدّہ پر قبضہ کرکے حجاز پر حملہ کیا جائے اور خاکم بدہن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو ویران اور حرمین محترمین کو منہدم کرکے اسلام کی عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے[1]"۔

یہ حالات تھے جن کے دفیعہ کی ذمہ داری سلیمان نے تخت پر آنے کے بعد بحیثیت خلیفۃ المسلمین کے محسوس کی، اور پھر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی حتی الامکان پوری کوشش کی، چنانچہ ۹۳۱ھ (۱۵۲۵ء) میں اس نے ایک بیڑا رئیس سلیمان کی ماتحتی میں عدن کے محاصرہ کے لئے روانہ کیا، جس پر اس وقت پرتگیزوں کا قبضہ تھا، مگر اس مہم میں ترکوں کو شکست ہوئی، پھر بھی وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، اور بحر ہند میں برابر پرتگال کے جہازوں پر حملے کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ گجرات کے ساحل تک پہنچ گئے، جہاں ان میں اور پرتگیزوں میں متعدد معرکے پیش آئے، اس کے بعد ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) میں ایک عظیم الشان ترکی بیڑا سلیمان پاشا والی مصر کی سرکردگی میں سوئز سے نکلا، اور عدن پر قبضہ کرتا ہوا گجرات کی طرف روانہ ہوا، دیپ پہنچنے کے بعد گجراتیوں سے مل کر

[1] ان واقعات کی تفصیل واسناد کے لئے رسالہ مذکور کے صفحات ۶۲ تا ۷۵ ملاحظہ فرمائیں،

اُس نے پرتگیزوں پر حملے شروع کر دیئے، سلیمان پاشا نے دیپ کا محاصرہ کر لیا، اور اگر وہ استقلال کے ساتھ محاصرہ کو جاری رکھتا، تو یہ بندرگاہ پرتگال کے قبضہ سے ضرور نکل جاتی لیکن غالباً سلیمان پاشا کی خودرائی اور استبداد نے امرائے گجرات کو آزردہ کر دیا تھا جنکی وجہ سے اُنھوں نے سامان رسد کا بھیجنا بند کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز دفعۃً ترکی بیڑے نے لنگر اُٹھا کر کوچ کر دیا، اور دیپ پر پرتگیزوں کا قبضہ بدستور قائم رہا، سلیمان کو جب یہ خبر پہنچی تو اُسے بہت غصہ آیا، اُس نے سلیمان پاشاہ کو اپنے دربار میں طلب کیا، اور غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ "میں نے تم کو دیپ سے فرنگیوں کو نکالنے کے لئے اور وہاں کے بادشاہ کی مدد کے لئے بھیجا تھا، ہندوستان کے مسلمانوں پر حاکم بنا کر نہیں بھیجا تھا"[1]

پیری رئیس

ترکوں کی اس ناکامی سے پرتگیزوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ اُنھوں نے عدن پر دوبارہ قبضہ کر لیا، اس لئے ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) میں سلیمان نے مشہور ترکی امیر البحر پیری رئیس کے زیر قیادت ایک مضبوط بیڑا بحر ہند میں روانہ کیا، اس بیڑے نے پہلے عدن کو پرتگیزوں کے قبضہ سے چھڑایا، پھر وہ عرب کے ساحلی مقامات سے گذرتا ہوا مسقط پہنچا جہاں اُس نے پرتگالی بیڑے کو غافل پاکر گرفتار کر لیا، لیکن جب خلیج فارس کے ساحل پر پرتگیزوں کو شکست دیکر یہ ہرمز پہنچا، تو وہاں ایک سخت معرکہ پیش آیا جسمیں دشمنوں کو فتح ہوئی اور پیری رئیس صرف دو جہازوں کو لے کر نکل سکا، بقیہ گرفتار ہو گئے، پیری رئیس ایک جغرافیہ داں کی حیثیت سے بھی اسی قدر مشہور ہے، جس قدر ایک امیر البحر کی حیثیت سے اُس نے بحر الجین اور بحر روم پر دو کتابیں لکھی ہیں جن میں ذاتی معلومات کی بناپر ان سمندروں کے دھاروں، گرد و پیش کے علاقوں، بندرگاہوں اور ساحل پر اترنے کی مناسب جگہوں کے

[1] خلافت عثمانیہ ص ۶۱،

حالات بیان کئے ہیں،

سیدی علی | پیری رئیس کی شکست کی خبر سنکر سلیمان نے ایک دوسرے امیر البحر مراد بے کو روانہ کیا تاکہ عثمانی بیڑے کو آزاد کرائے، ہرمز کے سامنے پرتگالی بیڑے سے مقابلہ ہوا جس میں ترکوں کو پھر شکست ہوئی، اور اُن کے جہازوں کا بڑا حصہ ڈوب گیا، اس کے بعد سلیمان نے اپنے مشہور امیر البحر سیدی علی کو اس مہم پر روانہ کیا، یکم شوال ۹۶۱ھ (۱۵۵۴ء) کو وہ بصرہ سے روانہ ہوا اور خلیج فارس کے کنارہ کنارہ ہوتا ہوا جب راس موسندام کے قریب پہنچا، تو پرتگالی بیڑا سامنے نظر آیا، ایک سخت معرکہ کے بعد پرتگیزوں کو شکست ہوئی اور سیدی علی کے لئے آگے کا راستہ صاف ہوگیا، چنانچہ وہ کھلے سمندر میں داخل ہوکر مسقط کے سامنے نمودار ہوا یہاں پرتگیزوں نے پھر مقابلہ کیا اور اس جنگ میں طرفین کو شدید نقصان پہنچا، رات کے وقت جب دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو دفعۃً ہوا اس قدر تیز ہوئی کہ سیدی علی کے جہاز بے قابو ہوگئے، اور وہ بہ کر بلوچستان کے ساحل پر نکل آیا، چند دنوں کے بعد اُس نے پھر بحر احمر کا رُخ کیا، لیکن ایک ناگہانی طوفان اُسے دوبارہ بحر ہند میں بہالے گیا، سیدی علی نے سورت کی بندرگاہ میں آکر جہازوں کو چھوڑ دیا اور خشکی کا راستہ اختیار کیا، وہ افغانستان ایران، اور عراق ہوتا ہوا قسطنطنیہ واپس آگیا، اور یہ مہم ناتمام ہی رہی، اس کے بعد سلیمان کے عہد میں پرتگیزوں سے کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں، مگر کوئی بڑا مقابلہ پیش نہیں آیا،

پیری رئیس نے گجرات سے قسطنطنیہ تک کی سیاحت کے حالات ایک سفرنامہ میں قلمبند کئے ہیں، وہ شاعر بھی تھا، اُس نے ریاضیات اور فن جہازرانی پر بھی چند رسالے لکھے ہیں، جو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، خصوصاً اُس کی تصنیف "محیط" جو بحر ہند کی جہازرانی پر ہے، نہایت مستند خیال کیجاتی ہے، جرمن مورخ فان ہیمر کا بیان ہے کہ

بحر ایجین اور بحر روم کے حالات پر جو کتابیں پیری رئیس نے لکھی ہیں، ان کے نسخے برلن اور ڈریسڈن کے شاہی کتب خانوں، نیز رومہ میں پوپ کے کتب خانہ اور بولونا میں موجود ہیں، سیدی علی کی "محیط" کا واحد معلوم نسخہ نیپلز میں ہے[1]،

مالٹا | مالٹا مبارزین سینٹ جان کا مقبوضہ تھا، جہاں روڈس سے نکلنے کے بعد انھوں نے مستقل سکونت اختیار کرلی تھی، یہ اور اس کے قریب کا چھوٹا سا جزیرہ غوزا شہنشاہ چارلس نے انھیں دیدیا تھا، مالٹا میں آنے کے بعد انھوں نے اسکو نہایت مستحکم کرلیا تھا، مبارزین کے جہاز اسپین اور دوسری مخالف طاقتوں کے بیڑوں کے ساتھ مل کر عثمانی بیڑوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے، اور ترکوں سے اُن کی جنگ برابر جاری رہتی تھی، یہ لوگ سلطنت عثمانیہ کے تجارتی جہازوں پر بھی حملہ آور ہوتے رہتے تھے، اور بحر روم میں لوٹ مار کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے، مجبوراً سلیمان کو مالٹا پر حملہ کا تہیہ کرنا پڑا، حملہ کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ مالٹا میں ایک کثیر تعداد مسلمان غلاموں کی موجود تھی، جو وہاں کے عیسائیوں کے مظالم سے تنگ آگئے تھے، علاوہ بریں بحر روم میں یہ جزیرہ اپنے موقع کے لحاظ سے نہایت اہم تھا، چنانچہ یکم اپریل ۱۵۶۵ء کو سلیمان نے (۱۸۱) جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیس ہزار فوج کے ساتھ مصطفےٰ پاشا کی سرکردگی میں قسطنطنیہ سے روانہ کیا، ۱۹ مئی کو یہ بیڑا مالٹا پہنچا اور دوسرے ہی روز حملہ شروع ہوگیا، ۲۳ جون ۱۵۶۵ء کو قلعہ سینٹ ایلمو (St. Elmo) فتح ہوگیا، لیکن ترکوں کی انتہائی کوشش اور شدید نقصان کے باوجود سینٹ اینجیلو (St. Angelo) اور سینٹ مائیکل (St. michel) کے قلعوں پر قبضہ نہ ہوسکا، اور بالآخر چار ماہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد ۱۱ ستمبر ۱۵۶۵ء کو

[1] کریسی جلد ۱ صفحہ ۲۸۰، فٹ نوٹ،

مصطفےٰ پاشا نے محاصرہ اُٹھا لیا، اس محاصرہ میں پچیس ہزار ترک اور پانچ ہزار عیسائی مارے گئے،

ہنگری کی مہم اور سلیمان کی وفات

جس وقت محاصرہ اٹھا لینے کی خبر قسطنطینیہ پہنچی سلیمان آسٹریا سے ایک نئی جنگ کی تیاری کر رہا تھا، وجہ یہ تھی کہ ہنگری کی حریف جماعتوں میں پھر نزاع شروع ہو گئی تھی اور میکسی میلین ثانی (Maximilian II) نے جو فرڈیننڈ کے انتقال کے بعد اُس کا جانشین تھا کونٹ زاپولیا کے لڑکے کو تخت سے محروم کر دینے کا عزم کر لیا تھا، چنانچہ اسی سلسلہ میں اُس نے بعض اہم قلعوں پر قبضہ بھی کر لیا تھا، یہ معلوم کر کے سلیمان نے بذات خود میدان میں آنے کا فیصلہ کیا، اور باوجود اس کے کہ اس کا سن (۷۶) سال کا ہو چکا تھا اور ضعف عمر اور علالت کے باعث وہ گھوڑے پر بیٹھ نہیں سکتا تھا، پالکی میں سوار ہو کر یکم مئی ۱۵۶۶ء کو فوج کے ساتھ قسطنطینیہ سے ہنگری کی طرف روانہ ہوا، اسمیں شبہہ نہیں کہ آسٹریا کی جنگ نے اس سال مبارزین مالٹا کو دوسرے حملہ سے محفوظ کر دیا، جو یقیناً اُن کے لئے مہلک ثابت ہوتا، ۲۷ رجون ۱۵۶۶ء کو سلیمان سملین کے مقام پر پہنچا اور وہاں نوجوان سجسمنڈ زاپولیا (Sigismund — Zapolya) نے جو سلطنت عثمانیہ کے زیر سرپرستی ہنگری اور ٹرانسلونیا کا بادشاہ تھا اُس کے سامنے نذر اطاعت پیش کی، آگے بڑھنے سے پہلے سلیمان ایرلاؤ (Erlaw) اور زیجتھ (Szigeth) کے قلعوں کو فتح کر لینا چاہا تھا، چنانچہ ۵ راگست ۱۵۶۶ء کو عثمانی فوجوں نے زیجتھ کے شہر کے گرد اپنے خیمے نصب کر دیئے، پانچ روز میں شہر فتح ہو گیا، لیکن وہاں کے حاکم زرینی (Zriny) اور اُس کے باقی ماندہ (۳۲۰۰) آدمیوں نے قلعہ میں پناہ لی اور وہاں سیاہ علم نصب کر کے اس بات کی قسم کھائی کہ جب تک

ایک سپاہی بھی زندہ رہیگا ہتھیار نہ ڈالیں گے، اگست اور ستمبر میں ترکوں نے اس قلعہ پر تین حملے کئے، لیکن ہر بار انھیں پسپا ہونا پڑا، بالآخر انھوں نے قلعہ کے سب سے بڑے برج کے نیچے سرنگ کھود کر بارود بچھا دیا اور ۵ ستمبر ۱۵۶۶ء کو علی الصباح بارود میں آگ لگا دی، پھر بھی چار روز کی مسلسل گولہ باری کے بعد ۸ ستمبر کو یہ قلعہ فتح ہوا، لیکن ۵ ستمبر کی رات ہی کو سلیمان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی، صدر اعظم صوقوللی نے سلطان کی وفات کی خبر بالکل مخفی رکھی اور اسی کے نام سے تمام احکام جاری کرتا رہا، اس نے پوشیدہ طور پر شہزادہ سلیم کے پاس اس حادثہ کی اطلاع بھیج دی، اس درمیان میں عثمانی فوجیں جن کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی متعدد مقامات فتح کرتی رہیں، صوقوللی نے سلیمان کی لاش پر مسالہ لگا کر اسے خراب ہونے سے محفوظ کر دیا تھا، اور کوچ کے وقت لاش کو پالکی میں رکھ کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک لیجاتا تھا، اس نے لشکر میں یہ خبر مشہور کرا دی تھی کہ سلطان علالت کی وجہ سے باہر نکلنے سے معذور ہے، اس تدبیر سے اس نے سات ہفتہ تک اس کی وفات کو پوشیدہ رکھا، اور بالآخر یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ قسطنطنیہ میں شہزادہ سلیم تخت پر بیٹھ چکا، اس نے ۲۴ اکتوبر ۱۵۶۶ء کو تمام فوج کو جمع کر کے سلیمان کی وفات کا اعلان کر دیا،

سلطنت عثمانیہ کی وسعت سلیمان کے عہد میں سلطنت عثمانیہ اپنی وسعت، قوت اور خوشحالی کے لحاظ سے حد کمال تک پہنچ گئی تھی، اس کے بعد جزائر سائپرس و کریٹ کے علاوہ اس میں بہت کم اہم اور مستقل اضافے ہوئے، اس وسیع و عریض سلطنت کا رقبہ چالیس ہزار مربع میل سے زیادہ تھا[1]، یہ بودا سے بصرہ تک اور بحر کاسپین سے بحر روم کے مغربی حصہ تک پھیلی ہوئی تھی، اور یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک اس میں شامل تھے، شمال میں ازوف کی دیوار

[1] کریسی جلد ۱ ص ۳۱،

روس کے مقابل سلطنتِ عثمانیہ کی سرحد کی حفاظت کرتی تھیں، جنوب میں عدن کی پہاڑی نے سلاطین کی حکومت عرب کے جنوبی ساحل پر مستحکم کردی تھی، اُنھیں بحرِ ہند میں با اثر بنا دیا تھا اور بحرِ احمر پر کامل اختیار دے رکھا تھا ...... سلطان کا یہ فخر کوئی بیجا فخر نہ تھا کہ وہ بہت سی مملکتوں کا فرماں روا، تین براعظموں کا شہنشاہ اور دو بحروں کا مالک ہے[1]"

سلطنت کی انتظامی تقسیم سلیمان نے اس عظیم الشان سلطنت کو اکیس ولایتوں اور پھر ان ولایتوں کو (۲۵۰) سنجقوں میں تقسیم کردیا تھا، ولایتیں حسبِ ذیل تھیں:-

(۱) رومیلیا: اس میں یورپ کے وہ تمام عثمانی مقبوضات شامل تھے، جو دریائے ڈینوب کے جنوب میں واقع تھے، اور جن میں یونان، مقدونیا، تھریس، اپائرس، الیریا، ولماشیا، اور بسنیا کے صوبے بھی داخل تھے،

(۲) مجمع الجزائر بحرِ روم، یہ ولایت قبودان پاشا (امیر البحر اعظم) کے سپرد تھی،

(۳) الجزائر اور اس کے علاقے۔

(۴) طرابلس،

(۵) اوفن، جسمیں مغربی ہنگری کے مفتوحہ علاقے شامل تھے،

(۶) تمیسوار بشمول بنات، ٹرانسلونیا و مشرقی ہنگری،

(۷) اناطولیہ، عموماً اس سے تمام ایشیائے کوچک مراد لیتے ہیں، لیکن یہاں اس سے ایشیائے کوچک کا صرف شمالی مغربی حصہ مراد ہے،

(۸) کرمانیہ، (۹) روم جسے ولایت سیواس اور بعض اوقات حکومت اماسیا بھی کہتے تھے،

(۱۰) سوالقدر، اس میں ملاٹیا، سموسٹا، اور البوستان کے شہر اور ملحق علاقے اور کوہ طور

---

[1] فنلے (Finlay) بحوالہ میریٹ ص ۹۹،

کے مشرقی درے شامل تھے،

(۱۱) طرابزون،

(۱۲) دیار بکر (۱۳) وان، ان دو ولایتوں میں آرمینیا اور کردستان کے بیشتر حصے شامل تھے،

(۱۴) حلب (۱۵) دمشق ان دونوں میں شام اور فلسطین کی ولایتیں شامل تھیں،

(۱۶) مصر،

(۱۷) مکہ، مدینہ اور حجاز کے علاقے،

(۱۸) یمن و عدن، یہ ولایت جنوبی عرب، خلیج فارس کے ساحلی علاقے اور شمالی مغربی ہند تک پھیلی ہوئی تھی،

(۱۹) بغداد (۲۰) موصل (۲۱) بصرہ، یہ تینوں ولایتیں اُن فتوحات پر مشتمل تھیں جو سلیم اور سلیمان نے مسوپوٹامیا، اور اُس سے ملحق جنوبی علاقوں میں ایرانیوں سے حاصل کی تھیں،

ان ولایتوں کے علاوہ ولاچیا، مولڈیویا، رگوسا، اور کریمیا کی مملکتیں بھی سلیمان کی باجگذار تھیں، ولاچیا اور مولڈیویا سے خراج زیادہ مقدار میں آتا تھا، اور کریمیا عثمانی افواج کے لئے بہادر تاتاریوں کے دستے مہیا کرتا تھا،

آبادی | سلیمان اعظم کی وسیع سلطنت میں بیس[۲] مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے، اُن میں سے عثمانی ترکوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ کروڑ تھی، ان کا بیشتر حصہ (ہ) ایشیا اور خصوصاً ایشیائے کوچک میں آباد تھا، تیس لاکھ یونانی یورپین ترکی کے جنوبی حصہ میں آباد تھے، اور دس لاکھ ایشیائے کوچک میں، آرمینی نسل کے لوگ جن کی تعداد بیس[۲] اور تیس لاکھ کے درمیان تھی زیادہ تر ایشیا میں تھے، سب سے زیادہ تعداد سلافی نسل کے باشندوں کی تھی، بلغاریا، سرویا، بوسینیا، مونٹی نیگرو،

اور ہرزیگووینا میں کثرت تعداد انہی لوگوں کی تھی، مولڈیویا، اور ولاچیا میں بھی اُن کی تعداد زیادہ تھی، اور اُن میں سے کئی ہزار ٹرانسلونیا اور البانیا میں بھی آباد تھے، اُن کی مجموعی تعداد تخمیناً (۶۵) لاکھ تھی، رومی نسل کے لوگ زیادہ تر ویلیچیا اور مولڈیویا میں پائے جاتے تھے اُن کی تعداد چالیس لاکھ تھی، اہلِ البانیا جنھیں ترک ارناؤط (SKIPETARS) کہتے ہیں تقریباً پندرہ لاکھ تھے، تاتاریوں کی تعداد بھی تخمیناً پندرہ لاکھ تھی، عربی نسل کثرت سے شام، عرب، مصر، اور شمالی افریقہ کے ساحلی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی، اور سلیمان کے عہد میں اس کا شمار تقریباً ساٹھ لاکھ تھا، مارونی کالڈی اور دروزی نسل کے لوگ مجموعی طور پر دس لاکھ کے اندر تھے، کردوں کی تعداد بھی غالباً اسی قدر تھی، دیار بکر اور ملحق علاقوں کے ترکمانوں کا شمار ایک لاکھ تھا، ان کے علاوہ ترکی ہنگری کے میگیار اور ٹرانسلونیا کے جرمن نسل والے، الجیریا اور دوسرے افریقی صوبوں کے بربر مصر کے قبطی یہود، سگانی (Tziganes)، مملوک، اور وہ ہندوستانی جو ترکی گورنر عدن کے زیر حکومت تھے، یہ سب سلطان سلیمان اعظم کی عظیم الشان سلطنت میں آباد تھے، سلطنت کی مجموعی آبادی کا تخمینہ ساڑھے چار کرور سے پانچ کرور تک کیا جاتا ہے[1]،

فوج | سلیمان کی سلطنت کی وسعت کا ایک بڑا سبب اُسکی فوجی قوت تھی، (۴۶) سال کی حکومت میں اُس نے عثمانی فوجوں کی تعداد دوچند کر دی تھی، ینی چری کی تعداد اُس نے بیس ہزار تک پہنچا دی، مستقل اور تنخواہ دار فوج کا شمار جسمیں شاہی سوار اور دوسرے دستے شامل تھے، اڑتالیس ہزار تھا، سلیمان کی توجہ سب سے زیادہ ینی چری پر رہتی تھی، کیونکہ یہی فوج اکثر معرکوں میں فتوحات کی ضامن ہوتی، اُس نے اس فوج کا ایک علحدہ دستہ قائم کیا تھا،

[1] کریسی جلد ا صفحہ ۲۲۰-۳۲،

جس میں وہی سپاہی داخل کئے جاتے تھے جو ایک طویل مدت کی فوجی خدمات کے بعد ضعیف ہو جاتے یا زخموں کے باعث کسی جنگ میں شریک ہونے کے قابل نہ رہ جاتے، سلیمان کی نظر میں ینی چری کی جو اہمیت اور قدر تھی اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اعزاز کی طور پر وہ خود اس فوج میں داخل ہو گیا تھا، اور جس روز تنخواہ تقسیم کیجاتی تھی ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے خود بھی تنخواہ لینے کے لئے حاضر ہوتا تھا، یہ طریقہ اس کے جانشینوں نے بھی جاری رکھا، جو فوجیں سلطنت کے جاگیردار جمع کرتے تھے یا جو بے ضابطہ طور پر جنگ کے موقعوں پر خود جمع ہو جاتی تھیں اُن کا شمار دو لاکھ سے زیادہ تھا، ان کے علاوہ تین سو توپیں اور تین سو جہاز تھے،

سولہویں صدی کی ابتدا سے یورپ کی مسیحی سلطنتوں کی فوجوں میں بہت کچھ اصلاح و ترقی ہونے لگی تھی، لیکن عثمانی فوجیں اپنی تنظیم اور ساز و سامان میں مسیحی فوجوں سے بہت آگے تھیں، توپخانوں کی تعداد اور قوت کے علاوہ قلعہ بندی و قلعہ سازی اور فوجی انجینیرنگ کی تمام شاخوں میں ترک یورپ کی سلطنتوں پر بہت زیادہ فوقیت رکھتے تھے، کریسی لکھتا ہے کہ سلیمان اپنی فوجوں کے جسمانی آرام اور اخلاقی نگرانی پر جس قدر توجہ رکھتا تھا، اُس کو اُس بے پروائی سے کوئی مناسبت نہ تھی جو اُس کے حریفوں کے لشکر میں بدنصیب سپاہیوں کے ساتھ برتی جاتی تھی،[1]

محاصل سلطنت | محاصلِ سلطنت کے لحاظ سے بھی سلیمان کو اپنے تمام ہمعصر فرمانرواؤں پر فوقیت حاصل تھی اُس کے عہد میں خالصہ کی آمدنی پچاس لاکھ دوکات تھی، عشر، جزیہ محصول درآمد برآمد، اور دوسرے مستقل محصولوں کی آمدنی ملا کر یہ رقم ستر اور اسّی لاکھ دوکات

[1] کریسی جلد ا صفحہ ۳۲۴ ،

تک پہنچ جاتی تھی، رعایا پر محصول کا بار ہلکا تھا، اور صرف دو موقعوں پر ایک بار جب وہ بلغراد اور رودس کے محاصرہ کی تیاری کر رہا تھا، اور دوسری مرتبہ جب اُسے جنگ موہاکز کیلئے سامان فراہم کرنا تھا، سلیمان کو ایک زائد محصول لگانا پڑا جس میں اس کی تمام رعایا بلا امتیاز مذہب وحیثیت شریک کی گئی، لیکن دونوں مرتبہ محصول کی رقم قلیل تھی، اور ان موقعوں کے علاوہ پھر کبھی کسی زائد محصول کی ضرورت پیش نہیں آئی، جنگوں کے اخراجات مال غنیمت سے پورے ہوتے رہتے تھے، ان اخراجات کے علاوہ ہر فتح سے کافی رقم سلطان کو بھی ملتی تھی، ہنگری، ٹرانسلوینیا، رگوسا، مولڈیویا اور ولاچیا سے خراج آتا تھا، آمدنی کا ایک ذریعہ اُن اعلیٰ حکام سلطنت کا ضبط کردہ سامان اور جائدادیں بھی تھیں جو کسی جرم میں سلطان کے حکم سے قتل کر دیئے جاتے تھے،

نظامِ جاگیری سلیمان نے ترکی نظام جاگیری کی تنظیم خاص توجہ کے ساتھ کی اور اُن بے عنوانیوں کو دور کیا جو اس نظام میں پھیلنا شروع ہو گئی تھیں، اُس نے قانون بنا دیا کہ کوئی تیمار (چھوٹی جاگیر) ایک خاص حد سے نیچے قائم نہ رکھی جائے، متعدد چھوٹی جاگیروں کو ملا کر ایک زعامت (بڑی جاگیر) بنا لینے کی اجازت تھی، لیکن کوئی زعامت تقسیم کر کے تیمار نہیں بنائی جا سکتی تھی، علاوہ اس صورت کے کہ کسی زعامت کا جاگیردار جنگ میں قتل ہو گیا ہو، اور اُس نے ایک سے زیادہ لڑکے چھوڑے ہوں، سلطان کی اجازت سے متعدد اشخاص مل کر کسی جاگیر کو اپنی مشترکہ کاشت میں رکھ سکتے تھے، لیکن یہ جاگیر اُس وقت بھی ایک جاگیر شمار کیجاتی تھی، جاگیر کی کوئی تقسیم جس کے لئے باب عالی سے خاص طور پر اجازت حاصل نہ کر لی گئی ہو سخت سزا کی مستوجب ہوتی، ان قوانین سے اُن برائیوں کا انسداد ہو گیا جو جاگیروں کے ٹکڑے کر دینے سے مسیحی یورپ کے نظامِ جاگیری میں پھیلی ہوئی تھی، جاگیردا

کو وصیت نامہ یا کسی دوسرے ذریعہ سے جاگیر کے انتقال کا اختیار نہ تھا، اگر کوئی جاگیردار اولاد نرینہ چھوڑے بغیر مرجاتا تو اُس کی جاگیر سلطان کے قبضہ میں چلی جاتی، سلیمان سے پہلے وزرا اور صوبے کے حاکموں کو اجازت تھی کہ وہ اس قسم کی جاگیریں دوسرے اشخاص کو دیدیں، لیکن سلیمان نے اس اختیار کو صرف چھوٹی جاگیروں تک محدود کر دیا، سلطان کے علاوہ کوئی دوسرا کسی ایسی زعامت کو دینے کا اختیار نہ رکھتا تھا، جو سابق جاگیردار کی وفات پر سلطان کے قبضہ میں آچکی ہو، اگر کوئی شخص کسی چھوٹی جاگیر (تیمار) کو سلطان کے علاوہ کسی اور سے بھی پاتا تب بھی اُس کے جاگیری فرائض تمامتر سلطان ہی سے متعلق ہوتے، اور جاگیر کے عطا کرنے والے کو اُس شخص پر کسی قسم کا جاگیری حق حاصل نہ ہوتا، "سپاہی" اس نظام جاگیری میں صرف اپنے سلطان کا تابع تھا،

سلیمان کے عہد میں بڑی جاگیروں (زعامت) کی تعداد (۳۱۹۲) اور چھوٹی جاگیروں (تیمار) کی (۵۰۱۶۰) تھی، سپاہی (یعنی فوجی جاگیردار) کا فرض صرف یہ نہ تھا کہ وہ جنگ کے موقع پر فوجی خدمت کے لئے خود حاضر ہو بلکہ اگر اسکی جاگیر کی قیمت ایک متعین رقم سے زیادہ ہوتی تو اُس زیادتی کی مناسبت سے ایک ایک سے زیادہ مسلح سواروں کو بھی اپنے ساتھ حاضر کرنا پڑتا، سلیمان کے عہد میں فوجی جاگیرداروں کی مجموعی تعداد ڈیڑھ لاکھ سوار تھی، یہ سوار بیلر بے اور سنجق بے کی طلب پر متعین مقامات پر جمع ہوکر عثمانی فوجوں میں شامل ہوجاتے اور بغیر کسی تنخواہ کے جنگ میں شریک رہتے، مستقل تنخواہ دار فوج کا شمار اڑتالیس ہزار تھا، اُن کے علاوہ تاتاری سواروں کے متعدد دستے تھے جنھیں خان کریمیا ایک نائب حاکم کی حیثیت سے ہر جنگ کے موقع پر بھیجتا نیز بے ضابطہ سواروں اور پیادوں کا ایک انبوہ کثیر تھا، جو بطور خود آکر ترکی لشکر میں شامل ہوجاتا، اور جسے مال غنیمت

کے سوا اور کچھ نہ ملتا۔[1]

| قانون رعایا | سلیمان نے اپنی غیر مسلم رعایا کے لئے جو قوانین وضع کئے تھے وہ اُسکی رواداری روشن خیالی اور تدبر کی ایک نمایاں مثال ہیں، اُس نے لگان اور دیگر خدمات کو جو رعایا پر جاگیردار کی طرف سے عائد ہوتی تھیں تصریح کے ساتھ "قانون رعایا" میں درج کرادیا تاکہ جاگیردار اپنے حق سے زیادہ مطالبہ نہ کرسکے، "قانون رعایا" کے رو سے مزروعہ زمین کی ملکیت کاشت کار کو حاصل ہوتی تھی، اور اس کے معاوضہ میں اُسے لگان اور بعض محصول ادا کرنے ہوتے تھے، اور اپنے جاگیردار کے لئے چند متعین خدمات انجام دینی ہوتی تھیں سلطنت عثمانیہ کی غیر مسلم رعایا اور مسیحی یورپ کے زرعی غلاموں (SERFS) کی حالتوں کے فرق کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کہ سرحدی عیسائی ممالک کے باشندے بھاگ بھاگ کر سلطنت عثمانیہ میں پناہ لیتے تھے، اور اپنے ہم مذہب عیسائی آقاؤں کے جور و تعدی پر ترکوں کی نرم حکومت کو ترجیح دیتے تھے، کریسی سلیمان کے ایک ہمعصر مصنف کا قول نقل کرتا ہے: "میں نے گروہ در گروہ ہنگروی دہقانوں کو اپنے جھونپڑوں میں آگ لگا کر اور اپنے بیوی بچوں مویشی اور سامانِ کاشت کو لے کر ترکی علاقوں میں بھاگ کر جاتے ہوئے دیکھا ہے، جہاں وہ جانتے تھے کہ عشر کے علاوہ اُن پر اور کسی قسم کا محصول یا تکلیف دہ بار عائد نہ کیا جائیگا۔"

| عام قوانین | قانون فوجداری، قانون پولیس، اور دیگر عام قوانین پر بھی سلیمان نے خاص توجہ کی اور اُن سب میں مناسب ترمیم و اصلاح کی، اُس کے زیر نگرانی ملا ابراہیم حلبی نے جو مجموعۂ قوانین تیار کیا تھا، اُس میں سلطنتِ عثمانیہ کے متعلق تمام ضروری قوانین درج

---

[1] کریسی جلد ۱ صفحہ ۲۵-۳۲۶،

ہیں، پہلے بہت سے جرائم کے لئے نہایت سخت سزائیں مقرر تھیں، مثلاً قتل کر دینا اور اعضا کا کاٹ ڈالنا، سلیمان نے ان سزاؤں کی سختی میں تخفیف کر دی، اُس نے مختلف اشیا کی قیمتیں اور اجرت کی شرحیں بھی متعین کر دیں، اہتمام رکھنے والوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ اپنے شر کی تلافی کریں، جھوٹی شہادت دینے والوں، جعل بنانے والوں، اور کھوٹے سکے چلانے والوں کی سزا یہ مقرر ہوئی کہ اُن کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے، (۱۱) فیصدی سے زیادہ سود لینا خلافِ قانون ٹھہرایا گیا، مسلسل تین وقتوں کی نماز یا ایک روزہ قضا کرنے والے کے لئے جرمانہ کی سزا مقرر کی گئی، بار برداری کے جانوروں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنے کی تاکید کی گئی۔[1]

تجارتی مراعات | سلیمان کا عہدِ حکومت غیر ملکی تاجروں سے حسنِ سلوک کے لئے خاص طور پر ممتاز تھا، موجودہ جمہوریہ ترکی کے قیام تک سلطنت عثمانیہ میں وہ تجارتی معاہدے جاری تھے جو سلاطین نے غیر ملکی تاجروں کے ساتھ کر رکھے تھے، اور جن کے رُو سے حکومت عثمانیہ نہ صرف اُن تاجروں کے جان و مال اور مذہبی آزادی کے تحفظ کی ذمہ دار ہو جاتی تھی، بلکہ اُن کے مقدمات کے لئے اُنہی کے ہم قوم افراد کی عدالتیں بھی قائم کر دیتی، ان تجارتی معاہدوں (Capitulations) میں سے سب سے پہلا معاہدہ سلیمان ہی نے ۱۵۳۵ء میں فرانس کے ساتھ کیا تھا، کریسی لکھتا ہے: "غیر ملکی سامانِ تجارت پر ایک حد درجہ ہلکا محصول درآمد و برآمد لگایا گیا تھا، محصول تامین (Prohibitive duties) کا گرانبار اور تکلیف دہ رواج عثمانیوں میں بالکل مفقود رہا ہے۔"[2]

علم کی سرپرستی | علم کی اشاعت اور علماء کی قدر دانی سلاطینِ آل عثمان کا ایک مخصوص امتیاز

---

[1] کریسی جلد ۱ صفحہ ۳۳۱-۳۳۲، [2] ایضاً صفحہ ۳۳۳،

تھا، سلیمان اس وصف میں بھی بہت نمایاں تھا، اُس نے بہت سے مدرسے اور دار العلوم بنوائے اور علمار کی تعلیمی تنظیم اور اُن کے منصب میں بہت سی اصلاحیں کیں، وہ علمار کی قدر ومنزلت میں اپنے تمام پیشروؤں سے آگے بڑھ گیا، اور اُن کے لئے سلطنت کے قانون میں بعض ایسی مخصوص رعایتیں کردیں جو کسی اور جماعت کے لئے نہیں کی گئیں، مثلاً اُس نے علمار کی پوری جماعت کو ہر طرح کے محصول سے بری کردیا، اور اُن کی جائداد کے لئے یہ قانون بنادیا کہ وہ کسی صورت میں بھی ضبط نہ کیجائے گی،

سلیمان نے مکہ معظمہ میں چاروں مذاہب کے لئے چار مدرسے قائم کئے، اُن کی بنیاد ۹۷۲ھ (۱۵۶۴ء) میں رکھی گئی، عمارت کی تکمیل سلیم خاں ثانی کے عہد میں ہوئی، اُس نے مدرسین اور طلبہ کے لئے شام کے اوقاف سے وظائف بھی مقرر کئے،[۱]

صدقات سلیمان نے صدقہ رومیہ کی مقدار جو اُس کے آباء اجداد کے زمانہ سے حرمین شریفین کے لئے آتا تھا، بہت بڑھادی اور اپنے خاص خزانہ سے بہت سی رقمیں اضافہ کیں، غلہ کا صدقہ سلیم اوّل کے وقت سے جاری ہوا تھا، سلیمان نے علاوہ مخصوص اوقاف کے انبار خاص سے بھی غلہ بھیجنا شروع کیا، اُس نے مصر کے چند گاؤں بیت المال سے خرید کر اُنکے غلہ کو اہل حرمین کے لئے وقف کردیا، شروع میں مدینہ منورہ کے لئے ڈیڑھ ہزار اردب غلہ بھیجا جاتا تھا، مگر کچھ دنوں کے بعد سلیمان نے دو ہزار اردب مدینہ منورہ کے لئے اور تین ہزار مکہ معظمہ کے لئے مقرر کردیا، اس کے علاوہ مصر میں اہل ذمہ سے جو رقم لیجاتی تھی سلیمان نے اُسے خزانہ عامرہ سے نکال کر حرمین شریفین اور مصر کے علمار و مشائخ کو دینا شروع کی، خزانۂ شاہی اور سلطان کی جیب خاص سے جو رقمیں ان صدقات کے لئے نکالی جاتی تھیں وہ علیحدہ تھیں،

---

[۱] الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۲۶-۲۲۴،

تعمیرات کا ذوق سلیمان کو تعمیرات کا بھی خاص ذوق تھا، اُس نے قسطنطنیہ، بغداد، قونیہ، دمشق اور دوسرے شہروں میں نہایت خوبصورت اور عالی شان عمارتیں بنوائیں، متعدد مسجدیں خود تعمیر کرائیں، اور بہتیری مسجدوں کو از سرنو درست کرایا، ان کے علاوہ قسطنطنیہ میں ایک بہت بڑی نہر بنوائی، اور مکہ معظمہ کی پرانی نہروں کی مرمت کرائی، سلطنت کے تمام بڑے بڑے شہروں میں اسپتال اور پل تعمیر کرائے،

علمی اور شاعرانہ مذاق سلیمان علم و فضل کا نہایت قدردان تھا، اور خود بھی علمی اور شاعرانہ مذاق رکھتا تھا، اُس کی تصانیف ترکی لٹریچر میں بلند پایہ خیال کیجاتی ہین، یہی حیثیت اسکے شاعرانہ کلام کی بھی ہے، دورانِ جنگ میں وہ روزمرہ کے واقعات قلمبند کرتا جاتا تھا اور اُس کے یہ روزنامچے اپنے اندر نہایت قیمتی تاریخی مواد رکھتے ہیں، ان روزنامچوں سے اُس کے احساس فرض، اور اُس کی جفاکشی کا پتہ چلتا ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی سلطنت کے تمام ملکی اور فوجی معاملات پر کس درجہ توجہ رکھتا تھا،

عدل و انصاف سلیمان کی عظمت اُسکی بری اور بحری فتوحات اور توسیعِ سلطنت ہی میں نمایاں نہ تھی بلکہ سلطنت کے ہر شعبہ میں اُس کی غیر معمولی شخصیت کا اثر پایا جاتا تھا، اُسکی عدالت میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کے لوگ برابر تھے، اور سب کے ساتھ یکساں انصاف کیا جاتا تھا، صوبوں کے گورنر یا دوسرے اعلیٰ حکام جو بے انصافی یا ظلم کا ارتکاب کرتے، فوراً برطرف کر دیئے جاتے، اور اکثر انھیں اپنے جرائم کی پاداش میں قتل کی سزا ملتی، سلیمان کو عدل و انصاف کا اس قدر خیال تھا کہ تختِ سلطنت پر آتے ہی اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ بعض حکام کو جو اپنے فرائض کی ادائگی میں بے عنوانیاں کرتے تھے برخاست کر دیا، اس امر میں وہ کسی شخص کی رعایت نہ کرتا، خواہ وہ شخص اُس سے کیسا ہی قریبی تعلق رکھتا ہو،

چنانچہ فرہاد پاشا کو جو اس کا داماد تھا سلیمان نے ظلم اور رشوت ستانی کے جرم میں ایک صوبہ کی حکومت سے معزول کر دیا، فرہاد پاشا کی بیوی اور سلیمان کی ماں نے بڑی التجاؤں کے بعد اُس کو دوبارہ مقرر کرایا، لیکن جب اُس نے اپنی سابق بے عنوانیاں پھر شروع کردیں تو سلیمان نے اُسے دوبارہ معزول کیا، اور اب کی بار اُس کو قتل کرادیا،

خون کے چند دھبے

سلیمان کی خانگی زندگی بالکل بے داغ تھی، وہ اپنی طبعی شرافت اور رحمدلی کے لئے مشہور تھا، لیکن خون کے چند بدنما دھبوں نے اُس کے دامن کو بھی داغدار بنادیا، اُس کا سب سے بڑا لڑکا مصطفےٰ ایک نہایت لائق اور ہونہار شہزادہ تھا، سلیمان نے اس کو ایک صوبہ کا حاکم بنادیا تھا جہاں اوس کی غیر معمولی قابلیت کے جوہر نمایاں ہوچکے تھے، اُس میں سلیمان کے تمام اعلیٰ اوصاف پائے جاتے تھے، وہ فوج کا محبوب اور اپنے ملک کا مایۂ اُمید تھا، لیکن یہی ہر دلعزیزی اُس کی ہلاکت کا باعث ثابت ہوئی، سلطانہ خرم جو ایک روسی خاتون تھی، سلیمان کی سب سے زیادہ محبوب حرم تھی اور اُس کے مزاج میں حد درجہ دخیل ہوگئی تھی، وہ اپنے لڑکے سلیم کے لئے تخت کو محفوظ کرلینا چاہتی تھی، لیکن سلیم علاوہ اس کے کہ شہزادہ مصطفےٰ سے عمر میں چھوٹا تھا نہایت نالائق اور عیش پسند بھی تھا، اور مصطفےٰ کے مقابلہ میں اُسے تخت پر بٹھانے کا خیال بھی کسی کو نہیں آسکتا تھا، خرم اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھی، اس لئے اُس نے سلیم کے لئے راستہ صاف کرنے کی کوشش کی، اور مصطفےٰ کے خلاف سلیمان کے کان بھرنا شروع کئے، اُس نے سلیمان کو یقین دلایا کہ مصطفےٰ اُسکی حیات ہی میں تخت پر قبضہ کرنے کی درپردہ کوشش کر رہا ہے، اور چونکہ تمام فوج اُس پر جان دیتی ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائے، جس طرح سلطان سلیم اول نے سلطان بایزید ثانی کو معزول کرکے

خود تخت پر قبضہ کر لیا تھا، سلیمان خرم کے بیانات سے کچھ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے مصطفےٰ کو اپنی صفائی میں ایک حرف بھی کہنے کا موقع نہ دیا، اور ۱۵۵۳ء میں جب ایران کی دوسری لڑائی کے لئے وہ لشکر کے ساتھ کوچ میں تھا مصطفےٰ کو اپنے خیمہ میں طلب کر کے فوراً گلا گھونٹ کر مروا ڈالا، دوسرا لڑکا بایزید بھی خرم کے محبوب فرزند سلیم ہی کی خاطر قتل کیا گیا، لیکن اس کے قتل کا سبب ایک حد تک معقول تھا، مصطفےٰ کے قتل کے بعد اس کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی جان بھی زیادہ دنوں تک سلامت نہ رہ سکے گی، اس کے بعض مشیروں نے سازش کر کے اسے قسمت آزمائی کے لئے آمادہ کیا، اور ۱۵۶۱ء میں سلیم کے خلاف اس نے جنگ کا اعلان کر دیا، لیکن سلیم کے ساتھ سلیمان کی قوت بھی شامل تھی، اور بایزید کو شکست کھا کر ایران میں پناہ لینی پڑی، شاہ طہماسپ نے نہایت احترام کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا، اور بالتصریح وعدہ کیا کہ اسے اس کے دشمنوں کے ہاتھ میں نہ دیگا، لیکن سلیمان نے جنگ کی دھمکی دے کر، اور چار لاکھ اشرفیوں کا وعدہ کر کے طہماسپ کو مجبور کیا کہ وہ بایزید اور اس کے چاروں بیٹوں کو سلیم کے سفیر کے حوالہ کر دے، اس سفیر نے بایزید اور اس کے سب بیٹوں کو فوراً قتل کرا دیا، بایزید کے قتل کے بعد اب تنہا سلیم ہی تخت کا وارث رہ گیا،

ابراہیم پاشا خون کی جن چھینٹوں سے سلیمان کا دامن داغدار نظر آتا ہے، ان میں سے ایک اس کے وزیر ابراہیم کا خون بھی ہے، ابراہیم نسلاً یونانی تھا، لڑکپن میں گرفتار ہو کر وہ فروخت ہو گیا تھا، مغنیسیا کی ایک مسلمان دولت مند بیوہ نے اسے خریدا اور اس کی ذہانت کا اندازہ کر کے اعلیٰ تعلیم دلوائی، ایک بار سلیمان اس صوبہ میں گیا اور وہاں اس کی نظر ابراہیم پر پڑی، ابراہیم فن موسیقی کا ماہر تھا، اس کے اس کمال کا اثر سلیمان پر خاص طور

سے پڑا، اور وہ اُسے اپنے ساتھ قسطنطنیہ لیتا آیا، وہاں پہنچکر وہ اپنی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے روز بروز سلیمان کی نظر میں زیادہ محبوب ہوتا گیا، یہاں تک کہ سلیمان نے اپنی بہن کا عقد اُس سے کر دیا، اور ۱۵۲۳ء میں اُسے سلطنت عثمانیہ کا وزیر اعظم مقرر کیا، سلیمان ابراہیم پر حد درجہ اعتماد رکھتا تھا اور اُس سے بیحد محبت کرتا، دونوں ساتھ ہی کھانا کھاتے تمام اُمور سلطنت دونوں کے باہمی مشورہ سے طے پاتے، جن معرکوں میں سلیمان کسی عذر کی وجہ سے خود شرکت نہ کر سکتا اُن میں ابراہیم ہی کو سر عسکر بنا کر بھیجتا، تیرہ سال تک سلیمان کے اعتماد کی یہی کیفیت رہی لیکن پھر اُس کے دل میں ابراہیم کی طرف سے شکوک پیدا ہونے لگے، جو ابراہیم کی بے احتیاطی سے بڑھتے گئے، چونکہ سلیمان نے اُس کو سلطنت کے تمام اختیارات دے رکھے تھے، اس لئے ابراہیم اپنے کو سلطان کا ہم پلہ خیال کرنے لگا، اور یہی خیال اُس کے لئے مہلک ثابت ہوا، اُس کی خود اعتمادی یہاں تک ترقی کر گئی کہ آخر میں اس نے اپنے نام کے ساتھ سلطان کا لقب بھی شامل کر لیا، یہ دیکھکر سلیمان کے وہ شکوک جو خرم نے ابراہیم کے خلاف اُس کے دل میں پیدا کر دئیے تھے یقین کی حد تک پہنچ گئے، خرم وزیر اعظم کے عہدہ پر اپنے داماد رستم پاشا کو مقرر کرانا چاہتی تھی خرم کی تدبیر کارگر ہو گئی، اور ۱۵۳۵ء میں ایک روز جب ابراہیم حسب دستور کھانا کھانے کے لئے محل شاہی میں داخل ہوا تو پھر اُس میں سے زندہ نہیں نکلا، اور دوسرے روز محل میں اُس کی لاش پائی گئی، ابراہیم کی تمام جائداد اور دولت ضبط کر لی گئی،

زوال سلطنت کی ابتدا سلیمان نے اپنے طویل عہد حکومت میں سلطنت عثمانیہ کی عظمت کو حد کمال تک پہنچا دیا تھا، اُس کے بعد ہی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا گو چند سالوں تک زوال کے آثار نمایاں نہ ہوئے، ایک ترک مورخ قوچی بے نے ۱۶۲۳ء میں سلطنت عثمانیہ

کے زوال پر ایک کتاب لکھی تھی، جس میں اُس نے یہ ثابت کیا ہے کہ زوال کی بنیاد سلیمان کے عہد ہی میں پڑ چکی تھی، وہ زوالِ سلطنت کو حسبِ ذیل اسباب کا نتیجہ قرار دیتا ہے:-

(۱) پہلے یہ دستور تھا کہ دیوان کی ہر مجلس میں سلطان خود موجود رہتا تھا، اور وزرائے سلطنت سے خود مشورے کرتا تھا، سلیمان نے اس دستور کو موقوف کر دیا، وہ بجائے دیوان میں بیٹھنے کے اُس سے متصل ایک علٰحدہ کمرہ میں بیٹھنے لگا، اور وہیں سے مجلس کی تمام کارروائی کو سنا کرتا تھا، اُس کے جانشینوں نے دوسرے کمرہ میں بیٹھنا بھی موقوف کر دیا، اس طرح سلاطین کی مطلق العنانی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور وزراء کے مشوروں کا اثر کم ہونے لگا، جب تک سلیمان جیسا مدبر اور عالی دماغ سلطان تخت پر تھا، اس تبدیلی کی خرابی ظاہر نہ ہوئی لیکن اُس کے بعد اس کے مضر اثرات نمایاں ہونے لگے، اور وزرائے سلطنت کے بجائے خواتینِ حرم یا دوسرے غیر ذمہ دار اور خود غرض اشخاص اُمورِ سلطنت میں مشورے دینے لگے، سلطان کے فیصلے اکثر انہی مشوروں سے متاثر ہوتے تھے،

(۲) سلیمان نے ایک جدت یہ بھی کی کہ بعض ایسے اشخاص کو جنھوں نے بتدریج ترقی مدارج طے نہیں کئے تھے محض اپنی مردم شناسی کی بنا پر اعلیٰ عہدوں پر مقرر کر دیا، اسکی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ نمایاں مثال ابراہیم کا واقعہ ہے، سلیمان ابراہیم کی لیاقت سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے چند سال کے اندر ہی اُسے سلطنتِ عثمانیہ کی وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر مقرر کر دیا، ابراہیم کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ اسی طرح اونچی اونچی جگہوں پر مقرر کئے گئے، اس میں شبہ نہیں کہ سلیمان کو مردم شناسی کا خاص ملکہ حاصل تھا اور اُسنے اپنے انتخاب میں شاید ہی کبھی غلطی کی ہو لیکن اس کے جانشینوں نے جن کو یہ خداداد ملکہ حاصل نہ تھا اس جدت پر عمل کر کے بیشتر ایسے اشخاص کا انتخاب کیا جو کسی طرح اُن عہدوں

کے اہل نہ تھے، اور جن کا تقرر محض سلطان کے حسنِ ظن یا حرم کے اثر سے ہوا تھا،

(۳) زوالِ سلطنت کا تیسرا سبب رشوت ستانی تھی جس کی بنیاد رستم پاشا نے ڈالی یہ شخص سلیمان کا داماد تھا اور پندرہ سال تک وزیر اعظم رہا، وہ شاہی خزانہ کے لئے روپیہ حاصل کرنا خوب جانتا تھا، سلطنت کے انتظامی عہدوں پر جو لوگ مقرر کئے جاتے رستم پاشا اُن کے تقرر کے موقع پر اُن سے بڑی بڑی رقمیں وصول کرتا، سلیمان کے عہد میں یہ رقمیں ہر عہدہ کی تنخواہ کی مناسبت سے ایک متعین مقدار میں مقرر تھیں، لیکن یہ تجارت صرف انتظامی عہدوں تک محدود تھی، اور بحری اور فوجی ملازمتوں میں داخل نہیں کی گئی تھی، سلیمان کے بعد رقم کی متعین مقدار بھی اٹھا دی گئی اور انتظامی عہدوں کی قید بھی باقی نہ رہی، بڑی بڑی رقمیں وصول کیجانے لگیں اور فوجی اور بحری عہدوں پر وہی اشخاص مقرر کئے جانے لگے جو اپنے تقرر کے وقت کثیر رقمیں پیش کرتے، گویا تقریباً تمام ملازمتیں نیلام ہونے لگیں، ان کثیر رقموں کی ادائگی کے لئے صوبہ کے حاکم سے لیکر ادنیٰ عہدہ دار تک سب ہر طرح کے جا و بیجا طریقے استعمال کرتے تھے،

(۴) سلیمان کی عادت یہ تھی کہ جن وزراء سے خوش ہوتا اُن پر بے انتہا انعام و اکرام کرتا اور خواہ وہ کسی قدر زر و مال جمع کرلیں اُن سے تعرض نہ کرتا، چنانچہ ابراہیم جو تیرہ سال تک اور رستم پاشا جو پندرہ سال تک سلطنت کا وزیر اعظم رہا، ان دونوں نے بے انتہا دولت جمع کی، اُنھوں نے ایک ایسی شاہ خرچ اور شاہانہ زندگی کا نمونہ قائم کردیا جسکی اتباع دوسرے وزراء اور اعلیٰ عہدہ دار بھی کرنے لگے، رستم پاشا نے اپنی وفات پر جو جائداد چھوڑی اُسکی مختصر فہرست حسبِ ذیل ہے:- اناطولیہ اور رومیلیا میں (۸۱۵) مزروعہ زمینیں (۴۷۶) پنچکیاں (۱۷۰۰) غلام (۲۹۰۰) زرہ بکتر (۸۰۰۰) عمامے (۷۶۰) تیغے (۶۰۰) جلدیں

قرآن پاک کی، (۵۰۰۰) دوسری کتابیں اور بیس لاکھ دو کات،

ان اسباب کے علاوہ زوال سلطنت کا ایک اور قوی سبب بھی سلیمان ہی کے عہد میں پیدا ہو چلا تھا، یعنی امورِ سلطنت میں خواتین حرم کی مداخلت، یہ مداخلت سلیمان کے جانشینوں کے زمانہ، حکومت میں روز بروز بڑھتی گئی، سلیمان کے عہد میں ابراہیم کا زوال و قتل، شہزادہ مصطفےٰ کا قتل اور شہزادہ بایزید کی بغاوت اور قتل، یہ سب حرم ہی کی سازش کا نتیجہ تھے،

سلیم ثانی

سنہ ۹۷۴ھ تا سنہ ۹۸۲ھ مطابق سنہ ۱۵۶۶ء تا سنہ ۱۵۷۴ء

سلیمان اعظم کے بعد عنانِ سلطنت ایک ایسے فرماں روا کے ہاتھ میں آئی جو کسی طرح اس کا اہل نہ تھا، سلیمان نے سلطنت عثمانیہ کو ہر حیثیت سے پایۂ کمال تک پہنچا دیا تھا، جس سلطنت کی بنیاد تیرہویں صدی عیسوی میں عثمان خاں نے رکھی تھی، اُس کا تکمیلی پتھر سولھویں صدی میں سلیمان کے ہاتھ سے رکھا گیا، تین سو برس کی مدت میں یہ سلطنت جو ابتداءً اناطولیہ کی چند جاگیروں پر مشتمل تھی مکہ معظمہ سے بوڈاپسٹ اور بغداد سے الجزائر تک پھیل گئی، لیکن سلیمان کی وفات کے بعد زوال شروع ہو گیا اور یہ عظیم الشان سلطنت اپنی قوت اور وسعت میں روز بروز گھٹتی گئی، اس زوال کے اسباب خارجی اور داخلی دونوں تھے، پندرھویں صدی سے یورپ کی مسیحی سلطنتوں میں نمایاں ترقی ظاہر ہونے لگی تھی، روس کی سلطنت جو پہلے اپنے دورِ وحشت کی منزلیں طے کر رہی تھی سولھویں صدی سے مہذب اور طاقتور سلطنتوں میں شمار کیجانے لگی، دولت عثمانیہ کی ہمسایہ سلطنت ہونے کی وجہ سے ان دونوں کا تصادم ناگزیر تھا، اور سولھویں صدی کے بعد یورپ کی جن حکومتوں

نے سلطنت عثمانیہ پر حملے شروع کر دیئے اُن میں روس سب سے آگے تھا لیکن مسیحی سلطنتوں کا کوئی اتحاد سلطنت عثمانیہ کو زیادہ نقصان نہ پہنچا سکتا اگر خود نظامِ سلطنت میں اندرونی طور پر فساد پیدا نہ ہو گیا ہوتا، اور زوال کے اسباب خود سلطان اور امرائے دولت کے ہاتھوں فراہم نہ ہو گئے ہوتے، انحطاط کی بنیاد سلیمان ہی کے عہد میں پڑ چکی تھی، لیکن اُس کی غیر معمولی اور عظیم الشان شخصیت نے اُن خرابیوں کو ظاہر نہ ہونے دیا، جو اُس کے جانشینوں کے عہد میں سرعت کے ساتھ بڑھتی گئیں، سلیمان کے بعد جتنے سلطان تخت نشین ہوئے اُن میں سے بہ استثنائے چند کوئی بھی اتنی وسیع سلطنت کی جو تین براعظموں میں پھیلی ہوئی تھی اور جس میں تقریباً دو درجن مختلف نسلیں اور قومیں آباد تھیں فرماں روائی کا اہل نہ تھا، نااہلوں کی اس طویل فہرست میں سب سے پہلا نام سلیم ثانی کا نظر آتا ہے، جس نے اپنے مختصر دورِ حکومت کو بادہ پرستی اور عیش کوشی کی نذر کر دیا اور امورِ سلطنت سے منہ موڑ کر اپنا تمام وقت عیش و عشرت میں ضائع کر دیا، یہ پہلا عثمانی تاجدار تھا جو میدانِ جنگ میں جانے سے گریز کرتا تھا اور جس میں انتظامِ سلطنت کی مطلق اہلیت نہ تھی،

لیکن سلیم کی تخت نشینی کے ساتھ ہی سلطنت کا زوال نمایاں نہیں ہونے لگا، جو سلطنت تین سو برس کی تدریجی ترقی کے بعد سلیمان اعظم کے زمانہ میں اپنے کمالِ عروج تک پہنچی تھی، اس میں دفعۃً انحطاط کا نمودار ہو جانا ممکن نہ تھا، سلیمان کی وفات کے بعد بھی تمام ملکی اور فوجی انتظامات چند سالوں تک استحکام کے ساتھ بدستور قائم رہے، اور متعدد وزراء و عہدہ دارانِ سلطنت جو سلیمان اعظم کے تربیت یافتہ تھے بدستور سلطنت کی خدمت کرتے رہے، جب تک یہ وزراء اور ملکی و فوجی حکام زندہ رہے، سلطنت کا زوال ظاہر نہ ہو سکا، بلکہ تقریباً بارہ سال تک حدودِ سلطنت میں اضافہ ہی ہوتا گیا،

عہد آخر کے ان وزراء میں محمد صوقوللی ہی سلطنت کا حقیقی فرماں روا تھا،

محمد صوقوللی کی دو اہم تجویزیں محمد صوقوللی کے پیشِ نظر دو اہم تجویزیں تھیں، وہ خاکنائے سویز میں ایک نہر کھود کر بحرِ احمر اور بحرِ ہند کو ملا دینا چاہتا تھا، تاکہ ترکی بیڑا ان دونوں سمندروں میں آسانی کے ساتھ داخل ہو سکے، دوسری تجویز دریائے ڈان اور دریائے والگا کو ایک نہر کے ذریعہ سے ملا دینے کی تھی، یہ دونوں دریا روس سے نکل کر دور تک متوازی خطوط میں بہتے آتے ہیں اور ایک مقام پر ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہو جاتے ہیں کہ درمیانی فاصلہ صرف تیس میل رہ جاتا ہے، وہاں پہنچکر پھر وہ علیحدہ ہو جاتے ہیں، اور ایک بحرِ ازف میں جا کر شامل ہو جاتا ہے اور دوسرا بحرِ کاسپین میں، ان دریاؤں کو ایک نہر کے ذریعہ سے اُس مقام پر ملا دینے سے جہاں درمیانی فاصلہ صرف تیس میل رہجاتا ہے، ترکی جہازوں کے لئے دریائے ڈان اور دریائے والگا سے گذر کر بحرِ کاسپین میں پہنچ جانا اور وہاں سے صوبہ تبریز پر حملہ آور ہونا جو سلطنتِ ایران کا مقبوضہ تھا، بہت آسان ہو جاتا، علاوہ بریں اس تجویز کی کامیابی سے تجارتی فائدے بھی بہت کچھ حاصل ہو سکتے تھے، لیکن اس مقصد کا پورا ہونا اُسی وقت ممکن تھا جب استراخاں پر قبضہ کر لیا جاتا، یہ شہر مملکتِ روس کے قبضہ میں تھا جس کی وسعت و قوت چند سالوں سے برابر ترقی کر رہی تھی،

۹۷۶ھ (۱۵۶۸ء) میں صوقوللی نے (۲۵) ہزار ینی چری اور سپاہیوں کو ازف روانہ کیا، وہاں کریمیا کے تیس ہزار تاتاری بھی اُن کے ساتھ ہو گئے اور یہ متحدہ فوج استراخاں پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھی جو دریائے والگا کے دہانہ پر واقع تھا، یہاں پہلی بار روسیوں اور ترکوں کا مقابلہ ہوا، ترکی فوج استراخاں پر قبضہ نہ کر سکی، اور تاتاریوں

کو ہزیمت اُٹھانی پڑی، عثمانی فوجیں مجبوراً ازف کی طرف واپس ہوئیں، لیکن قسطنطنیہ پہونچنے سے پہلے اُن کا بیشتر حصہ بحر اسود میں ایک طوفان سے ضائع ہو گیا، اور صرف سات ہزار سپاہی بخیریت واپس پہنچ سکے اس ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈان اور والگا کو ملا دینے کی تجویز منسوخ کر دی گئی، روس میں ابھی اتنی قوت نہ تھی کہ وہ خود سلطنت عثمانیہ پر حملہ آور ہوتا، زار آیوان (Czar Ivan) نے ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ء) میں اپنا ایک سفیر باب عالی میں بھیجا، اور استراخاں کے حملہ کی شکایت کی نیز دونوں سلطنتوں کے درمیان امن و اتحاد قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ ایک صلحنامہ مرتب کیا گیا، اور تقریباً ایک صدی تک روس اور سلطنت عثمانیہ میں پھر کوئی جنگ نہیں ہوئی،

خاکنائے سویز کی تجویز بھی ایک نامعلوم مدت کے لئے ملتوی کر دی گئی، کیونکہ یمن میں بغاوت چھڑ گئی تھی، اور سنان پاشا کی سرکردگی میں ایک فوج وہاں روانہ کرنی پڑی سنان پاشا اس بغاوت کے فرو کرنے میں کامیاب ہوا، اور یمن اور عرب کے دوسرے حصے مستقل طور پر سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لئے گئے،

تونس یمن کی دوبارہ فتح کے بعد صوقوللی نے تونس کو اسپینیوں کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) میں اُلوج پاشا کو الجزائر کا حاکم بنا کر اُسکی سرکردگی میں ایک ترکی بیڑا روانہ کیا، اولوج پاشا نے اسپینیوں کو شکست دیکر شہر پر قبضہ کر لیا، لیکن اسپینی فوج قلعہ میں محصور ہو گئی، اور ۹۸۲ھ (۱۵۷۴ء) تک اُس پر قابض رہی،

قبرص کی فتح ۹۷۸ھ (۱۵۷۰ء) میں سلیم نے قبرص پر حملہ کرنے کا قصد کیا، یہ جزیرہ جمہوریہ وینس کا مقبوضہ تھا جو سلطنت عثمانیہ کی حلیف تھی، صوقوللی نے اس تجویز کی مخالفت کی لیکن قرہ مصطفےٰ پاشا کے اصرار اور خود سلیم کی خواہش نے اس کی مخالفت کو بے اثر رکھا، اور ایک

حلیف کے مقبوضہ پر حملہ کرنے کے لئے مفتی اعظم نے یہ علت جواز پیش کی کہ قبرص اس سے قبل ایک اسلامی حکومت (مصر) کے زیر نگیں رہ چکا تھا، چنانچہ ۱۵۷۰ء میں مصطفیٰ پاشا نے ایک لاکھ فوج کے ساتھ قبرص پر چڑھائی کی، سات ہفتہ کے محاصرہ کے بعد اس کا پایہ تخت نانکوسیا (Nicosia) فتح ہو گیا، پھر مصطفیٰ پاشا نے اس جزیرہ کے سب سے مضبوط قلعہ فاما گوستا (Famagosta) کا بھی محاصرہ کیا اور ایک طویل مدت کے بعد اگست ۱۵۷۱ء میں محصورین نے ہتھیار ڈال دیئے، قلعہ کی سپردگی کے وقت مصطفیٰ پاشا نے قبرص کے سپہ سالار براگاڈینو (Bragadino) کے سامنے نہایت نرم شرائط پیش کئے، اس نے عیسائی فوج اور وہاں کے عیسائی باشندوں کی جان و مال اور مذہب کی حفاظت کا ذمہ لیا، اور وعدہ کیا کہ یہ فوج ترکی جہازوں پر جزیرہ کریٹ پہنچادی جائے گی، اور وہاں آزاد کردیجائیگی لیکن عین اس وقت کہ یہ جہاز روانگی کی تیاری کر رہے تھے مصطفیٰ پاشا اور براگاڈینو میں بعض گذشتہ واقعات سے متعلق تکرار ہوگئی، اور یہ بات یہاں تک بڑھی کہ مصطفیٰ پاشا نے غصہ میں آکر تمام عیسائی فوج کے قتل کا حکم دیدیا، اور اس کے ایک ہفتہ کے بعد براگاڈینو کی زندہ کھال نکلوالی فاما گوستا پر قبضہ پا جانے کے بعد ترکوں نے پورے جزیرہ کو فتح کر لیا، لیکن اس فتح میں ان کے تقریباً پچاس ہزار آدمی کام آئے، تین سو برس تک قبرص سلطنت عثمانیہ کے زیر تسلط رہا، ۱۸۷۸ء میں باب عالی نے اسے گورنمنٹ برطانیہ کے حوالہ کر دیا،

مسیحی اتحاد قبرص کے حملہ سے یورپ کی عیسائی سلطنتوں میں نہایت تشویش پیدا ہوئی اور پوپ نے ترکوں کی بحری طاقت کا سدباب کرنے کے لئے بحر روم کی عیسائی حکومتوں کا ایک اتحاد قائم کیا، جس کے خاص ارکان اسپین، وینس اور مبارزین مالٹا تھے، اور اس متحدہ بحری بیڑے کا سالار اعظم ڈان جان (Don John) کو مقرر کیا جو شہنشاہ

چارلس پنجم کا ناجائز لڑکا اور باوجود اپنی نوعمری کے اُس عہد کا نہایت ممتاز کمانڈر تھا، اتحادی بیڑا ۱۲ ستمبر ۱۵۷۱ء کو میسینا (Messina) میں جمع ہوا، لیکن قبرص اس وقت تک فتح ہو چکا تھا، ترکی بیڑا جو اپنے جہازوں کی کثرتِ تعداد میں عیسائی بیڑے سے بڑھا ہوا تھا خلیج لیپانٹو (Lepanto) میں لنگر انداز ہوا، امیر البحر علی پاشا ایک نوعمر سردار تھا، اس کو بحری جنگ کا زیادہ تجربہ نہ تھا، اولوج پاشا جس کی عمر کے (۳۴) سال بحری جنگوں میں صرف ہو چکے تھے اس بیڑے کا نائب امیر تھا، اُس نے اتحادیوں پر فوراً حملہ کرنے سے اس بنا پر اختلاف کیا کہ تیاری جیسی چاہیے ابھی مکمل نہ ہو سکی تھی، لیکن علی پاشا کو بلا توقف حملہ کر دینے پر اصرار تھا، اولوج پاشا کو خاموش ہو جانا پڑا،

جنگ لیپانٹو | ۷ اکتوبر ۱۵۷۱ء کو خلیج لیپانٹو کے دہانہ کے قریب دونوں بیڑوں کا مقابلہ ہوا، جنگ صرف چند گھنٹوں تک قائم رہی، مگر فریقین کو شدید نقصانات برداشت کرنے پڑے، دونوں بیڑے ایک دوسرے سے اس قدر قریب آگئے تھے کہ تلوار کی لڑائی ہونے لگی، جسمیں امیر البحر علی پاشا مارا گیا، عیسائیوں نے اُس کا سر کاٹ کر جہاز کے مستول پر لٹکا دیا، یہ دیکھکر ترکوں کے قدم اکھڑ گئے، اور اولوج پاشا کی کوشش کے باوجود انھیں بری طرح شکست ہوئی، اولوج پاشا بمشکل چالیس جہازوں کو لے کر سلامتی کیساتھ وہاں سے نکل سکا، باقی پورا ترکی بیڑا جس کے جہازوں کی تعداد (۲۶۰) تھی عیسائیوں کے قبضہ میں آگیا، ان میں سے کچھ غرق بھی کر دیئے گئے، اس جنگ میں تیس ہزار ترک کام آئے، اور پندرہ ہزار عیسائی غلام آزاد ہوئے،

خیال تھا کہ اتحادی اپنی عظیم الشان کامیابی سے فائدہ اُٹھا کر آگے قدم بڑھائیں گے لیکن اس فتح سے وہ کچھ ایسا مطمئن ہوئے کہ فوراً اپنے اپنے ملک کو روانہ ہو گئے، اور

وہاں پہنچکر خوشیاں منانے لگے،

برخلاف اس کے ترکوں نے فوراً اس نقصان کی تلافی شروع کر دی، سلیم نے بھی جو عموماً عیش و عشرت میں سرشار رہتا تھا اپنی جیب خاص سے ایک کثیر رقم عطا کی اور اپنے محل کے باغ کا ایک حصہ نئے جہازوں کی تعمیر کے لئے دیدیا، چنانچہ ایک سو اٹھ جہازوں کی تعمیر فوراً شروع کر دی گئی، اور چند مہینوں میں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ یہ نیا بیڑا تیار ہوگیا، ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) میں اتحادی بیڑا پھر بحر روم کے مشرقی حصہ میں جمع ہوا، لوچ پاشا اپنے نئے بیڑے کے ساتھ اُس کے مقابلہ کے لئے نکلا، لیکن چونکہ اُس کے جہاز رانوں کو ہنوز کافی تجربہ نہ تھا، اس لئے اُس نے خود حملہ کرنا مناسب نہیں خیال کیا اور اتحادیوں کی پیش قدمی کا انتظار کرتا رہا، اتحادی ترکوں کی اس خلافِ توقع تیاری سے بظاہر اس قدر مرعوب ہوئے کہ اُن کی طرف سے بھی کوئی حملہ نہ ہوا، اور لوچ پاشا اپنے پورے بیڑے کیساتھ واپس آگیا،

وینس سے صلح

۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) میں وینس نے باب عالی سے صلح کی گفتگو شروع کی اور حسب ذیل معاہدہ مرتب ہوا، وینس نے نہ صرف قبرص کی فتح اور اس پر سلطنت عثمانیہ کا قبضہ تسلیم کر لیا، بلکہ اس کے حاصل کرنے میں جو اخراجات دولت علیہ کو برداشت کرنے پڑے تھے اور جن کا تخمینہ تین لاکھ دوکات تھا اُن کی ادائگی بھی منظور کی، جزیرۂ زانطہ کیلئے جمہوریہ وینس ابتک پانچ سو دوکات خراج ادا کرتی تھی، اس معاہدہ کے رو سے خراج کی مقدار ڈیڑھ ہزار دوکات مقرر ہوگئی، البتہ قبرص کا خراج جو آٹھ ہزار دوکات سالانہ آیا کرتا تھا، وہ اب موقوف کر دیا گیا، ڈلماشیا اور البانیا میں فریقین کے جو مقبوضات جنگ لیپانٹو سے قبل تھے وہی برقرار رکھے گئے،

تونس کا الحاق

وینس اور سلطنت عثمانیہ کی صلح کے بعد ڈان جان ایک اسپینی بڑے کے ساتھ